

# ریاستِ سوات

(1915ء تا 1969ء)

ترجمہ  
پروفیسر احمد فواد

ڈاکٹر سلطانِ روم



1

# ریاستِ سوات

(1915ء تا 1969ء)

ڈاکٹر سلطانِ روم

ترجمہ

پروفیسر احمد فواد

پبلشرز اینڈ بک سیلرز  
جنرل آرڈر ڈیپارٹمنٹ، سوات  
شعبہ سوات

کتاب یا اس کا کوئی بھی حصہ مصنف کی باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا  
جاسکتا۔ یہ صورت دیگر قانونی چارہ جوئی کا حق محفوظ ہے۔

ریاست سوات (1915ء تا 1969ء)

ڈاکٹر سلطان روم

پروفیسر احمد فواد

فضل ربی راہی

عبدالرحمن نوید

انٹہار عالم

2013ء

نہم یو ایس پرنٹرز لاہور

450/- روپے

کتاب

مصنف

مترجم

ناشر

نائسل

کیورنگ

پہلی اشاعت

مطبع

قیمت

**SHOAIB SONS PUBLISHERS & BOOKSELLERS**

G. T. Road Mingora, Swat (Pakistan) Ph: 0946-729448, 722517

Email: shoaibsons@yahoo.com

اپنے والدین کے نام

## فہرستِ مضامین

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
5	عرضِ ترجم	1
8	اعتراف	2
13	تعارف	3
25	جغرافیائی اور تاریخی تناظر	4
42	ریاست کا قیام	5
62	احکام: پہلا مرحلہ	6
81	احکام: دوسرا مرحلہ	7
104	توسیع	8
114	امور خارجہ	9
145	انتظام و انصرام	10
176	سامی اور شافعی پہلو	11
219	ادغام	12
244	بعد از ادغام	13
259	اختتامیہ	14
269	مآخذ	15

Click on any of Chapter's Title\*

## عرض مترجم

ڈاکٹر سلطان روم کا نام اڑتے اڑتے میرے کانوں تک بھی آ پہنچا۔ ایک خاص فاصلہ تک ایک ہی سمت کے راہی ہونے کے ناطے پبلک ٹرانسپورٹ میں آنے سامنے یا ساتھ ساتھ بیٹھ کر سفر کرنے کے مواقع بھی شاید ملتے رہے ہوں لیکن اجنبیت کی دیوار نے ایک سرسری سی ٹلیک سلیک سے بات آگے بڑھانے کی ضرورت کا احساس کبھی نہ ہونے دیا۔ درس و تدریس کے ایک ہی پیشے سے منسلک ہونے کی وجہ سے ایک قسم کی اُنسیت کا پیدا ہونا بھی یقیناً امر محال نہ تھا لیکن یہ جان کر تب مجھے ایک قلبی مسرت ملی کہ ہم دونوں مختلف اوقات میں ایک ہی ماہِ علمی (جامعہ کراچی) کے سایہ عاطفت میں پروان چڑھے ہیں بلکہ ایک ہی شعبہ اور یکساں اساتذہ کی رہنمائی سے مستفیض ہوتے رہے ہیں لیکن ان باتوں کا بھی علم ان کی کتاب ”ریاست سوات“ ہاتھوں میں آنے کے بعد ہوا۔

جلد ۱ کراچی کے شعبہ تاریخ کا تیس بیستیس سال پرانا نقشہ ذہن میں گھوم گیا۔ ڈاکٹر ریاض الاسلام، پروفیسر عبدالرحمن، ڈاکٹر ظاہرہ آفتاب کے چہرے یادوں کے اُفتخ پر مہر تاباں بن کر جگ مگائے۔ سونامائی رستم جی جو اردو پڑھنا نہیں جانتی تھیں، اس لئے مجھ سے میرے ہم جماعتوں کے پیچھے پڑھوا کر انہیں نبردِ جیتی تھیں۔ ان سائے دار بیڑوں کی مہربان چھاؤں نے شبِ دروز کی پھلستی پیشانی پر اپنی ٹھنڈی انگلیاں رکھ دیں۔ ذہن اُن یام کی بھول بھلیوں میں ٹھم ہو گیا۔ تاریخ کی کتابیں پڑھنے کا شوق تو لڑکپن سے تھا لیکن مجھے اصل عشق تو شعر و ادب سے تھا اس لئے وسط سفر میں بیڑی بدل کر انگریزی ادبیات میں ماسٹر کیا۔ پر شعبہ تاریخ سے اپنائیت کا رشتہ برقرار رہا۔ پروفیسر عبدالرحمن کی یہ بات ”بھئی تم یونیورسٹی میں کہیں نظر آ جاؤ تو میں تمہاری حاضری لگا دیتا ہوں“ آج بھی نہیں بھولی۔

یادوں کی کتاب کی ورق گردانی دراصل عمر عزیز کے کھوئے ہوئے نثریے کو واپس پانے کی خواہش کے سوا کچھ نہیں۔ ناممکن کو ممکن بنانے کی یہ کوشش کسی نہ کسی حد تک سرور انگیز تو ضرور ہوتی ہے۔ کچھ دیر کے لئے کامرانی کا احساس رگ و پے میں دوڑ کر سرشار کر دیتا ہے۔ گلتا ہے کھوئے ہوئے رات دن لوٹ آئے ہیں۔ میں بھی کچھ دنوں تک اُس دور کی بے نگہری و بے اختیاری کے اختیار میں رہا۔ اس رو میں اس کتاب کو پڑھتا چلا گیا۔ شاید اس دوران

جہلی بار یہ خیال آیا ہو کہ اس کتاب کے دروازے اُس وسیع اردو دان طبقہ کے لئے بھی کھول دیئے جائیں جو شوق و ذوق رکھنے کے باوجود انگریزی میں استعداد کی کمی کی وجہ سے اس کتاب کی پُر لطف مصاحبت سے ابھی تک محروم ہے۔ پھر اپنے بہت سے شہزادوں کو رکھنے والے دوستوں کو اس بات پر رنجیدہ دیکھ کر اُن کی مشکل کو آسان کرنے کی کوشاں بنی۔

یہ وادی سوات جس کے خُسن کا چرچا زبان زدِ خواص و عام رہا ہے، نہ جانے کب سے اور کہاں کہاں سے مشتاقانِ دید و شنکانِ جمال یہاں دیدہ و دل کی سیرابی کی غرض سے آتے رہے ہیں۔ آج جس کا حال پاکستان کا مستقبل بچانے کے لئے خُونِ غم ہے اور ایک مجرمانہ اہام میں ملوث ہے لیکن اس کے ماضی کے بارے میں انتہائی عرق ریزی اور وقتِ نظر سے کام لے کر بنائی گئی اس سچی تصویر تک آسان رسائی یقیناً اس وادی کے دل زدہ باشندوں کے ساتھ ساتھ ہل وطن کا حق ہے۔ اور باتوں کے علاوہ شاید اس بات نے بھی مجھے ترجمہ کی اس وادی پُر جہاں میں قدم رکھنے پر آدھ کیا۔ معلوم تھا کہ یہ جان جو کھوں کا کام ہے۔ اس بھاری پتھر کو جب اٹھایا تو کئی بار پُجھ کر واپس اُسی جگہ رکھنے کی صدا نہاں خانہ دل سے اٹھی لیکن دوست و احباب کے مسلسل استفسار سے کہاں بیچنے؛ کتنا کام رہ گیا اور کتنا انتظار کرنا ہوگا نے حوصلہ نونے نہ دیا۔ حالانکہ اس دوران ہماری در بدری کا عذاب جاری تھا، اور امن و سکون کی منزل بھی کوسوں دور تھی، جو ایسے کام سرانجام دینے کے لئے لازم ہے۔ جب ترجمہ مکمل ہوا، تو کچھ روز تک کا ایک طویل مبرا آزما مرحلہ شروع ہوا۔ جس سے پسینے چھوٹ گئے۔ خدا خدا کر کے یہ منزل بھی آئی گئی۔

خُسن اتفاق سے سلطانِ روم کا جادو بھی اُسی کالج میں ہو گیا تھا جہاں میں پڑھاتا ہوں۔ جس سے باہمی مشاورت کا عمل آسان ہو گیا۔ انہوں نے تحقیق و تصنیف کی اپنی دیگر مصروفیات کو معطل کر کے پُر وف پڑھنے میں مدد کے علاوہ نامائوس ناموں کی صحیح ادائیگی اور ہم مقامات کی وضاحت و مصراحت کے لئے وقت نکالا۔ جس کے لئے میں اُن کا مشکور ہوں۔

ترجمہ کے اس لیے سفر میں حثِ رفاقت اگر کسی شخص نے صحیح معنوں میں ادا کیا تو وہ جناب شان الحسن تھی مرحوم ہیں، جن کی اوکسر ڈاگمیری کی اردو ڈکشنری نے پیشانی پر نیل ڈالے بغیر ہر سوال کا بروقت جواب دے کر اس مشکل راستہ کے سفر کو آسان بنا دیا۔

اس کتاب کے خُسن و فحش پر رائے زنی میرے لئے تصعبِ وقت کے زمرے میں آئے گی۔ چشتو زبان کی ایک مشہور کہادت ہے ”چرخِ آسمان دے نور سے م کے دے“ یعنی میرے جیسی صورت کے ہوتے مجھے کس بات کی کمی؟ البتہ اس کتاب کو اردو ترجمہ میں پڑھنے والوں کو میں یہ بتانا ضروری گردانتا ہوں کہ اس کتاب کی تکمیل، تحقیق و جستجو انتہائی دقیق مشکل راہوں سے گزر کر ہوئی ہے۔ مصنف نے حقائق جاننے کے لئے کئی برسوں تک مسلسل تک دو کی ہے۔



کوئی بات بغیر کسی مستند حوالہ کے نہیں کی ہے۔ ریسرچ کے کسی واقعہ کام کے لئے صحیحین حدود و قیود کا پوری طرح سے خیال رکھا ہے۔ اس لئے فصل در فصل کتابیات و حوالہ جات کی تفصیل دی گئی ہے۔ میں نے ان کی اجازت سے عام قاری کی سہولت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر باب کے بعد دی گئی اس تفصیل کو نظر انداز کر کے صرف ان اندراجات کے ترجمہ تک خود کو محدود رکھا ہے، جن میں کوئی نئی بات یا کسی بات کی مزید صراحت کی گئی ہو۔ تحقیق کی راہ پر گامزن قاری اصل انگریزی کتاب میں اس پوری تفصیل کو پڑھ سکتے ہیں۔ جو ہر باب کے آخر میں حوالہ جات کی صورت میں موجود ہے۔ بعض صورت میں یہ سینکڑوں اندراجات پر مشتمل ہے۔ اصل کتاب کے آخر میں ماخذ کی جو تفصیل درج ہے، اسے البتہ اس اردو ترجمہ میں بھی برقرار رکھا گیا ہے۔

پروفیسر احمد فواد

## اعتراف

اس کتاب کی بنیاد میرا پلی ایچ ڈی کا مقالہ 'سوات نیٹ انڈروی والیز (69-1917ء)' ہے جسے یونیورسٹی آف پشاور کے شعبہ تاریخ میں پیش کیا گیا تھا۔ حالانکہ مجھے تاریخ سے کوئی زیادہ رغبت نہیں تھی لیکن جلد سے کراچی میں جزل ہسٹری ڈیپارٹمنٹ کے میرے اساتذہ کرام، خصوصاً پروفیسر سید عبدالرحمن، ڈاکٹر طاہرہ آفتاب اور ڈاکٹر خواجہ غلام امفرن نے اس سے دل چسپی پیدا کرنے میں میری مدد کی۔ ان کی توجہ اور حوصلہ افزائی نے تحقیقی کام کے لئے میری صلاحیت اور محنت کو جلا بخشی۔ سید عبدالرحمن نے تحقیق سے میری دل چسپی کا رُخ سوات اور ریاست سوات کی تاریخ اور وہاں کے لوگوں اور اُس علاقہ کے حالات کے بارے میں پوچھ پوچھ کر اس کی جانب موڑ دیا۔ 1987ء میں انہوں نے جلد سے کراچی کے جزل ہسٹری ڈیپارٹمنٹ کے میگزین 'پاسٹ اینڈ پریزنٹ' کے لئے ریاست سوات کے بارے میں مضمون لکھنے کے لیے کہا۔ میگزین تو اُس سال شائع نہ ہو سکا لیکن اُس کے لئے لکھا گیا مضمون میرے پلی ایچ ڈی کے مقالے کا پیش رو ثابت ہوا۔ اُسی وقت سے میں نے اس موضوع پر اپنی تحقیق کو جاری رکھا اور اس پر کئی تحقیقی مضامین شائع کئے۔ موجودہ کتاب 1987ء کے بعد سے اس ضمن میں میری مسلسل تحقیق کا نتیجہ ہے اور یہ دراصل اُسی غیر مطبوعہ مضمون کی مکمل اور مفصل شکل ہے۔ تحقیق ہمیشہ سے ہی ایک دقت طلب کام ہے اور خصوصاً اگر موضوع کا تعلق اپنے علاقہ اور ماضی قریب کے واقعات سے ہو۔ اس میں اگرچہ محقق اس لحاظ سے فائدہ میں رہتا ہے کہ موضوع سے متعلق اُس کا علم اور فہم نسبتاً بہت بہتر ہوتا ہے لیکن اس لحاظ سے اس کی مشکلات بڑھ جاتی ہیں کہ موضوع سے متعلق بعض کردار ابھی موجود ہوتے ہیں جن کی رائے اور نقطہ نظر اُس سے مختلف ہو سکتا ہے۔

میں نے مکمل حد تک دیانت داری اور غیر جانب داری سے کام لیا ہے اور اس تحقیق کی سچائی پر کسی کو اثر انداز ہونے سے روکنے کے لئے خود کو ہر وقت چوکس رکھا ہے۔

میں جانتا ہوں کہ سابقہ حکمرانوں اور ریاست کے حامیوں اور مخالفین میں سے بعض لوگ اس تحقیقی مطالعہ سے بالعموم خوش نہیں ہوں گے، لیکن میں نے کسی خاص فرد، گروہ یا نقطہ نظر کی ترجمانی و حمایت کی جگہ خود کو ایک محقق

کے لئے مقرر اصول و ضوابط پر سختی سے کار بند رہنے کو ترجیح دی ہے۔ اس کتاب کا مقصد کسی کو بہرہ دینا اور کسی کو پر لے درجہ کا بد معاش بنا کر پیش کرنا ہرگز نہیں ہے۔ شکر ہے کہ خوف اور لالچ اس مشکل کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے درکار ایمان داری اور دیانت کو گزند پہنچانے میں کامیاب نہیں ہوئے اور میری برسوں کی کاوشوں نے بالآخر اس کتاب کا روپ دھار لیا ہے۔

اکبر علی (انچارج، ڈسٹرکٹ ریکارڈ روم، گل کدہ، سوات)، سیف الرحمن (لاہوریرین، ڈیپارٹمنٹ آف ہسٹری، یونیورسٹی آف پشاور)، ناہید جہاں (لاہوریرین، لیاقت میموریل لاہوریری، کراچی)، تنویر سجاد (لاہوریرین، ڈیپارٹمنٹ آف آرکیالوجی، گورنمنٹ آف پاکستان، کراچی)، محترم خان اور اکرم خان مرودت (ڈائریکٹریٹ آف آرکیالوجی، لاہوریرین، پشاور)، دستم علی قراباش اور عرفان اللہ خان (ریسرچ افسرز، نیشنل انٹرنیٹ زریسرچ سینٹر، پشاور)، عبدالحمید (لاہوریرین، اسلام آباد، کالج، پشاور)، شاہ مراد خان (چیف لاہوریرین، ڈائریکٹریٹ آف آرکیالوجی، اینڈ لاہوریرین، پشاور)، ناصر اللہ خان (لاہوریرین، پاکستان سٹڈی سنٹر، یونیورسٹی آف پشاور)، محمد سیال (لاہوریرین، ڈیپارٹمنٹ آف آرکیالوجی، یونیورسٹی آف پشاور)، سرفراز خان مرودت (لاہوریرین، ہسٹوریکیٹ، یونیورسٹی آف پشاور)، تاجونو (انچارج، ڈسٹرکٹ مال خانہ، سید شریف، سوات) اور ان مقامات پر موجود دیگر علمہ اسی طرح نیشنل ڈیوکیشنل سینٹر اسلام آباد کے علمہ، سنٹرل لاہوریری (یونیورسٹی آف پشاور)، لاہوریرین آف دی ڈیپارٹمنٹ آف سوشیالوجی (یونیورسٹی آف پشاور)، نیشنل میوزیم لاہوریری (کراچی)، ڈاکٹر محمود حسین لاہوریری (یونیورسٹی آف پشاور) اور لاہوریری سرورسز اکیڈمی (پشاور) کے اسٹاف نے میرے اس تحقیقی کام کے دوران مجھ سے بھرپور تعاون کیا۔

بہت سے لوگوں نے اس کام میں دل چسپی لی اور اس مطالعہ کے سلسلہ میں اپنی مدد فراہم کی۔ ان میں جنرل ہسٹری ڈیپارٹمنٹ، کراچی یونیورسٹی کے میرے اساتذہ کرام پروفیسر سید عبدالرحمن، پروفیسر ڈاکٹر طاہرہ آفتاب، پروفیسر ڈاکٹر غلام اصغر، خانہ فرحتک ایران پشاور کے میرے استاد سید غفور حسین، پروفیسر سیف اللہ خان (بیگورہ، سوات)، شمشاد خان، حیات خان اور محمد نواز خان (شعبہ تاریخ، پشاور یونیورسٹی)، پروفیسر لیاقت الرحمن (ایبٹ آباد)، بہروز خان (بلو خان، بونیر)، پروفیسر میاں نور نواب (کانبجو، سوات)، پروفیسر بنت جہان (چارباغ، سوات)، پروفیسر ڈاکٹر نضر الاسلام (پشاور)، سیف اللہ خان (اوڈی گرام، سوات)، نجیب الرحمن (مٹ، سوات)، پروفیسر سلطان عالم (ڈیڈوہ، سوات)، منظور احمد (سمبٹ چم، سوات)، پروفیسر شہاب الدین (اشاڑے، سوات)، پروفیسر امین دیارو (جنیوا)، پروفیسر فضل معبود (اسلام پور، سوات)، یاسر خان (علی گرام، سوات)، محمد سلیم (اسلام پور، سوات)، سیف اللہ (اسلام پور، سوات)، اختر ایوب ایڈووکیٹ (کالج کالونی، سید شریف، سوات) پروفیسر

ڈاکٹر اسے زینہ بلالی (پشاور)، ڈاکٹر راج ولی شاہ تنگ (پشاور)، بہادر خان المعروف بہادر (ہزارہ، سوات)، دلاور جان المعروف وائزہ خان (ہزارہ، سوات)، محمد جاوید المعروف جاوید (ہزارہ، سوات)، فرمان علی المعروف فرمان (ہزارہ، سوات)، آفتاب علی (ہزارہ، سوات)، نوشیروان خان ایڈووکیٹ (کوٹہ، سوات)، بہادر خان (فتح پور، سوات) اور فضل مجبور المعروف بابو (سیدو شریف، سوات) شامل ہیں۔

میری اس تحقیق کے لئے مقرر نگران کیمپنی کے ارکان پروفیسر ڈاکٹر غلام تقی بگلش، پروفیسر ڈاکٹر فضل الرحیم مروت اور پروفیسر ڈاکٹر سید منہاج الحسن اور اسی طرح پروفیسر ڈاکٹر نعل بہا (پشاور)، پروفیسر ڈاکٹر انصار زابد خان (کراچی) اور پروفیسر ڈاکٹر محمد فاروق سواتی (پشاور) نے بہت تعاون کیا اور کئی نکات پر اپنی معلومات سے مستغنیض ہونے کا موقع دیا۔

عبدالعلیم ایڈووکیٹ (غالیگے، سوات)، شاہ سلم خان ایڈووکیٹ (گل کدہ، سوات)، سر جن محمد عثمان ایف آر سی ایس (سیدو شریف، سوات)، پروفیسر انور علی شاہ (دمخار، سوات) اور پروفیسر خورشید (ہزارہ، سوات) نے اس کام میں دل چسپی لی اور معاونت کی۔ مسودہ کے سلسلہ میں ان کی مفصل گفت گو اور تنقیدی جانچ پر کھا اور ان کے پیش بہا مشورے بے حد کارآمد رہے۔ اس نے یقیناً اس منزل دشوار کی راہ ہم وار کی۔

پروفیسر عبدالوہاب خان (روڈیال، سوات) اور ماہر تعمیرات شوکت علی شرار (سیل باغی، سوات) کا میں یہ طور خاص ذکر کرتا چاہوں گا اس لئے کہ انہوں نے صرف اس کام میں دل چسپی ہی نہیں لی بلکہ اس ضمن میں متعلقہ لوگوں سے بالمشاورت گفتگو کے انتظامات کئے، نفس مضمون پر سیر حاصل بات کی اور اس مسودہ کی جانچ پر کھ میں بھرپور حصہ لیا بلکہ اگر یہ کہوں کہ یہ دونوں میرے لئے اس راہ کی مشکلات سے تیرا آزمائی کے لئے کارقوت اور حوصلہ پانے کا ایک نغمہ ہونے والا ذریعہ ثابت ہوئے تو غلط نہیں ہوگا۔ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں یقیناً ان کی مدد نے بہت آسانی پیدا کی۔

میرے بڑے بھائیوں عالم زیب باچا اور سلطان محمود کی مسلسل اعانت کے بغیر میری اس کاوش کو شاید دن کی روشنی دیکھنی نصیب نہ ہوتی۔ دوران تعلیم اور میری تحقیقی مصروفیات کے دوران ان کا دست تعاون مجھے حاصل رہا اور ان کی حوصلہ افزائی میرے لئے ہمیشہ کا کام کرتی رہی۔ ان کے بیٹوں انعام اللہ، احسان اللہ، رفیع اللہ، سبح اللہ، عرفان اللہ، حمید اللہ اور عبداللہ نے بھی اس مطالعہ کے دوران میری بڑی مدد کی۔ میری بہنوں نے بھی میرے اس کام میں دل چسپی لی اور دلہانہ انداز سے اس کی تکمیل کی خواہش مند رہیں۔ اپنی اہلیہ کے لئے اپنی منونیت کا میں یہ طور خاص ذکر کروں گا جس نے میری اس تحقیقی مصروفیات کی وجہ سے میری بہت سی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھائے رکھا۔ اسی طرح میرے بیٹے بھی میرے شکر یہ کے مستحق ہیں۔ یقیناً یہ سب اس تحقیق کے لئے میری غیر موجودگی کی وجہ سے متاثر

ہوئے۔

اُن تمام افراد کے لئے بھی میرا دل احسان مندی کے جذبات سے بڑے ہے جنہوں نے اس کام میں دل چسپی لی اور کسی بھی قسم کی مدد فراہم کی لیکن غیر ارادی طور پر میں نے یہاں اُن کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اسی طرح اُن تمام افراد کا بھی میں شکر گزار ہوں جنہوں نے بالمشافہ گفت گو کا موقع فراہم کر کے اپنی گران قدر معلومات، بصیرت اور آراء سے اس تحقیقی کام کو معروضی اور واقع بنانے میں حصہ لیا۔ اس کام کا سارا مالی بوجھ میں نے خود ہی اٹھایا ہے۔

اس مطالعہ کے کچھ حصے مندرجہ ذیل رسائل و جرائد میں مصنف کے چھپنے والے مضامین میں شائع ہو چکے

ہیں:

جرائد آف دی پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی، ہمدرد اسلامیکس، کراچی، جرائد آف دی ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان، لاہور، ورلڈ پیپر بعنوان فارسٹری ان دی نرٹل اسٹیٹ آف سوات اینڈ کالام (مارچ۔ دسمبر پاکستان) اے ہسٹاریکل پریسٹیکو آف نارمز اینڈ پریکٹس (زیورن: سویٹس میٹل سینٹر آف کیمپتس ان ریسرچ پاکستان) (NCCR) تاریخ سادھ، 2005۔



## تعارف

مشہور زمانہ وادی سوات جسے اپنی خوب صورتی کی وجہ سے ایشیا کا سوئزر لینڈ کہا جاتا ہے، جغرافیائی لحاظ سے اس علاقہ کا ایک کلیدی اور اہم حصہ ہے جہاں بڑا عظیم ایشیا کے تین اہم خطے جنوبی ایشیا، وسطی ایشیا اور چین ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ تاریخی طور پر اس کی امتیازی حیثیت ہمیشہ سے برقرار رہی ہے۔ تہذیب و تمدن کا گہوارہ ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف اوقات میں یہ کئی خونخاک افواج کی مہم جوئی کا نشانہ بنا رہا ہے۔

ہر طرف موجود تاریخی اور ثقافتی آثار اس بات پر گواہ ہیں کہ کم از کم گزشتہ پانچ ہزار سال سے یہاں بھرپور انسانی موجودگی رہی ہے جس کی وجہ سے محققین اور مؤرخین کو اس کی تاریخ، آثار قدیمہ، فنونِ تعمیر، سماجی نظام، طرزِ حکومت غرض زندگی کی ہر جہت کا مطالعہ کرنے کی ہمت ملتی رہی ہے۔ حالیہ برسوں میں تحریکِ نفاذِ شریعت محمدی کے جنڈے تلے شروع ہونے والی مسلح جدوجہد بھی اس بات کی غماز ہے کہ یہ علاقہ اور یہاں کے لوگ اپنے ارد گرد سے خاصے مختلف ہیں۔

جب پاکستان اگست 1947ء میں معرض وجود میں آیا تو برصغیر کے مسلم اکثریت والے علاقے اس میں شامل کئے گئے۔ چونکہ ان مختلف علاقوں میں آباد لوگوں کا معاشرتی ارتقاء اپنی اپنی مقامی ثقافت، زبان، سماجی رویہ، لوک ورثہ اور تاریخی پس منظر کی حدود میں رہ کر ہوا، اس لئے تقسیم سے پہلے اور بعد کے دونوں ادوار میں سیاسی شعور و سیاسی مسائل کے بارے میں ردعمل، تعلیم اور معاشرتی ترقی کے لحاظ سے یہ سب ایک دوسرے سے مختلف رہے ہیں۔ یہ ساری علاقائی اکائیاں مل کے مختلف النوع سماجی ساخت والے اس ملک کے معاشرہ کی تعمیر کرتی ہیں۔ درحقیقت پاکستان کی تاریخ اور سیاست کو اس وقت تک کوئی نہیں سمجھ سکتا جب تک ان مختلف علاقوں کے تاریخی ارتقاء کو نہ سمجھ لے۔ اس لحاظ سے بھی اگر دیکھیں تو محض وقوع کی تدریجی اہمیت اور سیاسی ارتقاء کے علاوہ شاہراہ ترقی پر اس کے مسلسل سفر اور اپنی بے نظیر خارجی اور داخلی پالیسیوں کی وجہ سے ریاست سوات کی بہت اہم اور مایہ ناز حیثیت ہے۔

سولہویں صدی کے پہلے نصف میں افغان یوسف زئی قبائل کے قبضہ کے بعد سوات کبھی بھی غیر ملکی تسلط میں نہیں رہا لیکن یہ لوگ اپنے قبائلی طرز بود و باش کی وجہ سے یہاں کوئی ریاست یا مستحکم حکومت قائم کرنے میں ناکام رہے۔ پھر بھی پشاور اور سوات کے آس پاس کے میدانی علاقوں پر انگریزوں کے قبضہ اور 1849ء میں پنجاب کے انگریز سلطنت میں الحاق نے سوات کے باشندوں کو بھی خوف میں مبتلا کر دیا۔ اپنی آزادی کی برصورت حفاظت کے لئے انہوں نے سوات کے سید اکبر شاہ کو یہاں کی بادشاہی سوپ دی۔ اپنی وفات تک (11 مئی 1857ء) دو سوات کے حکمران رہے۔ اتفاق سے ان کے وفات کے دن ہی انگریز کے خلاف پٹانہ ہونے والی جنگ آزادی کی خبر پشاور پہنچی جسے انگریز غدر کہتے ہیں۔ اُن کے بعد اُن کا بیٹا مبارک شاہ خواہش و کوشش کے باوجود اُس وقت کی ایک انتہائی اہم مذہبی حیثیت والی شخصیت اخوند عبدالغفور المعروف بہ سید و بابا کی وجہ سے طاقت کے حصول میں ناکام رہا۔ اگرچہ اس ذہنی منصب کا حصول اخوند صاحب کے لئے ذاتی طور پر ممکن نہیں تھا لیکن انہوں نے اپنے بڑے بیٹے میاں گل عبدالنجان کے لئے 1871ء اور 1875ء میں دوبارہ کوشش کی کہ یہ منصب اُسے مل جائے لیکن ناکام رہے۔ میاں گل عبدالنجان ایک جاہل پست آدمی تھے۔ وہ زندگی بھر سوات کی حکمرانی کے حصول کے لئے کوشاں رہے۔ باپ کی موت کے بعد بھی یہ خواب، خواب ہی رہا۔ وہ اور ان کے بھائی میاں گل عبدالخالق بالترتیب 1887ء اور 1892ء میں وفات پا گئے۔ دونوں کے درود دینے تھے۔

1877ء کے بعد وادی سوات میں سازشوں اور گروہی تنازعات کا ایک بازار گرم رہا۔ خان آف دیر، میاں گل عبدالنجان، شیر دل خان آف الڈ ڈھ، عمر خان آف جندول اپنے اپنے مفادات کے لئے باہم دست و گریباں رہے۔ 1879ء میں خان آف دیر نے دریائے سوات کے دائیں کنارے کے کچھ علاقہ پر قبضہ کر لیا اور 1881ء کے اختتام تک وہ پورا علاقہ اُس کے زیر تسلط آ گیا۔ اپنا ہی بیٹا اور خان آف جندول اُتر اُس کے لئے مشکلات پیدا نہ کرے تو وہ یقیناً مزید علاقوں پر قابض ہونے کی یہ ہم جاری رکھتا۔ اُدھر امیر افغانستان کا سوات پر حکمرانی کا اپنا دعویٰ تھا اور 1888ء میں برطانیہ بھی اپنے مفادات کی حفاظت کے لئے اس علاقہ پر ایک قسم کی گرفت رکھنے کی جدوجہد میں شامل ہو گیا۔ قسمت نے مختلف اوقات میں مختلف دعویداروں کا ساتھ دیا۔ انگریزوں نے 1893ء میں ڈیورنڈ لائن معاہدہ کر کے اس علاقہ میں اپنی پوزیشن مستحکم کر لی۔ 1895ء میں عمر خان آف جندول کے زوال کے بعد انگریزوں نے شریف خان کو خان آف دیر کی حیثیت پر بحال کیا۔ دریائے سوات کے دائیں کنارے پر اُس کے قبضہ کو تسلیم کیا اور بالآخر 1897ء میں اُسے نواب آف دیر مان لیا۔

اس سال سید و بابا کے چاروں پوتے بھی اقتدار کی اس جنگ میں شامل ہو گئے۔ چونکہ ان میں سے ہر ایک اپنی ذاتی طاقت اور حیثیت کو مستحکم کرنے کے لائحہ عمل پر عمل پیرا تھا جس کی وجہ سے یہ خاندان اندرونی سازشوں کا شکار



ہو گیا۔ نتیجتاً عبدالحکیم کے دونوں بیٹے عبدالرزاق اور عبدالواحد اپنے چچا زاد بھائی میاں گل عبدالودود کے ہاتھوں ہاتھ پائیے۔ 1903ء اور 1907ء میں مارڈالے گئے۔ عبدالودود نے ایک طرف اپنے گئے بھائی شیرین جان کے مقابلہ میں اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔

دوسری طرف ابتداء سے ہی انگریزوں سے بھی ان کی طرح طرح کی خدمات بجا کر دوستانہ تعلقات قائم کر لئے۔ تاج برطانیہ کی سرپرستی میں نواب دیر کی حیثیت اور اقتدار اپنے علاقہ میں محفوظ تھا لیکن دریائے سوات کے دائیں کنارے کے باشندوں کے ساتھ اُس کی ان بن جاری رہی۔ یہاں اُس کے قبضہ کو مسلسل خطرات کا سامنا تھا مگر تنازعات اور ڈلہ (دھڑا) نظام نے، جس پر یہاں کی سماجی تنظیم کی بنیاد قائم رہی ہے، ایک قسم کی بے چینی کو جنم دیا۔ نواب دیر کی مسلسل دراندازیوں اور گروہی جھگڑوں سے تنگ آ کر سوات بالا کے باشندوں نے بھی برطانوی حکومت سے استدعا کی کہ وہ سوات زیریں کی طرح ان کے علاقہ کو بھی اپنی حفاظت میں لے لے، جسے 1895ء میں چترال مہم کے بعد یہ حیثیت دے دی گئی تھی۔ وہ مختلف افراد سے بھی یہ حکومت سنبھالنے کی ناکام درخواستیں کرتے رہے۔

دیر کے محصول حکام کی زیادتیوں اور نواب کے ظالمانہ و جاہلانہ انداز نے لوگوں کو اتنا ناراض کر دیا کہ 1907ء میں انہوں نے فشر کی اداہنگی روک دی اور مزید اطاعت کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ اس کی فوری وجہ سوات میں بااثر لوگوں (دھڑوں) کی قوت اقتدار میں تبدیلی بھی تھی۔ نواب نے یہ جاننے کے بعد کہ حکومت برطانیہ مداخلت نہیں کرے گی، 11-1910ء میں انتہائی دلیرانہ انداز میں سوات بالا پر حملہ کر کے وہاں اپنی حکومتی ہوئی طاقت بحال کر دی۔

لیکن اس حکومت کو عوامی پذیرائی حاصل نہیں تھی۔ اس لئے 1914ء میں دوبارہ یہاں کے لوگوں نے ایک حکمران نامزد کر کے اپنی الگ ریاست قائم کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے سوات کے عبدالجبار شاہ کے پاس ایک جرم بھیج کر اُسے حکمرانی کی دعوت دی۔ وہ اس نے قبول کر لی اور سوات کی طرف روانہ ہوا لیکن برطانوی حکام نے اُسے راستہ میں روک کر سوات کی علیحدہ ریاست کے قیام کی کوششیں ناکام بنا دیں۔

فروری 1915ء میں شامیڑی، سیبوتنی، اور نیگی خیل اقوام نے سڈا کی بابا کی قیادت میں نواب کے قبضہ کے خلاف بغاوت کر دی۔ نواب کی فوج کو مختلف مقابلوں میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح ان علاقوں پر اُس کے تسلط کا خاتمہ ہو گیا۔

نواب دیر کی ازسرنو ان علاقوں پر قبضہ کی کوششوں کا سدباب کرنے کے لئے اور اپنی ایک مرکزی حکومت کے قیام کی خاطر ان لوگوں نے اس بار میاں گل عبدالودود اور اُس کے بھائی شیرین جان کو ایک روحانی خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے حکمرانی کی دعوت دی۔ وہ اس پیشکش کو قبول کرنے سے ہچکچا رہے تھے۔ ایک منظم حکومت کو بڑا انداز

میں لانے کے لیے درکار علم و تجربہ کی عدم موجودگی کا احساس اُن کے آڑے آرہا تھا۔ جرگہ نے ایک بار پھر عبدالجبار شاہ کو دعوت دی جو اس بار برطانوی حکام کی رضامندی سے اُس نے قبول کر لی۔ اس طرح اُسے سوات کا بادشاہ بنا دیا گیا۔ اُس نے ایک حکومت کی تشکیل کی اور بنیادی انتظامی مشینری قائم کر کے اُس نے ریاست کے معاملات چلانے شروع کر دیئے۔

عبدالجبار شاہ کو اس طرح کامیابی سے حکومت کرنا دیکھ کر عبدالودود نے فوراً بھانپ لیا کہ اُس کے سارے خدشات بے بنیاد تھے۔ حکومت کرنا اتنا مشکل ہرگز نہیں کہ آدمی ایسی پیشکش کو رد کر دے۔ اس لئے اس کے بعد اُس نے عبدالجبار شاہ کی حکومت ختم کرنے کی جگہ اپنی حکومت قائم کرنے کے جنین شروع کر دیئے۔ کچھ دیگر عوامل کی وجہ سے بھی عبدالجبار شاہ کی پوزیشن کو جو پہلے ہی خاصی کمزور تھی مزید نقصان ہوا۔ ان میں اہم ترین بات سنڈاگنی بابا کے ہاتھوں میں اصل اختیارات کا ہونا تھا جو اب کھل کر انگریزوں کی مخالفت کر رہے تھے۔ انگریز اس وقت اس بات کے خواہش مند تھے کہ سنڈاگنی بابا کی جگہ اختیارات ایسے شخص کے ہاتھ میں ہوں جو اُن سے عداوت نہ رکھتا ہو۔ اس لئے کہ اس وقت جنگ عظیم ازل کا آغاز ہو چکا تھا اور سوات، افغانستان اور روس کی سرحدوں سے قربت کی وجہ سے جنگی حکمت عملی کے نقطہ نظر سے بے حد اہمیت کی حامل جگہ تھی۔ بہت سے ہندوستانی انقلابی رہنماؤں نے انگریز مخالف سرگرمیوں کے لئے افغانستان میں پناہ لے رکھی تھی۔

سوات پر حکمرانی کے ایک متوقع امیدوار کی حیثیت سے عبدالودود کو کچھ بااثر سیاسی قائدین نیز سنڈاگنی بابا کی حمایت اور چیف کسٹریاؤن ڈبلیو ایف پی کی خفیہ رضامندی حاصل تھی۔ بالآخر ستمبر 1917ء میں سنڈاگنی بابا اور جرگہ نے عبدالجبار شاہ کو تخت سے دستبردار ہو کر سوات سے نکل جانے کا مطالبہ کر دیا۔ ایک بار پھر عبدالودود کو تخت نشین ہونے کے لئے کہا گیا اور نیچے خیل کے مقام کبل میں ایک بڑے مقامی جرگہ نے اُس کے سر پر شاہی دستار باندھنے کی قاعدہ رسم ادا کی۔

عبدالودود بہت ہی باصلاحیت شخص ثابت ہوا۔ اُس کی تاج پوشی ریاست سوات میں توسیع، استحکام اور ترقی کا نقطہ آغاز ثابت ہوئی۔ بیرونی دشمن پہنچا ہو گئے اور اندرونی دشمن یا تو قابو کر لئے گئے یا منظر سے ہٹا دیئے گئے۔ وادی سوات کے اندر اور باہر ریاست کی سرحدوں میں توسیع کا عمل شروع ہوا جسے کہیں کہیں انگریزوں کی مخالفت کی وجہ سے روکنا پڑا۔ بیرونی اور اندرونی مسائل کے باوجود وہ ریاست پر کامیابی سے حکمرانی کرتے رہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ایک اُن پڑھ تبار کی معاشرہ میں کامیاب حکومتی نظم و نسق ایک اُن پڑھ لیکن روشن خیال شخص کے ذریعہ قائم ہوا۔

میاں گل جہان زیب نے وادی سوات کی حیثیت سے 12 دسمبر 1949ء کو اُس وقت ریاست کی باگ ڈور سنبھالی جب باپ نے خود ہی دستبردار ہو کر تاج و تخت بیٹے کے حوالے کر دیئے۔ اس سے اس کا مغربی طرز زندگی اور

وہاں نئی ترقی کا دلدادہ ہونے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ ریاست اور معاشرہ کو جدید خطوط پر ڈھالنے کا عمل تیز ہوا بلکہ انہوں نے ریاست کو ارادینہ سیکولر اور مغربی رنگ میں رنگنے کی کوشش کی۔ البتہ پہلے سے موجود راجتی سرکردہ قیادت اور مراعات یافتہ طبقہ کے اثر و رسوخ اور طاقت کو نہیں چھیڑا گیا۔ صرف انداز بدل گیا۔ نئے اقدامات کر کے اور نئی حکمت عملی اختیار کر کے صدیوں پرانی سماجی تنظیم کو تبدیل کر دیا گیا۔

انتظام و انصرام کا نظام یقیناً بے نظیر تھا اور ایک نو تشکیل شدہ ڈھانچہ کی نمائندگی کرتا تھا۔ لیکن اس میں ایک فرد واحد کی حکمرانی کی ساری برائیاں پہلے دن سے ہی موجود تھیں۔ حالانکہ ”سوات کی ایک اچھی مثال بن گیا کہ ایک فرد واحد کی حکمرانی کتنی رفاہی ہو سکتی ہے۔“ عبدالودود اور جہان زبید دونوں مطلق العنان حکمران تھے۔ جہان زبید کے عہد میں پالیسی اور قوانین میں کچھ تبدیلی لائی گئی اور باپ کے معز میں اور مرہتویوں کی جگہ نئے لوگ سامنے لائے گئے جس سے پرانے وفاداروں میں ناراضگی پیدا ہو گئی جب کہ نئے حمایتی نہ تو اپنی اہلیت ثابت کر سکے اور نہ ہی کچھ زیادہ وفادار نکلے، جب کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ فرد واحد کی حکمرانی سے خوش نہیں تھا۔ اس لئے وہ مسلسل اصلاحات، بشہری حقوق اور آزادی کے لئے دباؤ ڈالتا رہا۔

ہندوستان کی ریاستوں میں سب سے کم عمر ہونے کے باوجود ریاست سوات کو اپنی تزدیری اہمیت کے نکل وقوع کی وجہ سے منفرد مقام حاصل رہا۔ اُس وقت کی عالمی طاقت برطانوی سلطنت سے اس کے دوستانہ تعلقات قائم رہے۔ بعد میں پاکستان کے ساتھ بھی معاملات دوستانہ ہی رہے۔

یہ تحقیقی مطالعہ اس بات کا تعین کرتا ہے کہ یوسف زئی قبائل کے قبضہ کے بعد ریاست سوات کی دوسری بار تشکیل دراصل اُس پانچ رکنی کونسل کے قیام سے شروع ہوئی جس میں اصل اختیارات سنڈاکنی باپ کے ہاتھ میں تھے جو کہ نواب دیر کا شامیزئی، سیپو، جی اور نیگی خیل علاقہ پر قبضہ ختم کرانے کے بعد یہاں کے اہم معاملات نسنانے کے لئے تشکیل ہوئی تھی، اور یہ کہ دراصل باقاعدہ حکومت کا آغاز 1915ء میں عبدالجبار شاہ (1915 تا 1917ء) کو ایک جرم کے ذریعہ سوات کا بادشاہ مقرر ہونے کے ساتھ ہو گیا تھا نہ کہ 1917ء میں جب عبدالودود کو بادشاہ مقرر کیا گیا جیسا کہ غلطی سے عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔

یہ تحقیقی مطالعہ بتاتا ہے کہ

☆ میاں گل عبدالودود نے ریاست کو مستحکم کرنے کے لئے سواتی معاشرہ میں موجود خصوصیات اور یاد لی اور حسد سے مکمل اور آزادانہ طور پر فائدہ اٹھایا۔

☆ ریاست کے استحکام کے لئے جوت نئے طریقے اور انداز اختیار کئے گئے اُن سے میاں گل عبدالودود کی انتہائی ذہانت اور بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

- ☆ متعلقہ علاقوں کی سیاسی صورتحال سے مدد لیتے ہوئے ریاست سوات کی توسیع کا کام جاری رکھا گیا۔ اس مقصد کے لئے سفارتی اور فوجی دونوں قسم کے ذرائع استعمال کئے گئے۔
- ☆ ریاست کا منفرد انتظامی نظام برادارہ کار میں موثر تھا۔ مزید برآں اس نئے قواعد و ضوابط کی تشکیل کے لحاظ سے اس کو رکھا جائے تو میاں گل عبدالودود کے عہد میں یہ خاص مرکز گریز پالیسی کا آغاز لگتا ہے لیکن اگر ان قواعد و ضوابط پر عملدرآمد کے نقطہ نظر سے اس کو دیکھا جائے تو پھر باچا صاحب اور والی صاحب دونوں ادوار میں مرکزیت پسندی کا غلبہ نظر آتا ہے۔
- ☆ عبدالودود اور جہان زیب کی اختیار کردہ پالیسی اور کوششوں سے یہاں کے لوگوں کے طور احوال اور نقطہ نظر میں مرحلہ وار تبدیلی آئی اور معاشرہ کا قبائلی رنگ بھی دھیمپا پڑ گیا۔
- ☆ بالعموم یہ تبدیلیاں پر امن طریقہ سے لائی گئیں۔ اس کے لئے صرف روایتی طریقے استعمال نہیں کئے گئے بلکہ قابل قبول نئے طریقے بھی آزمائے گئے۔
- ☆ اس دوران جو طرز حکومت ظہور پذیر ہوا وہ روایتی، اسلامی اور جدید اقدار اور قوانین، قواعد و ضوابط کا ایک امتزاج تھا۔
- ☆ ادغام کی بڑی وجہ مطلق العنان طرز حکمرانی تھی۔
- ☆ ادغام کی اصل ذمہ داری بھی میاں گل جہان زیب پر عائد ہوتی ہے۔ وہ حالات کے مطابق اپنی طرز حکم رانی میں تبدیلی لانے میں ناکام رہے۔
- ☆ ادغام سے اس علاقہ اور یہاں کے باشندوں پر پشت اور منفی دونوں قسم کے اثرات مرتب ہوئے۔

### مآخذ کا تجزیہ

سوات اور ریاست سوات کے بارے میں اچھا خاصہ تحریری مواد موجود ہے۔ اگرچہ اس مطالعہ کی اصل بنیاد تو دستاویزات اور محفوظ یادداشتیں ہیں لیکن اس میں بہت سی کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ مختلف جرائد میں چھپنے والی تحریروں اور صوبہ، نیز پاکستان یا دیگر صوبوں کے بارے میں مطبوعہ مواد، رپورٹوں اور حوالہ جات کے علاوہ سوات اور ریاست پر خصوصی طور پر بہت ساری کتابیں، پمفلٹ اور کتابچے لکھے گئے ہیں۔ ان میں شاہی سرپرستی میں لکھی گئی کتابیں، حکمرانوں کی خودنوشت، حکمرانوں کی درپردہ سرپرستی میں لکھی گئی اور آزاد مہضنین کی تحریریں شامل ہیں۔

سوات اور ریاست سوات کے بارے میں لکھی گئی کتب میں سے سب سے پہلے دربار سے منسلک لوگوں کی اور حکمرانوں کی خودنوشت کتابوں کو لیتے ہیں۔ ان میں عبدالغفور قاسمی کی تاریخ ریاست سوات جسے ہسٹری آف سوات (1940ء) کے نام سے انگریزی میں چھاپا گیا۔ تاج محمد خان زبیر سرکی مروجہ نفعان دو جلدوں میں (جلد اول) 1360 حجری، جلد دوم 1361 حجری) یہ کتاب شعر میں ہے۔ محمد آصف خان کی تاریخ ریاست سوات و سوانح حیات بائیں ریاست سوات حضرت میاں گل شہزادہ عبدالودود خان بادشاہ صاحب (1958ء)۔ یہ کتاب اسی نام سے اردو میں بھی چھپی اور اس کا انگریزی ترجمہ دی سٹوری آف سوات: آئیٹو لڈ بآئی دی فاؤنڈر میاں گل عبدالودود بادشاہ صاحب ٹو محمد آصف خان (1962/1963ء) ہے۔ یہ ترجمہ اشرف الطاف حسین نے کیا۔ اسی طرح دی لاسٹ والی آف سوات: این آٹو بایوگرافی آئیٹو لڈ ٹو فریڈرک بارٹھ (1985/1995ء) ہے۔ درباری تواریخ اور حکمرانوں کی اپنی روداد ہونے کے کاٹے یہ کتابیں بطور ماخذ بے حد مفید ہیں لیکن ان کو معروضی تنقیدی انداز سے پرکھنے کی بہر حال ضرورت ہے۔ اس لئے کہ ان میں بنیادی طور پر حکمرانوں کا ہی نقطہ نظر اور کارنامے بیان کئے گئے ہیں۔

کچھ کتابیں ایسی ہیں جن کی خفیہ انداز میں شاہی دربار سے سرپرستی کی گئی۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں نصر اللہ خان نصر کی سوات (1963ء) اور خود صاحب سوات (1950/1964ء)، عنایت اللہ کی ذریعہ ریاست سوات تاریخ اور ترقیاتی جائزہ (تاریخ ندارد)، محمد اسماعیل ذبح کی مناظر سوات (1954ء)، جس کا مضمون آف سوات کے نام سے انگریزی ترجمہ کیا گیا۔ اور میاں گل فرخ کی ریاست سوات کا تیسرا و جناب بزرگانی نس وائ صاحب سوات کا مختصر خاکسار زندگی (تاریخ ندارد) ہے۔ اس کا بھی انگریزی میں ترجمہ دی والی آف سوات میاں گل شہزادہ محمد عبدالحسن جہانزیب (تاریخ ندارد) کے نام سے کیا گیا ہے۔ بالعموم یہ کتابچے سوات کے حکمرانوں کی تعریف و توصیف اور ان کے کارناموں کے ذکر سے اتنے بھرے ہوئے ہیں اور ان میں اتنی مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہے کہ یہ سچی تصویروں کی جگہ باتوں سے بنائے ہوئے خاکے لگتے ہیں۔ بعد ازاں اقامہ سرکاری طور پر رواج نامہ سوات (تاریخ ندارد) کے نام سے غلام حبیب خان نے ایک کتاب مرتب کی جو کہ وائٹی سوات کے فرامین، دفتری احکامات، فیصلوں، مختلف علاقوں کے لئے بنائے گئے ضوابط کا رد وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اسے ریاست سوات کے مرکزی اور تحصیل کی سطح پر موجود غیر مطبوعہ ریکارڈ اور کچھ مطبوعہ دفتری احکام اور فیصلوں میں سے منتخب کیا گیا ہے تاکہ انتظامیہ، عدلیہ اور دوسرے متعلقہ اہلکاروں اور عام لوگوں کی رہنمائی کے لئے اسے استعمال کیا جاسکے اور اس کے ساتھ ساتھ اسے بطور حوالہ بھی کام میں لایا جاسکے۔

غیر سرکاری ماخذ میں سب سے پہلے سراج الدین سواتی کی تصانیف تہاگی علاقہ اور ریاستیں (1966ء)،

تاجم کی مٹی ہے جس کا حقیقت سے کوئی واہظ نہیں۔ مخدوم تصدق کی کتاب سوانحی معاشرہ کی سماجی تنظیم کے بارے میں ایک اچھا مطالعہ ہے، بالخصوص ریاست اور قبل از ریاست ادوار کے تقابل کے حوالہ سے۔ اُس نے اُن عناصر میں سے بعض کا بہت عمدہ جائزہ لیا ہے جن کی وجہ سے معاشرہ میں ریاستی دور میں تبدیلی آئی۔ بہر صورت کچھ غلطیاں اس میں بھی آئی ہیں۔ اسی طرح سلطان روم (مصنف) کی تحریر اس موضوع کا کوئی تفصیلی مطالعہ نہیں۔ علاوہ ازیں اس میں بھی کچھ غلطیاں موجود ہیں جن کا ازالہ اس وجہ سے نہیں ہو سکا کہ ایک تو مصنف اور ایڈیٹرز کے درمیان ابلاغ کا مسئلہ تھا اور دوسری وجہ علاقہ کی تاریخ کے بارے میں ایڈیٹرز کا علم مطلوبہ معیار کا نہیں تھا۔ بہر حال اب اس کتاب میں اُن نقائص کا ازالہ کر لیا گیا ہے۔

اس موضوع سے متعلق غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ جات جن تک مصنف کی رسائی رہی ہے یہ ہیں۔ عبدالواحد خان کی اینٹیشنری سسٹم آف سوات شیٹ (1959ء)، بوئیر خان کی گروتھ آف ماڈرن ایجوکیشن ان سوات شیٹ (1963ء)، شہاب الدین کی سیاسی مجلس عبدالودود (بادشاہ صاحب) کی فاؤنڈر آف سوات اسٹیٹ (تاریخِ ندارد)، فخر الاسلام کی سوات اثر جہان زیب (تاریخِ ندارد)، نور حسن کی ری سوات ریلیشنز (1991ء)، آفتاب احمد کی گورنمنٹ جہان زیب کالج، ہسٹری اینڈ انٹیٹو منٹ (تاریخِ ندارد)، محمد سلیم ناز کی ایجوکیشن ان ایکس شیٹ آف سوات (1996ء) اور تاجہ حسین کی سوات اسٹیٹ تھریوی اسٹریجی (تاریخِ ندارد)۔ ان میں سے عبدالواحد خان، بوئیر خان اور تاجہ حسین کا کام قیمتی معلومات رکھتا ہے اور ان سے اپنے موضوع پر ان کی اچھی دسترس رکھنے کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان میں سے پہلے دو مقالے تو موضوع بحث سے متعلق مسائل کو ٹھیک کرنے کے لئے تجاویز بھی پیش کرتے ہیں۔ بقیہ مقالہ جات تو محض پہلے سے موجود کتابوں کی نقل ہے یا لکھنے والوں نے جیسا سنا ہے اُسے بغیر کسی تجزیہ کے پیش کر دیا ہے۔

اس کتاب کے ماخذ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شکل میں ضلعی محاذ خانہ، محل کردہ (سوات)، ضلعی مال خانہ، سید و شریف (سوات)، ڈاکٹر کیمٹ آف آرکائیوز اینڈ لائبریری (پشاور)، ٹرانسکل انٹرنیٹ زریسرچ سینٹر (پشاور) پبلس ڈوکومینٹیشن سینٹر (اسلام آباد) اور گلک کی دیگر کئی لائبریریوں میں موجود ہیں جن سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح انگریزی، اردو، پشتو، اور فارسی ماخذ سے آزادانہ رجوع کیا گیا ہے۔ مصنف نے کچھ غیر مطبوعہ ذاتی مواد (ہزارہ، سوات) اور اسی طرح عبدالوہاب خان (روٹریال، سوات)، بہادر خان (فتح پور، سوات)، فضل مجبود المعروف بابو (سید و شریف، سوات) اور ضیاء اللہ خان (گلکدہ، سوات) کے ہاں موجود غیر مطبوعہ مواد سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔

وہ دستاویزی مواد جو برطانوی دور حکومت کی فائلوں اور رپورٹوں میں موجود ہے، کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ

اس میں معروضیت کی کمی ہے۔ لیکن، ان کی خوبی یہ ہے کہ یہ ایسی ابتدائی معلومات کا خزانہ ہیں جن کا حصول مقامی اور دیگر ذرائع سے ممکن نہیں ہے۔ مزید برآں یہ مقامی طور پر وقوع پزیر ہونے والے حالات و واقعات کا کسی حد تک غیر جانبدارانہ معروضی قسم کا تذکرہ اور تجزیہ بھی ہے اس لئے کہ انگریز حکومت ان میں کچھ تھوڑی دلچسپی رکھنے کے باوجود براہ راست ملوث نہیں تھی۔ میں نے اپنے اس تاریخی کام کے لئے اس ماخذ کو معروضیت کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ اس سارے دستاویزاتی ریکارڈ نے جو کہ زیادہ تر صوبائی ہفتہ وار سیاسی ڈائریوں پر مشتمل ہے اور جو ڈیپٹی کمشنر پٹنار کے آفس کی فائلوں میں ہے اس تاریخی و تحقیقی مطالعہ کو موجودہ شکل دینے میں بے حد مدد فرمایا۔

ریاست سوات کے کچھ عہدیدار اور شمال جو کہ اُس وقت بہت اہم عہدوں پر متمکن تھے، ادغام کے بعد صوبائی حکومت میں بھی مختلف عہدوں پر کام کرتے رہے۔ دو اور ان کے علاوہ بہت سے ایسے لوگ جو دائمی سوات کے مخالف تھے اور کچھ دوسری اہم شخصیات جب اس کتاب پر کام شروع کیا گیا تو وہ بقیہ حیات تھے۔ مصنف نے گفتگو کے ذریعہ حاصل کردہ معلومات کو بھی اس ضمن میں جمع کیا، مذکورہ بالا اشخاص اور کچھ دیگر لوگوں سے ملاقاتیں کیں اور ان سے انٹرویوز لئے جنہیں بالعموم باقاعدہ ٹیپ ریکارڈز پر محفوظ کیا گیا۔ یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ ان میں سے دو افراد نے انٹرویوز کو ٹیپ ریکارڈز پر محفوظ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ ان میں سے ایک سابقہ ریاستی ملازم تھا جو بعد میں صوبائی ملازم بھی رہا اور دوسرا وہ جس نے میاں گل عبدالودود کی سوانح عمری لکھی ہے۔ بقیہ حضرات میں سے نے صرف چند مواقع پر ٹیپ ریکارڈز رینڈ کرنے کے لئے کہا جب وہ آف دی ریکارڈ کچھ کہنا چاہتے تھے۔ مختلف لوگوں کے یہ انٹرویوز بہت اعتیاد اور معروضیت کے ساتھ استعمال کئے گئے ہیں۔ ان کا تنقیدی تجزیہ کیا گیا ہے اور دیگر ذرائع اور انٹرویوز سے حاصل کردہ معلومات اور اپنی ذاتی معلومات سے ان کی صحت پر پوری طرح شرح صدر حاصل ہونے کے بعد ان کو استعمال میں لایا گیا ہے۔ ان انٹرویوز سے صرف یہ نہیں کہ بعض بہت ہی نادر قسم کی معلومات حاصل ہوئی ہیں بلکہ بعض ایسے اہم معاملات و واقعات کی تفصیل اور ان کا اچھا اور اک حاصل کرنے میں مدد ملی جو کہ تحریری ماخذ میں دستیاب نہیں۔ الغرض یہ ذریعہ ایک خزانہ ثابت ہوا۔ اس سے نہ صرف بعض متضاد معلومات و نقطہ ہائے نظر کی جانچ پڑتال میں مدد ملی بلکہ معاشرہ اور معاملات کے کئی ملفوف پہلو بھی اجاگر ہوئے اور سماجی، سیاسی، اور معاشرتی ترقی اور اس تبدیلی کی راہ کے نشیب و فراز بھی معلوم ہوئے۔

سوات سے اپنے تعلق اور وہاں مستقل رہائش کے سبب مصنف کی اس علاقہ کے بارے میں معلومات نیز عام و خاص لوگوں سے ریاست اور اُس کے حکمرانوں کے بارے میں عام و خاص محافل میں گفتگو سے بھی ریاست اور ریاست کے قیام سے پہلے اور اس کے ادغام کے بعد کے حالات کو ہر پہلو سے سمجھنے میں بے پناہ مدد ملی اور تازہ عد فیہ معاملات اور مختلف نقطہ ہائے نظر کو ٹھیک ٹھیک پرکھنے میں آسانی ہوئی۔

قائم کی گئی ہے جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔ مخدوم تصدق کی کتاب سوانی معاشرہ کی سماجی تنظیم کے بارے میں ایک اچھا مطالعہ ہے، بالخصوص ریاست اور قبل از ریاست ادوار کے تقابل کے حوالہ سے۔ اُس نے اُن عناصر میں سے بعض کا بہت عمدہ جائزہ لیا ہے جن کی وجہ سے معاشرہ میں ریاستی دور میں تبدیلی آئی۔ بہر صورت کچھ غلطیاں اس میں بھی آگئی ہیں۔ اسی طرح سلطان روم (مصنف) کی تحریر اس موضوع کا کوئی تفصیلی مطالعہ نہیں۔ علاوہ ازیں اس میں بھی کچھ غلطیاں موجود ہیں، جن کا ازالہ اس وجہ سے نہیں ہو سکا کہ ایک تو مصنف اور ایڈیٹرز کے درمیان ابلاغ کا مسئلہ اور دوسری وجہ علاقہ کی تاریخ کے بارے میں ایڈیٹرز کا علم مطلوبہ معیار کا نہیں تھا۔ بہر حال اب اس کتاب میں اُن نقائص کا ازالہ کر لیا گیا ہے۔

اس موضوع سے متعلق غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ جات جن تک مصنف کی رسائی رہی ہے یہ ہیں۔ عبدالواحد خان کی ایگزیکٹو سٹڈی سوسائٹ (1959ء)، بوئیر خان کی گروتھ آف ماڈرن ایجوکیشن ان سوات شیٹ (1963ء)، شہاب الدین کی میاں گل عبدالودود (بادشاہ صاحب) دی فاؤنڈر آف سوات اسٹیٹ (تاریخ ندارد)، فخر الاسلام کی سوات انڈر جہان زیب (تاریخ ندارد)، نور حسن کی درہ سوات ریلیشنز (1991ء)، آفتاب احمد کی گورنمنٹ جہان زیب کالج، ہنٹری اینڈ اچیومنٹ (تاریخ ندارد)، محمد سلیم ناز کی ایجوکیشن ان ایکس شیٹ آف سوات (1996ء) اور ناہید حسین کی سوات اسٹیٹ تھرووی اسٹری (تاریخ ندارد)۔ ان میں سے عبدالواحد خان، بوئیر خان اور ناہید حسین کا کام قیمتی معلومات رکھتا ہے اور ان سے اپنے موضوع پر ان کی اچھی دسترس رکھنے کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان میں سے پہلے دو مقالے تو موضوع بحث سے متعلق مسائل کو ٹھیک کرنے کے لئے تجاویز بھی پیش کرتے ہیں۔ بقیہ مقالہ جات تو کھل پہلے سے موجود کتابوں کی نقل ہے یا لکھنے والوں نے جیسا سنا ہے اُسے بغیر کسی تجزیہ کے پیش کر دیا ہے۔

اس کتاب کے ماخذ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شکل میں ضلعی محافظ خانہ، گل کدہ (سوات)، ضلعی مال خانہ، سید و شریف (سوات)، ڈائریکٹریٹ آف آرکائیو اینڈ لائبریری (پشاور)، ٹرانسئل انٹیر زریسرچ سیل (پشاور) ہینشل ڈیوکومینٹیشن سینٹر (اسلام آباد) اور ملک کی دیگر کئی لائبریریوں میں موجود ہیں جن سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح انگریزی، اردو، پشتو، اور فارسی ماخذ سے آزادانہ رجوع کیا گیا ہے۔ مصنف نے کچھ غیر مطبوعہ ذاتی مواد (ہزارہ سوات) اور اسی طرح عبدالوہاب خان (رونویال، سوات)، بہادر خان (فتح پور، سوات)، فضل مجبوع المعروف بابو (سید و شریف، سوات) اور ضیاء اللہ خان (گلگندہ، سوات) کے ہاں موجود غیر مطبوعہ مواد سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔

دو دستاویزی مواد جو برطانوی دور حکومت کی فائلوں اور رپورٹوں میں موجود ہے، کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ



اُس میں معروضیت کی کمی ہے۔ ان کی خوبی یہ ہے کہ یہ ایسی ابتدائی معلومات کا خزانہ ہیں جن کا حصول مقامی اور دیگر ذرائع سے ممکن نہیں ہے۔ مزید برآں یہ مقامی طور پر وقوع پزیر ہونے والے حالات و واقعات کا کسی حد تک غیر جانبدارانہ معروضی قسم کا تذکرہ اور تجزیہ بھی ہے اس لئے کہ انگریز حکومت ان میں کچھ تو حویلی دلچسپی رکھنے کے باوجود براہ راست ملوث نہیں تھی۔ میں نے اپنے اس تاریخی کام کے لئے اس ماخذ کو معروضیت کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ اس سارے دستاویزیاتی ریکارڈ نے جو کہ زیادہ تر صوبائی ہفتہ وار سیاسی ڈائریوں پر مشتمل ہے اور جو ڈپٹی کمشنر پشاور کے آفس کی فائلوں میں ہے اس تاریخی و تحقیقی مطالعہ کو موجودہ شکل دینے میں بے حد مدد فرمایا۔

ریاست سوات کے کچھ عہدیدار اور شمال جو کہ اُس وقت بہت اہم عہدوں پر متمکن تھے، ادغام کے بعد صوبائی حکومت میں بھی مختلف عہدوں پر کام کرتے رہے۔ وہ اداران کے علاوہ بہت سے ایسے لوگ جو وائس سوات کے مخالف تھے اور کچھ دوسری اہم شخصیات جب اس کتاب پر کام شروع کیا گیا تو وہ قید حیات تھے۔ مصنف نے گفتگو کے ذریعہ حاصل کردہ معلومات کو بھی اس ضمن میں جمع کیا، مذکورہ بالا اشخاص اور کچھ دیگر لوگوں سے ملاقاتیں کیں اور اُن سے انٹرویوز لئے جنہیں بالعموم باقاعدہ ٹیپ ریکارڈز پر محفوظ کیا گیا۔ یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ ان میں سے دو افراد نے انٹرویوز کو ٹیپ ریکارڈز پر محفوظ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ ان میں سے ایک سابقہ ریاستی ملازم تھا جو بعد میں صوبائی ملازم بھی رہا اور دوسرا وہ جس نے میاں گل عبدالودود کی سوانح عمری لکھی ہے۔ بقیہ حضرات میں سے چند نے صرف چند مواقع پر ٹیپ ریکارڈز بند کرنے کے لئے کہا جب وہ آف دی ریکارڈ کچھ کہنا چاہتے تھے۔ مختلف النوع لوگوں کے یہ انٹرویوز بہت اہمیت اور معروضیت کے ساتھ استعمال کئے گئے ہیں۔ ان کا تنقیدی تجزیہ کیا گیا ہے اور دیگر ذرائع اور انٹرویوز سے حاصل کردہ معلومات اور اپنی ذاتی معلومات سے ان کی صحت پر پوری طرح شرح صدر حاصل ہونے کے بعد ان کو استعمال میں لایا گیا ہے۔ ان انٹرویوز سے صرف یہ نہیں کہ بعض بہت ہی نادر قسم کی معلومات حاصل ہوئی ہیں بلکہ بعض ایسے اہم معاملات و واقعات کی تفصیل اور اُن کا اچھا اور اک حاصل کرنے میں مدد ملی جو کہ تحریر کی مآخذ میں دستیاب نہیں۔ الغرض یہ ذریعہ ایک خزینہ ثابت ہوا۔ اس سے نہ صرف بعض متضاد معلومات و نقطہ ہائے نظر کی جانچ پڑتال میں مدد ملی بلکہ معاشرہ اور معاملات کے کئی ملفوف پہلو بھی اجاگر ہوئے اور سماجی، سیاسی، اور معاشی ترقی اور اس تبدیلی کی راہ کے نشیب و فراز بھی معلوم ہوئے۔

سوات سے اپنے تعلق اور وہاں مستقل رہائش کے سبب مصنف کی اس علاقہ کے بارے میں معلومات نیز عام و خاص لوگوں سے ریاست اور اُس کے حکمرانوں کے بارے میں عام و خاص محافل میں گفتگو سے بھی ریاست اور ریاست کے قیام سے پہلے اور اس کے ادغام کے بعد کے حالات کو ہر پہلو سے سمجھنے میں بے پناہ مدد ملی اور متنازعہ فیہ معاملات اور مختلف نقطہ ہائے نظر کو ٹھیک ٹھیک پرکھنے میں آسانی ہوئی۔

قابل افسوس امر یہ ہے کہ ادغام کے بعد ریاست سوات کے سیاسی ریکارڈ یعنی سرکاری خط و کتابت اور ریاستی مشاورتی کونسل کی کارروائی کی روداد کی فائلوں کی حفاظت اس طرح نہیں کی جاسکتی جیسی ہونی چاہئے تھی۔ اس لئے یا تو وہ ضائع کیا گیا ہے یا اُسے مفاد پرستوں نے چھاپا ہے۔ دورانِ مطالعہ پشاور کے دستاویزات خانہ (ارکائیوز) میں سے کچھ فائلیں غائب پائی گئیں۔

مذکورہ بالا کتب اور ایم اے لیول کے لئے لکھے گئے مقالوں کا نہ صرف یہ کہ احاطہ کار محمد دور ہا ہے بلکہ بحیثیت مجموعی یہ معاملات کے تنقیدی تجزیوں سے خالی ہیں اور ان میں بہت سی باتیں خلاف حقیقت بھی ہیں۔ حالانکہ مذکورہ بالا عالمانہ تحقیقی مطالعے کسی حد تک اس مطالعہ سے متعلق تو ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس نے اس پورے عہد اور اُس کے ہر پہلو کا اس طرح سے جائزہ لیا ہو جیسا کہ اس مطالعہ میں لیا گیا ہے۔

## جغرافیائی اور تاریخی تناظر

### جغرافیائی تناظر

#### وجہ تسمیہ

اس سلسلہ میں مختلف نظریے پیش کئے گئے ہیں۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ یہ نام سواستو یا سواستوس سے ماخوذ ہے۔ یہ دونوں نام اس وادی میں سے گزرنے والے دریا کے لئے قدیم شکرک اور یونانی زبانوں میں بالترتیب استعمال ہوئے ہیں۔ ایک اور دعویٰ یہ ہے کہ اس نام کا ماخذ لفظ 'سویٹا' ہے جو سفید کو کہتے ہیں۔ جس سے مراد دریائے سوات کا صاف و شفاف پانی ہے۔ ایک اور دعویٰ یہ کیا گیا ہے کہ پانی کی بہتات کی وجہ سے اس وادی کا بیشتر تر میدانی علاقہ دلدلی ہونے کی وجہ سے چمک دار اور سفید نظر آتا تھا اس لئے اُسے 'سوا' اُزت کہا جاتا تھا ہوتے ہوتے سوات بن گیا۔

کچھ کا یہ خیال ہے کہ یہاں کی سیرنگ زرخیڑ میں پر بہ کثرت اُگے ہوئے جنگلات سے یہ وادی سیاہ نظر آتی تھی جس کی وجہ سے مسلمان حملہ آوروں نے اسے 'سواڈ' کہا جو کہ عربی میں سیاہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مردوزانہ کے ساتھ یہ لفظ سواہ بن گیا۔ پابراور مغل دور کے مؤرخ اسے 'سواڈ' کہتے ہیں جو بعد میں سوات بن گیا۔ مغلیہ دور کے مقامی لکھنے والے جیسے خوشحال خان خٹک اسے سواہ کی جگہ سوات کہتے ہیں۔

ایک اور خیال یہ ہے کہ یہ لفظ عربی لفظ 'صوت' سے مشتق ہے جس کے معنی آواز اور گونج کے ہیں۔ چونکہ یہاں گرد و پیش کے اونچے پہاڑوں سے نگر کے آوازیں گونج کی شکل میں لوتی ہیں اس لئے اسے یہ نام دیا گیا ہے۔<sup>1</sup> اس خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اُن دیہاتوں میں جو دریا کے کنارے واقع ہیں دریا کے پانی کی آواز رات کو مسلسل سنائی دیتی ہے، بالخصوص موسم بہار اور گرما میں جب پانی چڑھتا ہے۔ چاہے اس کی بنیاد کچھ بھی ہو

ریاست کے وجود میں آنے سے پہلے اور بعد کی مقامی تحریروں میں اس کا نام صوات ہی لکھا جاتا رہا ہے۔ بہر حال حقیقت یہ ہے کہ صوات پر حملہ کرنے والے مسلمان عرب نہیں تھے اور نہ ہی اُن کی زبان عربی تھی۔ ان کا تعلق افغانستان سے تھا اور ان کی اپنی اپنی زبانیں تھیں اس لئے اس بات کا امکان نہیں کہ انہوں نے اپنی مفتوحہ سرزمین کو ایک عربی نام دے دیا ہو جب کہ نہ تو انہیں عربی زبان پر کوئی عبور حاصل تھا اور نہ ہی وہ اُسے اپنی روزمرہ زندگی میں استعمال کرتے تھے۔ اس نام کا عربی الفاظ صوت اور اسود سے اشتقاق کا خیال بہت بعد میں پیش کیا گیا۔ ان کے علاوہ ایک اور نظریہ کا ذکر عبدالحلیم اثر نے کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ لفظ دو اجزاء کا مرکب ہے۔ یعنی نون جس کا مطلب ہے 'سورج' قدیم سُریانی زبان کی طرزِ ادا لنگی کے ساتھ اور آت، مطلب 'زمین'۔ اس طرح لفظ سوات کا مطلب سورج سے منسوب سرزمین ہوا۔ سورج سے منسوب سرزمین کے اس نظریہ کی بنیاد یا تو یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں یہاں سورج کی پرستش ہوتی تھی یا یہ کہ یہ وادی کھلی ہونے کی وجہ سے ہر وقت دھوپ سے روشن رہتی ہے۔

زمانہ قدیم کے ماخذ میں اس جگہ کے نام الاما کے کچھ فرق کے ساتھ 'ادھیانہ' اور 'سواستو' ملتے ہیں۔ پہلے میں اس وادی کے قدرتی حسن کی طرف اشارہ ہے جبکہ دوسرے میں یہاں بننے والے دریا کا حوالہ ہے۔ مزید برآں ویدوں اور پانچینی نے جہاں 'سواستو' کا ذکر کیا ہے تو وہاں اُس سے مراد رہنے کی اچھی جگہیں ہیں۔ یون ساگ نے دریائے صوات کسو۔ پو۔ فا۔ سو۔ تو، جو کہ دراصل سجاداستو ہے۔ یعنی آج کا دریائے صوات جسے ایران نے سوستوس کا نام دیا۔ ہیروڈوٹس نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اسے ایک باغ کی شکل رکھنے کی وجہ سے یہ نام دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر عبد الرحمن نے الہٰتہ اپنی ایک تازہ تحقیق میں یہ نقطہ نظر اپنایا ہے کہ

"اوڈیز بندھارا میں ایک حکمران قبیلہ کا نام ہے۔ ان کا عہد چار سو قبل مسیح ہے جب کہ سکندر اعظم کے مورخین نے اوراک کے نام سے ان کا پہلی بار ذکر کیا ہے۔ سائن نے اُس کی صوات کے اوڈیگرام کے ساتھ بالکل ٹھیک شناخت کی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ اوڈیز اسٹے طاقتور تھے کہ اس پورے علاقہ کو ان کے نام پر ادھیانہ کے نام سے یاد کیا جائے گا۔"

ڈاکٹر عبد الرحمن نے تیل کی اس توجیہ کو رد کیا ہے کہ ایک باغ کی شکل ہونے کی وجہ سے اُسے یہ نام دیا گیا ہے، تاہم وہ کہتے ہیں کہ تیل کی تشریح کے وقت اوڈیز کے بارے میں ابھی معلومات حاصل نہیں ہوئی تھیں۔ 2

## طبعی اور سیاسی جغرافیہ

جغرافیائی سیاق و سباق کے بغیر کسی بھی قسم کی تاریخ کو سمجھنا آسان نہیں، اس لئے کسی منظم سائنسی تجزیہ کے لئے علاقہ اور وہاں کے عمومی ماحول کا علم انتہائی ضروری ہے۔

موجودہ خیبر پختونخوا میں سرسبز و شاداب وادی سوات 40°-34° سے 35° شمالاً اور 72° سے 6° 74° شرقاً واقع ہے۔ دریائے سوات اور بیخ کوڑہ کا عظیم جو کہ اس کا نقطہ آغاز ہے سطح سمندر سے دو ہزار فٹ بلند ہے۔ یہ بلندی شمال میں واقع چوٹیوں تک پہنچتے پہنچتے پندرہ ہزار سے لے کر بائیس ہزار فٹ تک ہو جاتی ہے۔

سوات ایک دوسرے سے مختلف دو علاقوں میں تقسیم تھا۔ سوات کو بہتان، جو کہ تمام تریپہازی علاقہ ہے اور جو دریائے سوات اور اُس کے معاونین کے بالائی سلسل کے ساتھ ساتھ جنوب میں آئین تک ہے اور دوسرا ہے سوات خاص۔ سوات خاص بھی بڑا اور گوز یعنی بالا اور زیریں میں تقسیم ہے۔ برسوات آئین سے لہذا کے تک ہے اور گوز سوات لہذا کے سے کلکتی تک جو کہ دریائے سوات اور بیخ کوڑہ کے عظیم سے چند میل اوپر کی طرف واقع ہے۔ اسے اچھ میک مہمن اور اے ڈی رمر نے برطانوی عہد میں ان دو حصوں کا تذکرہ کیا ہے۔

تاہم اچھ و ڈیوٹیو نے وادی سوات کی ایک اور طرح تقسیم بتائی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وادی سوات کو تین مقامی اضلاع میں تقسیم کیا گیا تھا۔ رانیڑی، گوز سوات اور برسوات۔ رانیڑی کے شرق میں الڈھنڈ سے چار باغ تک گوز سوات تھا اور وہاں سے وادی کے اختتام تک شرقاً جہاں یہ فور بند کے کو بہتان سے ملتا ہے برسوات تھا۔ اس سمت میں کو بہتان کے دامن میں آخری گاؤں پزڑی واقع ہے جسے اب مدین کہا جاتا ہے۔ تاہم کو بہتانی، چنگلی خیل سے آگے آئین تک علاقہ کو کو بہتان کا حصہ گردانتے ہیں۔ کچھ برطانوی رپورٹوں میں بھی اسے کو بہتان کا حصہ دکھایا گیا ہے۔ خدکڑی، اباڑی، وادی تلاش، اور ادین زئی علاقہ بھی سوات خاص کا حصہ تھا۔ البتہ سوات خاص کے مغربی حصہ کو یعنی کلکتی سے لہذا کے تک جو دریا کے بائیں جانب واقع ہے، سوات اور دیراجنخی کے زیر حفاظت علاقہ میں شامل کر لیا گیا۔ جس میں بعد میں 1897ء میں چترال کو بھی شامل کر لیا گیا۔ جسے عرف عام میں ملاکنڈ ایجنسی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس کا انتظام برطانوی حکومت کا یہاں پر تعینات پولیسنگل ایجنٹ کرتا تھا۔

ریاست سوات کے وجود میں آنے کے بعد مذکورہ بالا زیر حفاظت علاقہ کو اس میں شامل نہیں کیا گیا اس لئے کہ یہاں پہلے سے ہی برطانوی حکومت کا ایک ڈیپارٹمنٹ چلا رہا تھا۔ خدکڑی، اباڑی، وادی تلاش اور ادین زئی، جو کہ وادی سوات ہی کا ایک حصہ تھا اور جو اس دریا کے دائیں جانب شموڑی سے آگے فرماؤ واقع ہے، اسے 1922ء میں ادین زئی معاہدہ کے تحت نواب دیر کے حوالہ کیا گیا۔ یہ معاہدہ برطانوی حکومت نے لاگو کیا تھا۔ نتیجتاً دریا کے بائیں جانب وہ وادی جو لہذا کے سے شمال شرق میں ہے اور دائیں جانب جو علاقہ ادین زئی اور شموڑی کی سرحد تک ہے۔ وادیاں کہلایا۔ اس کی مزید ذیلی تقسیم یوں ہوئی کہ لہذا کے سے شمال شرق میں واقع گاؤں چارباغ اور گھوٹی تک بائیں جانب دریا کے بائیں اور دائیں دونوں جانب کے علاقہ کو گوز سوات کہا جانے لگا۔ اس کے شمال شمال شرق کی طرف وادی کے اختتام تک کا سارا علاقہ برسوات کہلایا۔ بعد میں جب ریاست کی سرحدوں میں توسیع کا عمل

شروع ہوا تو اس وادی سے باہر کے علاقے جیسے خدوخیل، کاخرا اور غور بند کی وادیاں اور ابا سین کوہستان کا کچھ حصہ بھی اس میں ملا لیا گیا اور ریاست سے باہر کے لوگ ان علاقوں کو بھی سوات کہنے لگے۔ اس کے بعد سے سوات کا نام سوات خاص کے ساتھ دیگر تمام علاقوں کے لئے بھی مستعمل ہو گیا۔

سوات خاص اور سوات کوہستان کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ دونوں کا رقبہ پانچ سے چھ ہزار مربع سہل تک ہے۔ یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ ریاست سوات کا کل رقبہ تقریباً چار ہزار مربع سہل تھا۔ اس میں وادی سوات کا وہ علاقہ جو اس سے کاٹ دیا گیا تھا اور جو کہ لنڈا کے سے جنوب مغرب کی جانب واقع ہے شامل نہیں ہے لیکن وہ سارے علاقے جو سوات خاص سے باہر ہیں لیکن جنہیں قبضہ کر کے ریاست میں ملا لیا گیا تھا اس میں شامل ہیں۔ جیسے بونیر، خدوخیل، کاخرا، غور بند وادیاں اور دریا کے دائیں جانب والا ابا سین کوہستان۔ اس طرح یہ وادی سوات خاص اور سوات کوہستان کو ملا کر بننے والے علاقے سے کہیں کسی بڑے علاقے پر مشتمل تھا۔ بہر حال دریا نے سوات کی اپنی وادی طرلاً 130 میل اور عرضاً باصوم 12 میل سے زیادہ نہیں۔ خوشحال خان خٹک اس علاقہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ وادی لہائی میں 30 کروہ سے زیادہ جبکہ اس کی چوڑائی تقریباً دو کروہ ہے۔ بیون ساگ کہتا ہے کہ ایک دائرہ میں واقع ہو۔ چاگم۔ تا تقریباً پانچ ہزار لی یا اندازاً 833 میل ہے۔ لیکن یہ بات بھی وادی سوات کے رقبہ سے میل نہیں کھاتی۔ ایک نئے مطالعہ میں یہ کہا گیا ہے کہ وادی سوات کا رقبہ تقریباً 2,374.7 مربع سہل ہے جو کہ 3,798 مربع کلومیٹر بنتا ہے لیکن ماخذ مفقود ہونے نے اس دعویٰ پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔

اگر چہ ریاست سوات کا کل رقبہ 4000 مربع سہل تھا لیکن 1972ء میں ہونے والی مردم شماری کے مطابق یہ رقبہ 4715 مربع سہل ہے جبکہ 1951ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست سوات کا رقبہ 2934 مربع سہل اور کالام یعنی سوات کوہستان کا وہ علاقہ جسے سوات کے حکمران نے 1954ء میں قبائلی علاقہ تسلیم کر لیا تھا جو کہ وفاق پاکستان کا حصہ ہے، اس کا رقبہ 822 مربع سہل ہے۔ اس طرح ان دونوں کو ملا کر رقبہ 3756 مربع سہل بنتا ہے۔

وادی سوات خاص کے جنوب میں اہلم سلسلہ کوہ اور اس کا مغرب کی سمت پھیلاؤ ہے جو کہ ہزاروں تک ہے۔ مغرب میں اس کی حد بندی اتمان خیل پہاڑیوں اور باجوڑ نے کر دی ہے۔ شمال میں لوم پہاڑیاں ہیں، جوغر باور شرقا کامرانی اور سٹے پہاڑیوں تک پہنچ گئی ہیں جب کہ اس کے مشرق میں غور بند کی چوٹی ہے۔ لیکن ریاست سوات کی حدیں شمال مشرق اور شمال میں بالترتیب گلگت، ایجنسی اور ریاست چترال اور شمال مغرب میں ریاست دیر سے ملتی تھیں اور اس کے جنوب مغرب اور جنوب میں بالترتیب دیر، سوات، چترال، ایجنسی کا زیر حفاظت علاقہ جسے عرف عام میں ملاکنڈ ایجنسی کے نام سے پکارا جاتا تھا اور ضلع مردان تھے۔ جب کہ اس کے مشرق میں ضلع ہزارہ تھا۔

مختلف دڑوں<sup>3</sup> نے وادی سوات کو اپنے ہمسایہ علاقوں اور وسط ایشیا، جنوبی ایشیا اور چین سے مربوط کر دیا

ہے۔ جنوب اور مشرق میں ملاکنڈ، مورہ، شاہ کوٹ، کراکڑ، چوراث، جواڑی، بھیل، اور کنگے جب کہ مغرب سے شمال مشرق کی طرف سوات کوہستان کے میدانی راستہ کے علاوہ شمال اور مغرب کے مشہور درے جاردو، گور، قادر کنڈ، وٹھے کنڈ، اور شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف کانگلہ ہے۔

سترہویں صدی میں خوشحال خان تنک ان چند مشہور اور اہم راستوں کا ذکر کرتے ہیں جو اسے اُس وقت کی ہمسایہ بڑی سلطنتوں سے جوڑتے ہیں۔ دو رقم طراز ہیں۔

”ایک راستہ ہندو کش کی پہاڑیوں میں سے ہو کر ترکستان کی طرف جاتا ہے جبکہ دوسرا چترال اور پھر آٹے بدخشان کو نکل جاتا ہے۔ ایک اور راستہ چین کی طرف سے کاشغر کو جاتا ہے جبکہ ایک اور سرگھ (سورہ؟) کی طرف سے نیچے میدان کو جاتا ہے۔“

کسی زمانہ میں گندھارا اور ہندوستان جانے کے لئے جنوب مغرب میں واقع شاہ کوٹ دروہ سے اہم تھا لیکن انگریزوں نے 1895ء میں چترال جانے کے لئے اپنی اہم ترین شاہراہ کے طور پر ملاکنڈ کے راستہ کو اختیار کیا۔ دوسرے اہم دروں میں سے چین جانے کے لئے مشرق میں کوئٹے درہ تھا جہاں سے موجودہ علاقہ جات میں سے گزر کر راستہ چین کو جاتا ہے۔ سوات کوہستان میں وادی کے انتہائی آخری صدر ذرے پہاڑی کے قریب کا درہ جو کہ چترال سے گزر کر کاشغر جانے والوں کے استعمال میں رہا ہے اور افغانستان اور وسط ایشیا جانے کے لئے کانگلہ دروہ۔

سوات زیریں کے پہاڑ سلی شس (سلی کون والی چٹان)، ہلکے شسٹ (سنگ تراشی کے قابل پتھر)، ایلمی بولائٹ، ڈولومائٹ (مستقر چٹان)، پلٹونک (عمیق ترین چٹان)، گریٹائٹ (سخت ترین چٹان)، لائٹ سنون (چونے کا پتھر) اور سنگ مرمر سے بنے ہیں۔ سوات بالا کی وادی (خوارہ حیلہ اور کالام کے درمیان) میں پلٹونک راکس نے ایک چوڑی مٹی سی بنادی ہے۔ یہ گریٹائٹ، ڈیورائٹ (کھردری دانہ دار داخلی چٹان) گیمبر اور پیکمانا سٹز (گہرے رنگ کی مٹی ترین آتھیں چٹان) پر مشتمل ہے۔ کالام میں موجود چٹانیں جینا سٹز، میٹری (ٹانوی چٹان) اور پلٹونک راکس (آتھیں چٹان) نوعیت کی ہیں جن میں گرین سیلائٹ (مستقر چٹان)، ہارن بیڈ (ایک قسم کی معدنی شے) اور کوارٹزائٹ (چقماق) وغیرہ شامل ہیں۔ سوات خاص میں زمرہ دار چٹان کے ذخائر ہیں۔ جبکہ سنگ مرمر بڑی مقدار میں بوئیر میں پایا جاتا ہے۔ لیکن ریاست سوات کے دور میں زمرہ کے علاوہ دیگر ذخائر سے استفادہ نہیں کیا گیا۔

چترال کے قریب و جوار کی اونچی گھاٹیوں سے نکل کر دریائے سوات اپنے سرچشموں سے جنوب جنوب مغرب میں چکدرہ کی طرف بہتا ہے۔ وہاں سے جنوب مغرب میں ملاکنڈ وہاں سے شمال مغرب میں بیچ کوڑو سے اپنے سنگم اور وہاں سے دوبارہ جنوب مغرب کی سمت خلی کر اسمہار سے جا ملتا ہے۔ پھر وہاں سے جنوب مشرق میں ضلع پشاور کے اباڑی تک جا پہنچتا ہے۔ یہی دریا، سوات کے اندر تجارتی لکڑی کی ترسیل اور اسے باہر لے جانے کا سب

سے بڑا ذریعہ رہا ہے۔ دریائے سوات اور اُس کے معاونین نہ صرف سوات کو پانی فراہم کرتے ہیں بلکہ یہ علاقہ کے لئے انتہائی قیمتی قدرتی وسیلہ و ذریعہ کا کام دیتا ہے۔ اور اس سے سوات کے باہر کے علاقوں کو بھی فائدہ پہنچتا رہا ہے۔ قدرتی چشمے، برف، اور پھیلنے لگی کھیشیزل کر دریائے سوات کو مسلسل زندہ رکھتے ہیں۔ موسم گرما میں یہ ایک سیلابی ریلے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اپریل میں اس کا پانی چڑھنا شروع ہوتا ہے اور اسے عبور کرنا ممکن نہیں رہتا۔ ستمبر میں یہ اتنا شروع ہو جاتا ہے اور موسم سرما کے وسط میں اسے ہر جگہ سے عبور کیا جا سکتا ہے۔

## آب و ہوا اور قدرتی نباتات

وادی سوات دریائے سوات اور اُس کے معاونین کے نکاس کا علاقہ ہے۔ اس میں درختیں سیلابی مٹی کی پہاڑی ہموار سطحوں کے سلسلے میں جو اب بھی وسیع پیمانے پر کاشت کئے جاتے ہیں۔ یہ اپنے گھنے جنگلوں اور مختلف انواع پھولوں اور پھلوں کی فصلوں کے لئے مشہور ہے۔ چاول، گندم، مکئی، جو، والیس، سرسوں، گنا اور سوسور یہاں کی بڑی فصلیں رہے ہیں۔ بہت اوپر کے علاقوں میں صرف ایک فصل ہوتی ہے جب کہ وادی خاص میں دو فصلیں ہوتی ہیں۔ یہ سارا کام سارا علاقہ اتنا زرخیز ہے کہ اچھی فصلوں کے حصول کے لئے کوئی زیادہ محنت درکار نہیں ہوتی۔ لوگوں کی عام خوراک چاول، گندم اور مکئی ہیں۔ چاول سے یہاں کے لوگوں کی رغبت کا اظہار اس مشہور قول سے بخوبی ہو جاتا ہے۔

د سوات خلق زاڑہ شو خو پہ ور یزو ماڑہ نہ شو

سوات کے لوگ بوڑھے ہو گئے لیکن چاول کھانے سے سیری نصیب نہیں ہوئی۔

جڑی بوٹیاں اور جھاڑیاں کثیر تعداد میں اُگتی ہیں۔ عام طور پر جو درخت یہاں پائے جاتے ہیں وہ یہ ہیں چنار، سفید، بید، بٹ، سرس، پیسو، بیکائن، کیکر، زیتون اور عناب اور بلندی پر اخروٹ اور الملوک، پھل دار درختوں میں سیب، بہی، آڑو، ناشپاتی، اخروٹ اور الملوک بہت عام ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ درختوں کی نئی اقسام پرانی اقسام کی جگہ لے رہی ہیں۔ سوات کے پہاڑ چڑا اور دودار کے جنگلات کے لئے مشہور ہے ہیں۔ بعض علاقوں میں شہد پیدا ہوتا ہے۔ یہاں کا شہد معیار اور مقدار دونوں لحاظ سے نمایاں حیثیت کا حامل گردانا جاتا ہے۔

پالتو جانوروں میں گائے، بھینس، بکری اور بھیڑ عام طور پر پائے جاتے ہیں۔ معاشرہ کے چند خاص طبقے جیسے گوجر، اہل اور گڈر یا اپنی روزی کمانے کے لئے انہی پر انحصار کرتے ہیں۔ کبھی، کبھن اور دودھ ہر طرف دستیاب ہے۔ سوات میں ان چیزوں کی پیداوار اپنی ضروریات سے زیادہ کبھی اس لئے ان کو برآمد کیا جاتا تھا۔



خورشمال خان خٹک نے سترھویں صدی میں پانی اور فصلوں کی فراوانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:  
 "کاؤں کے ہر گھر تک چھوٹی نہریوں کا پانی پہنچتا ہے۔ پانی کی اس بہتات کی وجہ سے فصلیں اچھی ہوتی ہیں اور نلہ ضرورت سے زیادہ پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے ہر جانب برآمد کیا جاتا ہے۔"

ہندوستان کے برطانوی حکام نے 1880ء اور 1890ء کی دہائیوں میں تیار کردہ ایک خفیہ ریکارڈ میں سوات کی آب و ہوا کو دیگر یوسف زئی میدانی علاقوں سے مختلف بتایا ہے۔ گرم موسم یہاں اُن سے دیر میں شروع ہوتا ہے لیکن زیادہ مسلسل اور ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ ہر طرف کھڑے پہاڑوں کی وجہ سے ہوا آزادی سے گزر نہیں سکتی۔ پہاڑوں میں بے کثرت آنے والا طوفان فضا کو ٹھنڈا نہیں کرتے بلکہ نیچے کی وادیوں میں گرم پھینکارتی ہوا کا سبب بنتے ہیں۔ حدود رچ کزور کو دینے والا طیر یا عام تھا۔ اسی طرح کے اور بھی خوفناک طیر یا بخار تھے جس کے لئے یہ علاقہ بدنام تھا۔ موسم سرما نیچے کے میدانی علاقوں کے مقابلہ میں کم سخت ہوتا ہے اس لئے کہ ہوا نہیں چلتی۔ ہر طرف کھڑے برف پوش پہاڑ اُس کی راہ سد و کر دیتے ہیں اور پالا بھی زیادہ نہیں پڑتا۔ یہاں کے کم بلند علاقوں میں ہر سال برف نہیں گرتی۔ عموماً تین چار سال کے وقفہ کے بعد برف پڑتی ہے لیکن وہ جتنی نہیں ہے۔ سوات میں بالعموم موسم سرما شدید نہیں ہوتا کیونکہ لمبا ہوتا ہے۔ میدانی علاقہ کے مقابلہ میں یہاں آب و ہوا میں جس زیادہ ہوتا ہے۔

ہیون ساگک یہاں کے موسم کے بارے میں کہتا ہے کہ یہاں گرمی اور سردی قابل برداشت ہیں، ہوا اور بارشیں موسم کے مطابق آتی ہیں۔ خورشمال خان خٹک (جو یہاں کے باشندوں کے لئے کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتا تھا) یہاں کی مٹی کی زرخیزی، قدرتی حسن، سرسبز و شاداب چراگا ہوں اور ہوا کے فرحت بخش جھوکوں کی تعریف کرتا ہے اور سوات کو کاہل اور کشمیر سے تشبیہ دیتا ہے۔

## لوگ، نسل و نسب

سوات کے باشندوں کی اکثریت یوسف زئی قبیلہ کی اکوڑی شاخ سے ہے۔ یہاں آباد اس قبیلہ کی ذیلی شاخیں یہ ہیں۔ ۴۔ رائی زئی، خان خیل، کوز سلیزی، (ابا خیل اور موئی خیل) ہاویزی اور برسلیزی (ستو زیزی۔ مزی خیل اور دنگلی خیل) اور یہ لوگ دریا کے بائیں کنارے جنوب مغرب سے شمال مشرق کی طرف آباد ہیں۔ رائی زئی کے علاوہ ان سب کو اجتماعی طور پر ہائیزئی کہا جاتا ہے۔ جب کہ دریا کے دائیں جانب آباد ذیلی قبیلوں کے نام یہ ہیں (شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف) شامیزئی، سیبوجئی، نیک، لی خیل، شموزی، ایدن زئی، اہا زئی اور خدک زئی۔ اہا زئی اور خدک زئی کے علاوہ ان سب کو اجتماعی طور پر خوازوزئی کہا جاتا ہے۔ بوئیر، غور بند، کاخوا، پورن، چکیر اور

مارتو تک جو کہ ریاست میں شامل علاقے تھے، وہاں بھی آبادی کا بڑا حصہ یوسف زئی قبائل پر مشتمل ہے۔

سوات کو ہستان کے باشندوں کی اکثریت توروالی اور گاؤری ہیں۔ ریاست کی عمل داری میں آنے سے پہلے یہ لوگ آزادانہ زندگی گزارتے تھے۔ ان کے علاقہ پر سوات کے حکمران نے 1921ء سے 1947ء تک مرطلہ دار قبضہ کیا۔ اس دوران یہ لوگ کبھی کبھار یاسین اور مستونج کے خوش وخت حکمران خاندان کو ایک برائے نام خراج ادا کرتے تھے جب کہ یاسین کو ہستان میں دریا کے دائیں جانب کے علاقہ میں آباد لوگوں کا شجرہ نسب کچھ اور ہے اور انہیں اجتماعی طور پر کوہستانی کہا جاتا ہے۔

گوجر برادری ایک بڑی تعداد میں ریاست کے ہر علاقہ میں آباد ہے لیکن اب انہوں نے اپنی پرانی خانہ بدوشی والی زندگی ترک کر دی ہے اور یہ ہر گاؤں اور قصبہ میں پائے جاتے ہیں۔ زمینوں اور جائیداد کے مالک ہیں۔ زیادہ تر تعلق کاشکاری سے ہے لیکن زندگی کے دیگر شعبوں میں بھی موجود ہیں۔ ان کی ایک شاخ اجڑا بھی تک خانہ بدوش ہیں۔

ہندو اور سکھ برادری کے لوگ بھی نسلوں سے ریاست میں آباد ہیں۔ ان کی اکثریت دکان دار ہے۔ یہاں کی

مسلمان آبادی کے ان سے اچھے مراسم ہیں۔

سوئی پنجتون (جو یوسف زئی قبیلے سے پہلے اس علاقہ کے والی وارث ہوا کرتے تھے) اور دیگر پنجتون

قبیلوں سے تعلق رکھنے والے، اچھے ننگ اور ترکانزی بھی خال خال یہاں ملتے ہیں۔

مذہبی طبقات ان مذہبی شخصیات کی اولاد ہیں جنہوں نے اپنے قول و عمل اور نیک نامی کی وجہ سے لوگوں کا

احترام اور عقیدت حاصل کی۔ انہیں سید، میاں اور صاحبزادہ کہا جاتا ہے۔ یہ مذہبی پیشوں سے شاذ و نادر ہی منسلک

ہوتے ہیں۔ البتہ وہ ارضی قطععات جنہیں سیرکی کہا جاتا ہے کے مالک ہیں اور اپنی مذہبی حیثیت سے کئی طرح کا فائدہ

اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح ملاؤں کا تعلق بھی مذہبی طبقہ سے ہے۔ وہ یا تو خود مذہبی عہدوں پر مستحسن ہوتے ہیں یا ان کے

باپ و اداوان عہدوں پر فائز رہے ہوں گے۔ وہ بھی مختلف طریقوں سے اپنی مذہبی حیثیت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

وادئ پوری طرح سے آباد ہے۔ 1901ء میں سوات کو ہستان کی آبادی تیس ہزار تھی جب کہ سوات بالا اور

زیریں کی آبادی ڈیڑھ لاکھ تھی۔ (اس میں وادی سے باہر کے وہ علاقے شامل نہیں جو ریاست کا حصہ بن گئے تھے لیکن

وادئ سے باہر واقع تھے)۔ 1972ء کی مردم شماری کے مطابق ضلع سوات یعنی ریاست سوات کے سب علاقوں کی

آبادی 935,444 ہو گئی تھی۔

لوگوں کی بڑی اکثریت یوسف زئی لہجہ والی پشتو بولتی ہے۔ پہاڑی علاقوں میں آباد گوجر آپس میں اپنی زبان

گوجری بولتے ہیں لیکن انہیں پشتو بھی آتی ہے۔ کوہستان کے گاؤری اور توروالی اپنی زبان بولتے ہیں جسے کوہستانی کہا

جاتا ہے۔ جب کہ بائیں کوہستان کے باشندے اس زبان کا ایک اور لہجہ بولتے ہیں۔

## تاریخی تناظر

سوات کی قدیم تاریخ کا ریکارڈ بہت کم ہے۔ تاہم 1954ء کے بعد آثار قدیمہ کی کھون کے لئے کی جانے والی کھدائیوں نے اس علاقہ کی قدیم تاریخ کے بارے میں موجود معلومات میں گراں قدر اضافہ کر دیا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ آریائی نسل کے لوگ یہاں بس گئے تھے۔ جیسا کہ رگ وید میں سواستو یعنی موجودہ سوات کے اس تذکرہ سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ اس خوبصورت وادی میں آریاؤں کی رہائش تھی۔ تاریخی دستاویزات میں سوات کا اولین معلوم تذکرہ پہلی دفعہ یونانی مؤرخ اریان نے کیا ہے۔ سکندر اعظم نے مشرق کی مشکل مہم میں انڈیا کی طرف جاتے ہوئے سوات پر حملہ کر کے اسے بطور گزرگاہ استعمال کیا۔ اس دوران اسے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ 327 قبل مسیح میں سوات جانے کے لئے اُس نے دریائے پنج کوڑہ عبور کیا تاکہ علاقہ کے بڑے شہر مسالاہ پر قبضہ کر سکے۔ شہر کے باشندوں نے پہلے تو پامردی سے مقابلہ کر کے حملہ آوروں کو ہٹا کر دیا لیکن پھر وہ اپنے بادشاہ کی موت اور حملہ آوروں کی بہتر جنگی حکمت عملی کے سبب اُن سے صلح کرنے پر مجبور ہو گئے۔ مسالاہ کی فتح کے بعد سکندر نے اپنے ایک جنرل کو بازیروہ اور تین کو ایک اور شہر اوراہ پر قبضہ کے لئے بھیجا اور ان کو ہدایت کی کہ اُس کی آدھک ان کے گرفتار بنائی جائے۔ سکندر بذات خود اوراہ کی طرف بڑھا اور بازیروہ کے لئے کائنات کو ہدایت بھیجیں۔ دونوں شہروں نے حتی الوسع حملہ آوروں کا مقابلہ کیا لیکن وہ ان کو بچا نہیں سکتے۔ سکندر نے مسالاہ اور اوراہ کو اردگرد کے اضلاع پر قبضہ کے لئے مضبوط مرکزی طرح استعمال کیا۔ اس دوران بازیروہ کے دفاع کو بھی مضبوط کیا۔ پھر یہاں سے وہ انڈیا کی مہم پر روانہ ہوا۔ قدیم ماخذ میں ان تینوں شہروں اور اوراہ کی پہاڑی کے محل وقوع کے بارے میں کوئی قابل بھروسہ تفصیل نہیں ہے اور نہ ہی مؤرخ اُن کے سلسلہ میں کسی بات پر متفق ہوئے ہیں۔ بہر حال ایک عمومی خیال یہ ہے کہ بازیروہ بریکوٹ ہے اور اوراہ ڈی گرام۔

یہاں کے باشندوں نے اس غیر ملکی غلبہ کو ہرگز پسند نہیں کیا اور جب سکندر ابھی پنجاب کے دریاؤں کے پاس خیرگڑس تھا وہ بے خوف ہو کر آمادہ بغاوت ہو گئے لیکن اس بات کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے کہ یہاں کے لوگ سکندر کے رخصت ہونے کے ساتھ ہی یونانیوں کی عمل داری سے آزاد ہوئے یا اس آزادی کے حصول میں انہیں اور زیادہ وقت لگا۔

یونانیوں کے زوال اور 321 قبل مسیح میں چندرگپت موریہ کے برسر اقتدار آتے ہی اس علاقہ میں موریہ

خاندان کا عروج شروع ہوا۔ اس بات کا کوئی ریکارڈ بہ ہر حال موجود نہیں ہے کہ سوات کب اس خاندان کے زیر نگیں آیا اور کب تک ان کی حکومت یہاں قائم رہی۔ تاہم بیون ساگک راجہ اشوک کے بنائے ہوئے ایک استوپا کے بارے میں بتا تا ہے جسے لوہی۔ تا۔ کیا (روہی تاکیا) کا نام دیتا ہے۔ اور جو قصبہ منٹھی سے پچاس لی مغرب میں ہے۔ اس سے اس علاقہ میں اشوک کے اقتدار یا کم از کم اثرات کا پتہ چلتا ہے۔

اشوک کا عہد سوات میں ایک انقلابی تبدیلی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اشوک نے جو کہ چندر گپت کا نواسا تھا اور مور یہ خاندان کا انتہائی طاقتور حکمران تھا بدمت کو قبول کر لیا۔ وہ اس مذہب کا ایک خاموش پیروکار نہیں تھا بلکہ اُس نے بدمت کو ہر طرف پھیلانے کا تہیہ کر کے خود کو اس کا بہت بڑا چہین ثابت کیا۔ اس مقصد کے لئے اُس نے جو لاکھ عمل اختیار کیا وہ کامیاب رہا۔ اور نہ صرف یہ کہ بدمت اُس کی اپنی سلطنت میں ایک غالب مذہب بن گیا بلکہ اُس کی حدود سلطنت سے باہر بھی وہ کئی علاقوں میں پھیل گیا۔ اس طرح بدمت سوات میں بھی پھیل گیا اور یہ سرزمین اُسے اتنی راس آئی کہ یہ اُس کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔ یہ مذہب یہاں خوب پھلا پھولا۔ اس کے آثار یہاں ہر جانب ملتے ہیں۔ پہلا مشہور چینی زائر فا چین جو 403 عیسوی میں یہاں آیا کہتا ہے کہ یہاں بدمت کا قانون چلتا ہے۔ تقریباً ایک سو پندرہ سال بعد یہاں آنے والا دوسرا مشہور چینی زائر سنگ یون بتاتا ہے کہ یہاں کے بادشاہ کے بدمت کے اصولوں پر سختی سے کار بند ہونے کی وجہ سے ہر طرف اسی مذہب کا چرچا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اثر و رسوخ میں کمی آتی چلی گئی۔ اس لئے جب 630ء میں ایک اور چینی زائر بیون ساگک یہاں آیا تو اُس نے بدمت کو زوال پزیر پایا۔ وہ بتاتا ہے۔

”دریائے سو۔ پو۔ قا۔ سو۔ تو کے دونوں جانب کوئی چودہ سو قدیم خانقاہیں ہیں لیکن ان میں سے بیسٹراب ویران و آجائز پڑی ہیں۔ کسی زمانے میں ان میں کوئی اٹھارہ ہزار کے قریب بدمت بکھشو ہوا کرتے تھے۔ جو کم ہوتے ہوتے صرف چند ہی رہ گئے ہیں۔“

اپنی پرہیزگاری کے باوجود سوات کے بکھشو جاو کی طرف مائل تھے۔ جس میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔ اس لئے اس ملک پر وجرایان، کونڈبہ حاصل ہو گیا۔ جس سے قدیم اعتقادات کے لئے راستہ کھل گیا۔ اور بھوت پریت جیسے خوفناک وجودوں پر اعتقاد کا دور دورہ پھر آغاز ہو گیا۔ وہ خوفناک رسوم جن کے لئے سوات اپنی ابتدائی تاریخ سے مشہور تھا۔

سوات میں ہند یونان، اور ہند توران دور کے جو سکے ملے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ یا تو یہ علاقہ بلا واسطہ ہند یونانی (وہ یونانی حکمران جو مور یہ خاندان کے زوال کے بعد مختلف جگہوں پر اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے) یا تورانی حاکموں کے قبضہ میں ہے یا اس کے اُن سے ثقافتی اور اقتصادی روابط رہے ہیں۔ وادی سوات

سیندر کے قبضہ میں راجہ کو ہندی یوتانی تھا۔ بعد میں یہ علاقہ ایک اور ذیلی بادشاہ اٹینی میکسس دوم کے حوالہ کر دیا گیا۔ سیندر کی موت کے بعد اُس کی بیوی اکاتھوکلیا بیباں کی حکمران بن گئی۔ بعد میں اُس نے اپنے بیٹے کو بھی اقتدار میں شریک کر لیا۔ اکتھوکلیا میکسس دوم کی طاقت کا توڑ کیا جاسکے۔ جس نے غزنی کے قریب اراکوشیا میں اپنی آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ ڈائیوڈوٹس کے اور بھی وارث تھے۔ اس لئے اُس نے اپنے ہی خاندان کے ایک فرد زانی لس اول کو وادی سوات میں ذیلی بادشاہ مقرر کر دیا۔ اُس نے کچھ مختصر عرصہ کے لئے یہاں پر حکومت کی لیکن پھر اٹینی میکسس دوم کی وفات کے بعد اُسے اراکوشیا پر دوبارہ قبضہ کے لئے وہاں بھیج دیا گیا۔ زانی لس اول کے بعد سوات کے ذیلی بادشاہوں میں سے سب سے مشہور اپالوڈوٹس ہے جسے ساکا سردار مایوس نے بے دخل کر دیا۔ ایلٹی بالا کے ایک اور تورانی قبیلہ سائی نے بھی (جو جیکسارتس اور اُس کے مغرب میں واقع علاقہ کے تورانیوں سے مختلف تھا) سوات اور اُس کے گرد و پیش کے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ 100 قبل مسیح کے فوری بعد ہندوستان کے پہلے مشہور ساکا بادشاہ مایوس نے وادی سوات اور گندھارا میں ہندی یوتانی حکمرانوں کی پیروی کرتے ہوئے اپالوڈوٹس کو حکمرانی سے بے دخل کر دیا۔ وسطی ایشیا کے ایک خانہ بدوش کشان نسل کے سربراہ کڈخس اول نے دریائے کابل تک کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر کے ان پر اپنی حکومت قائم کی۔ اس خاندان کے دور حکومت میں اس بات کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے کہ آیا سوات بھی اس کشان سلطنت کا حصہ تھا یا یہ کہ یہ اپنی آزادی حیثیت برقرار رکھنے میں کامیاب رہا تھا۔ زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہاں کے کزور سرداروں نے اس سلطنت کے سایہ عاطفت میں رہنا قبول کیا ہوگا۔

قریباً 745 عیسوی میں جب کابل کی ترکی شاہی حکومت کی سرحدیں سیستان کی سرحد سے شمالی پنجاب تک پھیلا دی گئیں تو اس عمل میں سوات بھی اس کا ایک حصہ بنا دیا گیا۔ یعقوب بن لیث نے 870ء میں اس ترکی شاہی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد ہندو شاہی خاندان کی حکومت قائم ہوئی اور وقت کے ساتھ ساتھ اُس نے اپنی حدود میں توسیع جاری رکھی۔ اس عہد میں سوات کے بارے میں معلومات خاصی کم ہیں۔ پھر بھی بریکوٹ کے شمال میں ایک پہاڑی پر کندہ تحریر جس کا تعلق ہے پال دیو کے عہد حکومت سے ہے، سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ سوات کا علاقہ کسی نہ کسی طرح سے اس ہندو شاہی حکومت کے زیر تسلط ضرور تھا۔ جب یہ ہندو شاہی حکومت محمود غزنوی کی زیر قیادت مسلمانوں کے ہاتھوں اختتام پذیر ہوئی تو سوات بھی بچ نہیں سکا۔ راجہ جے پال کو شکست دے کر مسلمانوں نے غالباً 1001-1002ء کے قریب سوات پر حملہ کیا اور اُس وقت کے حکمران راجہ کے اوڈیگرام قلعہ کا محاصرہ کر دیا۔ اس محاصرہ کے بارے میں ایک رومانوی کہانی مشہور ہے کہ جب یہ قلعہ پے در پے حملوں میں بھی فتح نہ ہو سکا تو راجہ کی بیٹی نے محمود غزنوی کے ایک جنرل کی محبت میں گرفتار ہو کر اُس خفیہ جگہ کا پتہ بتا دیا جہاں سے اس قلعہ کو پانی فراہم کیا جاتا تھا۔ قلعہ کا پانی بند کر کے راجہ کی فوج کو لڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ایک غلط تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ محمود غزنوی اپنی مہمات

کے دوران بذات خود سوات آیا تھا۔ اس ضمن میں ہی ایک غیر مصدقہ حکایات بیان کی جاتی ہیں۔  
 وادی سوات پر قبضہ کے بعد مختلف افغان قبائل کے لوگ یہاں آکر آباد ہو گئے۔ انہیں سواتی پختون کہا جانے  
 لگا۔ تاہم یہاں اُن کی طویل حکمرانی کے بارے میں معلومات ناکافی ہیں۔ مثلاً یہ لوگ افغانستان اور ہندوستان میں  
 قائم ہونے والی مسلم حکومتوں کے اثر و رسوخ سے آزار ہے۔

سوات کی تاریخ میں سولہویں صدی عیسوی ایک فیصلہ کن تبدیلی لے آئی جب یوسف زئی افغانوں نے اس  
 علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اُس وقت سوات سواتی پختونوں کے قبضہ میں تھا۔ سلطان اویس ان کا حکمران تھا۔ حالانکہ سنے  
 آنے والوں نے شادی بیاہ کے بندھنوں کے ذریعے سلطان کے ساتھ رشتہ داریاں قائم کیں لیکن دراصل وہ وادی پر  
 قبضہ کے عزائم رکھتے تھے۔ اس صدی کے پہلے زلع میں سواتی پختونوں کی دفاعی کوششوں کو ناکام بناتے ہوئے وہ  
 سوات زیریں پر قابض ہو گئے۔ ان کی پیش قدمی اس کے بعد رک گئی۔ انہوں نے دوبارہ پیش قدمی مغل بادشاہ تہاویوں  
 کے دور میں کی، جو باہر کا بیٹا تھا۔ سلطان اویس اور اُن کے ساتھ دیگر سواتی پختونوں کو سوات بالا کا علاقہ چھوڑ دینا پڑا  
 اور یوسف زئی اُس پر بھی قابض ہو گئے۔ اگرچہ انہوں نے سوات کو بہتان کے پہاڑی علاقوں کو نہیں چھینا لیکن وادی  
 کے قریب واقع دیگر علاقوں جیسے نور بند، کازا، چلیکسر اور پورن تک انہوں نے اپنے قبضہ کو توسیع دی۔

جس دوران یوسف زئی سوات میں پاؤں بٹا رہے تھے، باہر کا مغل پر قابض ہو گیا تھا۔ چونکہ ہندوستان جانے  
 کا ایک راستہ سوات کے یوسف زئی علاقہ میں سے گزرتا تھا اس لئے باہر اور ان میں ٹکراؤ لازمی امر تھا۔ باہر نے سوات  
 کی راہ لی اور شیخ کوزہ اور چندول و باجوڑ کے مشترکہ پٹیوں کے بیچ میں پڑاؤ کیا۔ وہاں اُس نے سوات کی طرف فوجی  
 پیش قدمی روک دی اور سفارتی حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے باجوڑ کے راستہ اشغر نکل گیا۔ سوات کے یوسف زئی  
 باہر، کامران اور تہاویوں کے عہد حکمرانی میں اپنی آزادی برقرار رکھنے میں کامیاب رہے۔ اکبر کے عہد تک مغلوں نے  
 سوات سے کوئی تھرا نہیں کیا۔ اکبر 1556ء میں تخت نشین ہوا اور 1585ء میں اُس نے ایک فوج کشمیر کی طرف  
 روانہ کی اور دوسری فوج زین خان کو کہہ کی قیادت میں باجوڑ اور سوات فتح کرنے کے لئے بھیجی۔ یہاں مغل فوج کو سخت  
 مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور سخت مشکلات سے دوچار ہوئی۔ زین خان نے ملک طلب کی اور یہ ملک راجہ بیڑیل اور حکیم  
 ابوالفتح کی کمان میں بمشکل سوات میں داخل ہوئی۔ چک درہ میں ٹھہر کر انہوں نے ایک قلعہ کی بنیاد ڈالی۔ وہاں سے  
 اس مشترکہ فوج نے بوئیر پر چڑھائی کی لیکن کڑا کڑ کے ایک ٹک راستہ میں مغل فوج تباہی سے دوچار ہوئی۔ راجہ  
 بیڑیل اپنی آٹھ ہزار فوج کے ہمراہ مارا گیا۔ پھر انہوں نے زین خان کی زیر قیادت ایک اور کوشش کی اور باجوڑ اور  
 سوات کے علاقوں میں 1587ء سے 1592ء تک لڑائی جاری رہی لیکن کوئی حقیقی دیر پا فتح حاصل نہیں کی جاسکی۔

جہاں گیر اور شاہ جہان نے سوات کو نظر انداز کیا۔ 1667ء میں سوات کے یوسف زئی مغلوں سے برسر

پیکار اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے نیچے میدانی علاقوں میں آئے۔ اس کے جواب میں مغل سپہ سالار سوات میں داخل ہو اور ایک گاؤں کو تاراج کر کے جلد ہی واپس لوٹ گیا۔ سواتی یوسف زئی مغل مہم حکومت میں اپنی آزاد حیثیت برقرار رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ بلکہ درانیوں اور سکھوں کے ہاتھوں بھی ان کو کچھ خاص سزا نہیں پہنچی۔

انگریزوں کی طرف سے پنجاب کے الحاق اور پشاور پر قبضہ کے بعد سوات کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہو گیا۔ سوات آزاد اور باہر برطانیہ کے زیر قبضہ علاقوں سے بھاگ کر آنے والے مفروروں، پناہ گزینوں اور انگریز استعمار کے مخالفین کے لئے ایک پناہ گاہ بن گیا بلکہ برطانیہ مخالف جذبات کا ایک مرکز بن گیا۔ برطانوی قبضہ میں رہنے والے پنجتنوں کو سوات کی طرف سے قابض قوت کے خلاف اٹھنے کی مسلسل ترغیب ملتی رہی۔

سوات کی تاریخ میں بہت ہی اہم واقعہ یہاں 1849ء میں ایک باقاعدہ حکومت کا قیام ہے۔ اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے حتمی سواتی سردار اپنی دلہیز پر انگریز قوت کو کچھ خوف محسوس کرنے لگے۔ انہوں نے آپس میں جڑے منہ عقد کئے اور سید اکبر شاہ کو سوات کا بادشاہ مقرر کر دیا گیا۔ 11 مئی 1857ء تک وہ حکمران رہا۔

ہندوستان میں انگریز تسلط سے آزادی حاصل کرنے کی اس تحریک کا یہ سال سوات میں بغیر کسی ہل چل کے گزر گیا۔ سید اکبر شاہ کی وفات سے سوات ایک قسم کی خانہ جنگی میں مبتلا ہو گیا اور وہ اس جنگ آزادی سے بالکل لا تعلق ہو کر اپنے ہی معاملات میں الجھا رہا۔ اخوند آف سوات نے اُس وقت جو رویہ اختیار کیا اُس سے بھی اس استعماری طاقت کو فائدہ پہنچا۔

1857ء کے بعد 1863ء کی اسمیلہ مہم تک سواتیوں کا انگریزوں سے کوئی آسنا سامنا نہیں ہوا۔ اس مہم میں انگریز اسمیلہ درہ سے ہو کر بوئیر ہکا میں قائم سید احمد شہید بریلوی کے پیر و کاروں کی کالونی کو تباہ کرنا چاہتے تھے لیکن ان کی پیش قدمی کو روک دیا گیا اور بوئیر اور سوات کے قبائل یک جا ہو گئے۔ استعماری حکومت نے اس مہم کو 15 نومبر 1863ء تک مکمل کرنے کا فرمان جاری کیا لیکن اسے سرحد سے مزید فوجی کمک کے لئے تار پر تار آتے رہے۔ قبائل کی ایک متحدہ قوت نے دو ماہ تک برطانوی افواج کو روک رکھا۔ استعماری طاقت نے فوجی لحاظ سے ناکامی کے بعد سفارتی کامیابی حاصل کی اور ایک عارضی جنگ بندی کے ذریعہ قبائل کو منتشر کر دیا گیا۔

اسمیلہ مہم کے بعد سواتی پُرامن رہے اور 12 جنوری 1877ء تک اخوند آف سوات کی وفات تک انہوں نے برطانوی حکومت سے الجھے کی کوئی کوشش نہیں کی اور اُن سے بنائے رکھنے کی اخوند کی رائے کا احترام کیا جاتا رہا۔ حالانکہ اس دوران اس کے برخلاف کرنے کے لئے شدید دباؤ رہا۔ 1895ء میں کچھ اندرونی واقعات اُس وقت سواتیوں اور برطانوی فوج کے درمیان شدید جھڑپوں کا باعث بنے، جب سواتیوں نے اپنے علاقہ سے چترال جانے والی انگریز فوج کا راستہ روکا۔ جو جنرل کے عمر اٹھان کے خلاف کارروائی کے لئے جاری تھی۔ عمر اٹھان نے چترال،

تکثرت، پٹ وادراہار، بادخوری مشن کے برطانوی حکام کی تنبیہات اور مشوروں کو یک سر نظر انداز کیا۔ اس پر پٹا در میں اعلیٰ انگریز حکام میجر جنرل سر رابرٹ لوکی قیادت میں آرمی کے فرسٹ ڈویژن کو چترال ریلیف فورس کے نام سے حرکت میں لائے جو چند روزہ ہزار کی نفری پر مشتمل تھی۔

ایک اعلان کے ذریعہ قبائل کو ان کے علاقے سے گزرنے والی فوج کو متحرک کرنے کے اسباب بتائے گئے اور ان کو یقین دلایا گیا کہ اگر وہ غیر جانبدار رہے تو انہیں اور ان کی املاک کو کوئی گزند نہیں پہنچایا جائے گا۔ اور یہ کہ انگریز حکومت ان کے علاقوں کو اپنی سلطنت میں ضم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ اس اعلان کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے سواتیوں نے اُن تینوں دروں کو جن کے ذریعہ چترال جانے کے لئے انگریز فوج سوات میں داخل ہو سکتی تھی بند کر دیا۔ چترال ریلیف فورس یکم اپریل 1895ء کو نوشہرہ سے روانہ ہوئی۔ جنگی حکمت عملی کے تحت دشمن کو تذبذب میں مبتلا رکھنے اور انہیں تقسیم کرنے کے لئے سورہ اور شاہ کوٹ کے دروں پر حملوں کا ڈراوا دینے کی چال چلی، لیکن اصل حملہ ملاکنڈ کے درہ سے کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ وہی حکمت عملی تھی جو یوسف زئی قبائل نے چار سو سال قبل سوات کا دفاع کرنے والوں کے خلاف اختیار کی تھی۔ تین اپریل کو حملہ آغا زہا ہوا۔ قبائلی جن کی اکثریت غیر مسلح تھی پوری طرح مسلح اور منظم انگریز فوج سے انتہائی بے جگری سے لڑے۔ انہوں نے اپنی مزاحمت جاری رکھی اور چار دن تک اُس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی طاقت کی پیش قدمی کو روک رکھا۔ بالآخر برطانوی فوج اپنی کوشش میں کامیاب ہوئی اور اکبر کے سالار زین خان کی فوج کے بعد پہلی بار ایک جم غفیر وادی سوات کی سرسبز و شاداب بٹی میں جنوب کی طرف سے داخل ہوا۔ ملاکنڈ اور چک درہ میں انہوں نے قلعے بنائے۔ دیر اور سوات کی ایک پولیٹیکل ایجنسی قائم کی گئی جس کا صدر مقام ملاکنڈ قرار پایا اور اسے تزویری اہمیت کی وجہ سے بلا واسطہ برطانوی ہندوستانی حکومت کے کنٹرول میں دے دیا گیا۔

عمر خان آف جنڈول کے فرار کے بعد انگریز حکومت نے خان آف دیر شریف خان کو اُس کی خدمات کے عوض بحال کیا۔ چون کہ اُس نے اس جنگ میں ان کی حمایت کی تھی اور مدد فراہم کی تھی اس لئے عمر خان کے زیر قبضہ سارے علاقے بھی اُس کے حوالے کر دیئے گئے اور جولائی 1897ء میں اُس کے منصب میں اضافہ کر کے اُسے نواب آف دیر تسلیم کر لیا گیا۔ استعماری حکومت کے سرکاری ریکارڈ میں تحریر کیا گیا۔ 'نئے انتظامات اطمینان بخش دکھائی دیتے ہیں۔ تجارتی سرگرمیاں بڑھی ہیں اور حکومت کے خلاف لوگوں کے دل میں پیدا ہونے والی دشمنی بھی جلد ختم ہو گئی۔'

تاہم لوگوں کے دل جیتنا آسان نہ تھا، جو اس استعماری طاقت کی موجودگی کو ایک مشترکہ خطرہ سمجھتے تھے۔ مخالفانہ جذبات بڑھتے رہے اور یہ مشکل دو سال بعد انگریزوں کے خلاف سب سے خوفناک بغاوت پیا ہو گئی۔ اُردو



سارے صوبہ سرحد کی سطح پر رکھ کر بھی اس کو دیکھا جائے تو اس کے خوفناک ہونے کے درجہ کو گھٹانا پائیں جاسکتے گا۔ صرف سوات ہی نہیں بلکہ برطانوی سلطنت کے شمال مغربی سرحد کے سب قبائل میں دستیابی سے بے چینی پھیل گئی۔ اس دوران جولائی 1897ء میں سوات بالا میں سر تو رفیقیر نمودار ہوا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ انگریزوں کو صرف ملائذ نہیں بلکہ پشاور سے نکال کر دم لے گا۔

شروع میں تو انگریزوں نے اس نئی تحریک کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی لیکن جولائی کے اختتام تک حالات کی نزاکت کو مزید نظر انداز کرنا ممکن نہیں رہا۔ علاقہ کے قریب قیامات افواج کو چوس کر دیا گیا تاکہ کم سے کم وقت میں ان کو حرکت میں لایا جاسکے اور 26 جولائی 1897ء کو مردان سے گائیڈز بلائے گئے۔

اس دن سر تو رفیقیر نے لنڈا کے سے ملائذ اور چک درہ کی طرف پیش قدمی کا آغاز کیا۔ سوات بالا، بونیر، اتمان خیل علاقہ بلکہ دور دراز سے لوگ ہزاروں کی تعداد میں اُس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ جب کہ دوسری جانب گائیڈز 27 جولائی کو مردان سے ملائذ پہنچے۔ 28 جولائی کو انڈیا میں مزید فوج کو حرکت میں لایا گیا۔ دونوں مقامات پر گھمسان کا رن پڑا۔ یکم اگست کو ملائذ فوجی ٹمک پہنچی اور اُس کے دوسرے دن چک درہ۔ 5 یوں دونوں کو بچایا گیا۔ بغاوت کی شدت کا احساس کرتے ہوئے گورنر جنرل نے 30 جولائی 1897ء کو ملائذ فیلڈ فورس کی روانگی

کی اجازت دی تاکہ وہ ملائذ اور آس پاس کے مورچوں پر قبضہ کو مستحکم کرے اور بغاوت میں ملوث قبائل کو سزا دے۔ اگست 1897ء کی ابتدا میں فوجی طور پر ایک ریزرو بریگیڈ کی تشکیل کا بھی فیصلہ کر لیا گیا تاکہ فیلڈ فورس کی مدد جاری رہے۔ اس طرح وادی سوات میں پہلی اور آخری تیزری مہم کا آغاز کیا گیا۔ انگریز 19 اگست 1897ء کو بیکورہ پہنچے۔ کئی مقامات پر انہیں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور بہت جانی نقصان اٹھایا۔ ایچ۔ ایل۔ ایس۔ سیکلین اور لیفٹیننٹ آئی۔ آر۔ گریوڈ بھی مارے گئے افسروں میں شامل تھے۔ لنڈا کی کے قریب کوڈ اور نوٹیکے کے مقام پر ہونے والی لڑائی کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ برطانوی حکومت نے اس لڑائی میں شریک لیفٹیننٹ کرنل ایڈمز اور سکاؤنٹ فزکال سوب سے بڑا فوجی اعزاز و کٹورہ یہ کراس دیا جب کہ پانچ دیگر کو آرڈر آف میرٹ سے نوازا گیا۔

1897ء کی سواتیوں کی بغاوت نے نہ صرف یہ کہ عظیم برطانوی طاقت کو پورا ایک ہفتہ ایسی جنگ پر مجبور کیا جس میں انتہائی غیر متوقع حالات کا انہیں سامنا کرنا پڑا بلکہ پورے قبائلی علاقوں میں سر اٹھانے والی دیگر بغاوتوں نے اس سال کو جو کہ ملکہ وکٹوریہ کے عہد حکومت کی گولڈن جوبلی تقریبات کا سال تھا، پوری تاریخ ہند میں برطانوی حکومت کے لئے مشکل ترین سالوں میں سے ایک بنا دیا۔

ملائذ کی اس جنگ کے بعد کے سالوں میں انگریزوں کے خلاف سوات میں مزید کوئی مسلح جدوجہد نہیں

ہوئی۔ سر تور فقیر نے نئی بارکوشش کی لیکن سوات کے اندر کے نرہی تازعات، نواب آف دیر کے خلاف مسلسل تناؤ کی کیفیت اور کچھ بااثر اقدار کے طالب لوگوں کے انگریزوں سے اچھے تعلقات کی وجہ سے اُسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ 1915ء میں ریاست سوات کی تشکیل تک حالات جوں کے توں رہے۔ اس کے بعد ایک بار پھر انگریزوں نے سوات کے خلاف مزاحمت کی ایک اور ناکام کوشش ہوئی۔

## نوٹس

1. اس نکتہ کی مزید وضاحت چینی سیان بیون سائٹ کے اس بیان سے بھی ہو جاتی ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ یہاں اونچی سنگھار چٹانیں، گہرے غار، پڑ سکون ندیاں ہیں جو وادیوں میں مقسم پللیاں کرتی گزرتی ہیں۔ بعض اوقات انسانی آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں۔ جب کہ کبھی کبھی مدھرتائیں کانوں سے نکلتی ہیں۔ بیون سائٹ، علی پٹنیر، اکاؤنٹس آف انڈیا، ٹرانسلیٹڈ فرم ریپبلکین پریس، نئی دہلی، جلد دوم، نیا ایڈیشن (مکتبہ، سوسل پبلسٹا انڈیا) لیپنڈ 1958ء، صفحہ 169۔
2. عبدالرحمن، ایشیائی آف دی ہندو شامیز، جنرل آف دی پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی (کراچی)، جلد 51 (جولائی - ستمبر 2003)، صفحہ 10، 23۔ ڈاکٹر محمد فاروق سواتی بھی کہتے ہیں کہ اب بعض محققین نے یہ سوچنا شروع کیا ہے کہ اوصیان کا مطلب ہے اوزیان کا سکس جو کہ ایک قبیلہ یا نسلی گروہ ہے (ڈاکٹر محمد فاروق سواتی نے 20 نومبر 2000ء کو یہ بات آرکیالوجی ڈیپارٹمنٹ، یونیورسٹی آف پٹاوار، میں مصنف کو زبانی طور پر گفتگو کے دوران بتائی)۔
3. دیگر فخری جغرافیائی خصوصیات کی طرح پہاڑی درے بھی کسی علاقہ کی تاریخ کو ایک خاص سانچے میں ڈھالنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کے ذریعہ لوگوں کی مسلسل آمد و رفت سے نہ صرف طرز زندگی کی تبدیلی کی تہائی ختم ہوتی ہے بلکہ اس سے انسانی ذہن کے سیاسی افق کھلتے ہیں۔ جس سے دوسری ثقافتوں کو سمجھنے میں اُسے مدد ملتی ہے۔ اُس خطہ میں جہاں اب افغانستان اور پاکستان واقع ہیں لڑی جانے والی جنگیں صرف اس علاقہ پر قبضہ کی تمہیری کارروائیاں نہیں تھیں بلکہ وہ پورے برصغیر کو زبردگی کرنے کا نقطہ آغاز ثابت ہوئیں۔ اس لئے کہ ان دروں پر قابض ہونے والوں کو اپنے مخالفین پر ایک قسم کی فوجیت حاصل ہوگئی (انجی۔ سی۔ ڈی۔ ایم ایڈیٹریل ریسٹوریشن، انڈیا، جینڈاؤ ٹو ڈی، اے سٹڈی آف نرہی اینڈ ملٹری ریسٹوریشن، بک نرہی ریز، تاریخ خانہ، صفحہ 261)۔ حتیٰ کہ اس دور میں جب کہ ٹیکنالوجی نے اتنی ترقی کرنی ہے، دروں پر قبضہ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انڈیا کے ساتھ ہونے والی کارگل کے ایب (1999ء) اور ہشت گردی کے خلاف جاری نام نہاد جنگ میں افغانستان کو پاکستان سے ملانے والے دروں کی اہمیت اس بات کا واضح ثبوت ہے۔
4. دیگر بحثوں کی طرح انگریزی ہسٹریوں کا بھی یہ دعویٰ ہے کہ ان کا شجرہ نسب نبی اسرائیل کے ایک بادشاہ طاقتور سے ملتا ہے۔ اس ضمن میں سلسلہ نسب کی حدود میں پیش کی گئی ہیں لیکن موجودہ دور کے کچھ مصنفین نے اس پر سوالیہ نشان لگایا ہے۔

انہوں نے نئی اسرار تکل سے تعلق والے نظریے کے علاوہ آریائی نسل والا نظریہ، مخلوط نسل والا نظریہ، ہونانی سلسلہ نسب والا نظریہ، اور جو قطروہ سے تعلق والا نظریہ پیش کیا ہے۔ اس سلسلہ میں خوشحال خان خٹک کا بیٹا الگ ایک نظریہ ہے۔ علم الانساب کی اہمیت اور بھٹان، افغان اور منگ جیسے الفاظ کی وضاحت پر بحث کرتے ہوئے سزموں میں صمدی میں خوشحال خٹک نے یہ دعویٰ کیا کہ پختونوں، افغانوں اور بھٹانوں کی اصل کے بارے میں موجود نظریات کا انہوں نے اچھی طرح پر غور جانزہ دیا ہے مزید یہ کہ ان سے زیادہ کسی نے اس موضوع پر تحقیق نہیں کی ہوگی۔ پھر وہ تعلیق کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ لوگ حضرت یعقوب علیہ السلام کی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بھائی کی نسل سے ہیں۔ یہ بالعموم تسلیم شدہ نظریے کے برعکس بات ہے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ اس موضوع پر لکھنے والوں نے خوشحال خان خٹک کے دعویٰ کو سر تا سر نظر انداز کیا ہے۔

5. ایس۔ ٹی۔ گزنیئر آف انڈیا، پرنٹس سریریز، جاتھ ویسٹ فرنیئر پریس، رچرٹ (لاہور)۔ سنگ میل پبلی کیشنز، (1991)، صفحہ 23۔

یہ نیشن چرچل جو کہ بعد میں برطانیہ کے مشہور زمانہ وزیر اعظم بنے، کے بارے میں پائے جانے والے اس عام خیال کو نظر قرار دینے کا انتہائی مناسب موقع ہے کہ وہ بذاتہ خود ملاکنڈ کی جنگ میں شریک تھے۔ درست بات یہ ہے کہ اس جنگ کے دوران وہ اندازاً اسی موجود نہیں تھے۔ وہ کہیں بعد میں ملاکنڈ فیلڈ فورس میں شامل ہوئے۔ وہ بھی ایک فوجی نہیں بلکہ نامہ نگار کی حیثیت سے اس لئے کمر بند بن گئے تھے۔ ان کے لئے کوئی اسامی خالی نہیں تھی۔ اس فورس کے کاغذ بنڈن ملاکنڈ نہیں آئیں ایک نامہ نگار کی حیثیت سے ملاکنڈ آنے کے لئے کہا۔ نتیجتاً چرچل کی ماں ایڈی ریڈ ولف چرچل نے ڈبلی ٹیلیگراف کے ایڈیٹر سے کہہ کے یہ انتظام کرایا کہ وہ اس کی تحریر کردہ رپورٹوں کوئی کام 5 پونڈ ادائیگی کر کے شائع کریں گے۔ جان مارش، دی ٹیکسٹس چرچل (لندن: ورلڈ ڈسٹری بیوٹرز، 1962ء)، صفحات نمبر ۴۷، ۴۸۔ تفصیل کے لئے دیکھیں صفحہ ۴۳ سے ۵۰ تک)۔ وہ بعد میں آکر ملاکنڈ فیلڈ فورس کے ساتھ رہا لیکن سوات میں اس فورس کی تعزیری مہم کے دوران وہ نامہ نگار کی حیثیت سے بھی اس کے ہمراہ نہیں تھے۔ اس لئے ملاکنڈ جنگ اور اس تعزیری مہم کے بارے میں اس کی رپورٹیں دوسروں سے سن کر لکھی گئی ہیں۔ ان کی حیثیت ایک پیشی شاہ کی رپورٹ جیسی نہیں ہے۔

## ریاست کا قیام

یوسف زئی قبائل کو سوات پر قبضہ و غلبہ تو حاصل ہو گیا لیکن وہ یہاں کوئی منظم حکومت قائم نہیں کر سکے۔ ملک احمد یا خان کچھ جیسے سرداروں کی سربراہی میں ان کا پرانا قبائلی طرز زندگی جاری رہا۔ شیخ علی سے منسوب ضوابط اور تعزیرات کسی قانونی حکومت کے لئے مطلوبہ معیار سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ یہ تو صرف چند اخلاقی، مذہبی اور سماجی معاملات سے متعلق ہیں۔ یہ دعویٰ کہ ملک احمد کو یوسف زئی قبائل نے اپنا حکمران بنا لیا بلا جواز ہے۔ اس لئے کہ اس کے پاس سربراہ مملکت کے اختیارات اور طاقت نہیں تھی۔ سردار کے بالاتر ہونے کا دار و مدار اس کی اپنی صلاحیتوں پر تھا۔ وہ معاملات پر اثر انداز تو ہوتا تھا لیکن اختیار و اقتدار کا مالک نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے سوات پر قبضہ کے دوران ملک احمد کے بعد یوسف زئی سرداروں میں سے کوئی بھی کسی ممتاز حیثیت کا حامل نہیں بن سکا۔

تاہم انہوں نے سماجی تنظیم کی ایسی بنا ڈالی جو چار سو سال تک بغیر رکاوٹ کے کارگر رہی۔ یہاں تک کہ میاں گل عبدالودود نے اقتدار میں آنے کے بعد اس میں بنیادی قسم کی تبدیلیاں کیں۔ مخدوم تھہق احمد 1950ء کی دہائی میں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

”سرسری نظر ڈالنے والے کو یہ معاشرہ مکمل طور پر بد نظمی اور طوائفِ اہلوی کا شکار نظر آئے گا۔ اس لئے کہ ہر طرف ایسے بہتوں سردار نکھرے ہوئے ہیں جو کسی ایک مقتدر قوت کے تابع نہیں۔ وہ ہر دم ایک دوسرے سے برسرِ پیکار اور ایک دوسرے کو طاقت سے محروم کرنے میں لگے ہوئے ہیں لیکن حقیق (مخدوم تھہق احمد) کو ایسا لگتا ہے کہ یہ معاشرہ پوری طرح حالات سے مطابقت رکھتا تھا اور وہ چیز جسے ہم آجنگی اور توازن کہتے ہیں، وہ اسے حاصل ہو چکا تھا۔ دراصل یہ ایک خود ساختہ صحیح والا ایسا نظام تھا جس میں ذوری تقسیم اور امنی کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ یہ نظام اتنے زمانہ تک بہتوں سرداروں کی مسلسل نبرد آزمائی، بگڑے ہوئے شخصیات کے تھکس اور ٹھپے ٹوڑ جھپٹ کی آغوشی کی وجہ سے چلتا رہا۔“

یوسف زئی قبضہ کے بعد قائم ہونے والی پہلی ریاست سوات

(1849ء تا 1857ء)

سوات کے یوسف زئی کسی ایک شخص کو اپنا حکمران تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھے۔ وہ اپنے اپنے سرداروں کے زیر قیادت دو علیحدہ ڈلوں (دھڑوں) میں بنے رہے لیکن قومی سطح کے خطرات کے موقع پر وہ آپس کے جھگڑوں، باہمی رقابتوں اور دشمنیوں کو بھول کر مشترک دشمن کا سامنا کرتے۔ ان کی یہ خوبی اُس وقت بھی سامنے آئی جب انگریزوں نے پشاور پر قبضہ کر لیا اور سرداری زئی کے خلاف تعزیری ہمنوں کے سلسلہ میں سوات کی سرحد تک پہنچ گئے۔

سواتیوں نے اپنی آزادی کو درپیش اس خطرہ کا مثبت جواب دیا اور اپنے دفاع کے لئے وہ کسی ایک ذمہ دار سردار کی قیادت قبول کرنے اور سوات کا ایک بادشاہ نامزد کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس منصب کے کئی دعویدار تھے اور خدشہ تھا کہ انتخاب کا یہ مشکل مرحلہ ان میں مستقل پھوٹ ڈالنے کا سبب نہ بن جائے اور وقت کی اہم ترین ضرورت اتحاد کا خواب بکھر نہ جائے لیکن سوات کے سید اکبر شاہ کو بادشاہ مقرر کر کے اس معاملہ کو سلجھا لیا گیا۔ جسے اخوند آف سوات نے ایک طاقت ور، ذہین اور اسلامی اصولوں پر کاربند شخص قرار دیا۔ جسے سید ہونے کی اضافی خوبی بھی حاصل تھی۔

سید اکبر شاہ کا سلسلہ نسب سید علی ترمذی المعروف پیر بابا سے ملتا تھا اور وہ سید احمد شہید ریلوی کے حامی تھے۔ 1831ء میں بالاکوٹ کے مقام پر سکھوں کے ساتھ ہونے والی لڑائی میں سید احمد کی شہادت کے بعد اُن کے بیٹے جانے والے پیر دکاروں کو سید اکبر شاہ نے ہی اپنے قلعہ سوات میں گھر فرمایا۔ یہی وہ جگہ ہے جس نے ہری سکھ اور بعد میں رنجیت سنگھ (1824ء) کی طاقت کو لٹکا رہا تھا۔

بادشاہ بننے کے بعد سید اکبر شاہ نے غالبی کو صدر مقام بنایا۔ وادی پشاور میں سید احمد شہید کی ماتحتی میں انتظام چلانے اور حاصل جمع کرنے کا تجربہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے ایک خام قسم کی انتظامی مشینری قائم کر لی۔ جنگی اخراجات پورے کرنے کے لئے انہوں نے محصولات جیسے عشر وغیرہ جمع کرنے شروع کئے۔ جس پر اُن کے بادشاہ بنائے جانے کے وقت اتفاق ہوا تھا۔ جب اُن کا اقتدار مستحکم بنیادوں پر قائم ہوا تو انہوں نے ایک باقاعدہ فوج بنانے کی ٹھانی جو ہندوؤں سے مسلح ہو۔ بالآخر وہ 800 سواروں اور تین ہزار پیادہ فوج جمع کرنے میں کامیاب ہوئے جس کے پاس پانچ چھ ہندو قس تھیں۔

سید اکبر شاہ کی مستحکم طاقتور مرکزی حکومت قائم کرنے کی کوشش زیادہ کامیاب نہ ہو سکی۔ اس لئے کڑ لوگ چون کہ ایک طویل عرصہ تک سن مانی کرنے، آزادانہ طور پر ترقی سے رہنے اور ایک غیر مستحکم طرز زندگی کے عادی ہو گئے

تھے۔ نئی حکومت کی عائد کردہ پابندیوں اور ضوابط کے مطابق رہنا انہیں مشکل لگا۔ اس لئے 'سوات کی پہلی اسلامی ریاست' سید کی اہلی کارکردگی اور ارفع خصوصیات کے باوجود ناکام ہو گئی۔ ان کی خوبیوں کا بہر حال اعتراف کیا گیا۔ بعض معترضین اُس کے افسروں کی بدانتظامی، فوج میں مقامی افرادی عدم موجودگی، اہم لوگوں سے اُس کے ملازمین کا ظالمانہ اور نامناسب برتاؤ اور خوازہ خیلہ کے ایک اہلی شریف خاندان کی بے عزتی کو اس حکومت کی ناکامی کا سبب گردانتے ہیں۔ مزید برآں اچھے سرکاری عہدوں اور فوجی مناصب پر غیر مقامی لوگوں کی تقرری نے عوام کے دلوں میں ایک مستقل تلخی پیدا کر دی تھی۔

سید اکبر شاہ کی اُن مشکلات کا تعلق کسی حد تک معترضین کی ان باتوں سے بھی رہا جو گاجن کی وجہ سے وہ ایک ایسی منظم اور مستحکم حکومت قائم کرنے میں ناکام رہے جو اُن کی وفات کے بعد بھی چلتی رہتی لیکن اس خیال کی واضح تردید ضروری اور اہم ہے کہ انہیں سوات سے دوران حکومت نکال دیا گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ 11 مئی 1857ء (اپنی وفات) تک سوات کے حکمران رہے اور ان کے وفات کے دن ہی 1857ء کی جنگ آزادی کی خبر پشاور پہنچی۔ بنیادی حقیقت یہ ہے کہ یہاں کے لوگ کسی باقاعدہ قانون کی پاسداری اور ایک بااختیار حکومت کی اطاعت کے خواہش مند نہیں تھے۔ سرکاری ضوابط کے نفاذ، معائنوں اور پابندیوں کے لئے وہ تیار نہیں تھے اور وہ عسکر کی ادائیگی سے بالکل تنگ آ گئے تھے۔ خواتین اور سردار اس بات کے لئے ہرگز تیار نہیں تھے کہ اُن کے اوپر کوئی اور بااختیار طاقت ہو جو اُن کی زندگی کے معمولات میں دخل کی بجا نہ ہو۔ پھر یہ کہ سید اکبر شاہ کی حیثیت اس وجہ سے بھی کمزور تھی کہ غیر مقامی ہونے کی وجہ سے اُن کا سوات میں کوئی ڈلہ (دھڑ) نہیں تھا۔ اس سب پر مستزاد یہ کہ ان کی حکومت کو یوں تو اخوند آف سوات کی سرپرستی حاصل تھی جن کی حیثیت پوپ سے کم نہیں تھی لیکن پھر اس کی انگریز مخالف پالیسی اور مختلف مذہبی عقائد کی وجہ سے اخوند آف سوات اُن کے خلاف ہو گئے جس سے اُن کی مشکلات بہت بڑھ گئیں۔ مزید برآں یہ کہ ان میں سے کسی ایک کی حیثیت میں استحکام کا لازمی نتیجہ دوسرے کی حیثیت کی کمزوری تھی۔ اس لئے اخوند آف سوات کا اُن کا مخالف ہو جانا لازم تھا۔

مبصر راورٹی سید اکبر شاہ کو صحیح معنوں میں سوات کا بادشاہ تسلیم نہیں کرتا۔ اُس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سید اکبر شاہ کے لئے باچا کے لقب کا استعمال اُن کے بادشاہ ہونے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ یہ دراصل سید ہونے کی وجہ سے ان کے لئے استعمال کیا گیا۔ لیکن راورٹی کا کزور استدلال اس حقیقت کی مار نہیں سرسکتا کہ سید اکبر شاہ کو باقاعدہ حکمران تسلیم کرنے کے بعد یہ لقب دیا گیا تھا اور نہ سید تو وہ پہلے سے ہی تھے۔

## 1857ء کے بعد

سید اکبر شاہ کے بعد ان کا بیٹا سید مبارک علی شاہ تخت نشین ہوا جو مبارک شاہ کے نام سے زیادہ معروف ہے لیکن چون کہ سوائی کسی مضبوط حکومت کے ماتحت زندگی گزارنے کے لئے تیار نہیں تھے، اس لئے وہ اسے بادشاہ تسلیم کرنے میں پس و پیش کر رہے تھے۔

دوسری جانب اخوند آف سوات کو اس بات کا بھی خوف تھا کہ کہیں سید مبارک شاہ سپاہ (دو ہندوستانی سپاہی جو اپنی بغاوت کی ناکامی کی وجہ سے مردان سے سوات آئے تھے اور مبارک شاہ سے مل گئے تھے) کی مدد سے سوات میں اپنی حیثیت اتنی مضبوط نہ کر لے کہ جس سے اس کی اپنی پوزیشن کمزور ہو جائے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے بڑے بیٹے کو تخت پر بٹھا نا چاہتے تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے اس سلسلہ میں اپنا مخالفانہ کردار ادا کیا۔ اس پہلو پر اولف کیرو، سرن زیب سواتی اور ضلع پشاور کے گزٹنر نے روشنی ڈالی ہے۔ بالآخر مبارک شاہ کو چند ماہ کے بعد 55 ویں مقامی انجینئری کے سپاہیوں کے ساتھ ساتھ اقتدار سے الگ کر کے سوات سے بے دخل کر دیا گیا جس کے نتیجے میں سوات کی پہلی ریاست اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ جہاں تک ان تنازعہ بیانات کا تعلق ہے کہ 1857ء میں سید اکبر شاہ کی وفات کے بعد سید و بابا (اخوند) نے بذات خود 1877ء میں اپنی وفات تک حکومت کی یا یہ کہ انہوں نے سید و شریف کو اپنا دارالحکومت بنایا، تاریخی حقائق سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ دراصل اخوند سیاسی منصب کے لئے کوئی دعویٰ پیش کرنے یا خود کو کوئی ذیوی عہدہ قبول کرنے کے سلسلہ میں حد درجہ محتاط تھے۔ اور ان کی زندگی میں ان کا کوئی ذیوی منصب قبول کرنے کے بارے میں کبھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوا۔

مئی 1871ء اور جون 1875ء میں اخوند نے اپنے بڑے بیٹے (میاں گل عبدالکمان) کو سوات کا بادشاہ منتخب کرانے کی بالواسطہ کوششیں ضرور کیں لیکن ان مواقع پر بھی انہوں نے خود اس کا نام تجویز نہیں کیا۔ اس طرح اخوند اپنی اس کوشش میں ناکام ہوئے۔ وجہ یہ تھی کہ تخت کے اور بھی بہت مضبوط دعوے دار موجود تھے۔ پنجاب اور اس کے زیر نگیں علاقوں کے انتظام والے فرام کے بارے میں ایک رپورٹ اس بات کی تہہ تک پہنچتے ہوئے بیان کرتی ہے۔

”اخوند کی انتہائی سن رسیدگی اور اس کی جاں نشینی کے جھگڑوں نے ملک میں انتشار کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ اہم ترین دعوے دار اخوند کا بیٹا میاں گل اور سوات کے طاقت ور ترین قبائل میں سے ایک سے سردار شیر دل خان ہیں ان کا تعلق رانیزئی سے ہے۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد ان کے اس دعویٰ کی حمایت کرتی ہے۔“

## 1877ء کے بعد

سوات کے دہاری مؤرخین اور ان کے خوش چین سوات میں اقتدار کی اس جنگ کو اخوند آف سوات کے خاندان کے افراد کے درمیان جاں نشینی کا مسئلہ قرار دے کر پیش کرتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ خان آف دیر رحمت اللہ خان، والد ڈیڈ کا شیردل خان اور اخوند کا بڑا بیٹا میاں گل عبدالحق تینوں سوات کے تخت کے دعوے دار تھے۔ خان آف دیر رحمت اللہ خان، دلغزن خان، شیردل خان کے حامی تھے۔ اُس وقت سوات میں دو بہت بڑے ڈلے (دھڑے) تھے۔ ان میں سے ایک کی قیادت شیردل خان کے پاس تھی جو رانی زئی قبیلہ کے سردار تھے (اب ان کا علاقہ کانڈا پنجی میں شامل ہے) جب کہ دوسرے کا سربراہ اخوند کا بڑا بیٹا میاں گل عبدالحق تھا۔ سوات اور اُس اردگرد کے سارے علاقوں کا ہر قبیلہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا حامی تھا۔ باہو زئی اور رحمت اللہ خان آف دیر کے طرف داروں کے مقابلہ میں میاں گل کا پڑھ مٹو نا بھاری تھا۔

”لیکن اُس کے حامیوں کی بیخبر نے متیوسف دیہاتوں کی عورتوں کے ساتھ جو ناروا زیادتیاں کیں اس کی وجہ سے اُس کی حمایت میں نمایاں کمی آئی اور خان آف دیر کی حمایت میں اضافہ ہو گیا جس نے اکتوبر (1879ء) میں سوات پر حملہ کر دیا لیکن باہو زئی میں حالات خراب ہونے کی وجہ سے اُسے لوٹ جانا پڑا، تاہم سوات کے ادرین زئی تپہ میں اپنا اقتدار برقرار رکھنے کے لئے اُس نے ایک آدی وہاں مقرر کر دیا۔“

اپریل 1880ء میں شیردل خان کا انتقال ہو گیا اور سوات میں بڑی سیاسی طاقت رحمت اللہ خان، خان آف دیر کے ہاتھ میں آگئی۔ 1881ء کی ابتداء میں سوات کے ادرین زئی تپہ کے علاقہ میں تعینات اُس کے نمائندوں کو نکال دیا گیا۔ یہ علاقہ اُس نے 1879ء میں قبضہ کیا تھا۔ لیکن دریائے سوات کے شمال میں جو علاقہ ہے وہاں اُس کا اثر و رسوخ جن کا توں برقرار رہا۔ رحمت اللہ خان جسے سوات کی سرزمین پر ہمہ وقت برپا گروہی تنازعات و مسائل نے فائدہ پہنچایا 1881ء میں دریائے وائیں جانب واقع سوات بالا کا حکمران بن گیا۔ اُس کی جاہ طلبی کی تمنا یقیناً پوری ہو جاتی اور پورا سوات اُس کے زیر نگیں آ جاتا اگر خان آف باہو زئی اور اپنے ہی بیٹے کے ساتھ اُس کے جھگڑے اُسے اس کا میاب مہم کوچ میں اور مورا چھوڑ کر واپس جانے پر مجبور نہ کرتے۔

میاں گل عبدالحق نے اس جماعتی سیاست میں ایک اہم کردار ادا کرنے کی کوشش کی لیکن

”سوات میں ایک نمایاں سیاسی حیثیت کے حصول کی اُس کی کوششوں کو لوگوں کی مجبول مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ اُس کی طرف سے مقامی قبائلی سرداروں کی حیثیت کو ختم کرنے کی جدوجہد کو حسد اور نفرت سے دیکھ رہے تھے اور انہیں خوف لاحق تھا کہ اگر اُس کا اقتدار قائم ہو گیا تو اُس کا نتیجہ ان لوگوں سے محسولات وصول کرنا ہوگا۔ اس خیال کو یقیناً ایسا لگتا ہے..... خواتین نے ہی پرہان چڑھایا ہوگا۔“



میاں گل کا اثر دوسو سو چھ عرصہ سے کم ہوتا ہوا دکھتا تھا اچانک اُس میں اضافہ ہو گیا اور 1882ء کے اختتام تک سوات کے دیگر تمام سرداروں کے مقابلہ میں اُس کی حیثیت بہت مستحکم ہو گئی۔ ۲۰ ہجرتی طور پر لوگوں میں غیر مقبول تھا جن کے دلوں میں کسی ایک شخص کو مکمل اختیارات سوچنے کے خلاف نفرت موجود تھی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سوچتے تھے کہ ایک مستحکم مقتدر حکمران یقیناً محصول لے گا اور زرعی پیداوار پر بھی ٹیکس مانگے گا۔

اس وقت تک باجوڑ میں عمر خان کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی اور وہ اب سوات میں اقتدار کی جنگ میں شامل ہو گیا۔ 1883ء میں خان آف دیر اور میاں گل کے درمیان سوات میں اقتدار کے حصول کی ایک سرسری سی کشمکش شروع ہوئی۔ مارچ 1884ء میں وہ ایک معاہدہ تک پہنچ گئے۔ میاں گل نے دیر ملیر کی میں رحمت اللہ خان کے اقتدار کو تسلیم کر لیا۔ اس کے بدلہ میں اُس نے وعدہ کیا کہ وہ سوات خاص کے معاملات میں دخل انداز نہیں کریں گے۔

1884ء سے 1890ء تک وادی سوات سازشوں اور گروہی جھگڑوں کا مرکز بنا رہا۔ اس کی وجہ عمر خان آف جنڈول کی جاہ طلب کارروائیاں تھیں۔ میاں گل کبھی تو خان آف دیر شریف خان کی حمایت کرتا جو کہ اپنے باپ رحمت اللہ خان کی وفات کے بعد اُس کی جگہ لے چکا تھا اور کبھی جنڈول کے خان کا ساتھ دیتا۔

اس بات کا قوی امکان تھا کہ عبدالرحمان کے اقتدار کے دعویٰ کو لوگ تسلیم کر لیںے حالانکہ وہ اپنے باپ کی صلاحیتوں سے محروم تھا۔ ایک موقع ایسا آیا تھا کہ لگتا تھا کہ سوات کا اقتدار بلا شرکتِ غیرے اُسے مل جائے گا لیکن اُس کی فطری کاہلی آڑے آئی۔ نہ تو وہ اپنی طاقت کو مستحکم کر سکا، نہ عوام سے تعلق کو بہتر بنا سکا، اور نہ اپنے حامیوں کی غارت گرانہ عادات کو قابو کر سکا جن کی وجہ سے اُسے کئی مواقع سے ہاتھ دھونا پڑا تھا۔ وہ 1887ء میں انتقال کر گیا۔

### برطانوی بھی اقتدار کی جنگ میں کود پڑتے ہیں (1888ء)

میاں گل عبدالرحمان کی جگہ اُس کے بھائی میاں گل عبدالخالق نے لی جو دنیوی معاملات سے بالکل ا تعلق تھا۔ اس لئے اب سوات کے اقتدار کے لئے رسہ کشی عمر خان آف جنڈول اور شریف خان آف دیر کے درمیان شروع ہو گئی۔ جن دونوں کا تعلق سوات سے نہیں تھا۔ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ایک تیسری طاقت یعنی انگریز بھی اس جنگ میں شامل ہو گئے۔ ان سب کے علاوہ 1880ء کی دہائی کی ابتدا میں سوات کے لوگ کاہل حکومت کے ارادوں سے بھی خدشات میں مبتلا تھے جو ان کے کچھ ملاتے ہڑپ کرنے کی کوششیں کر چکی تھی۔ 1888ء میں امیر افغانستان کی کارروائیوں کے نتیجہ میں سوات میں پیدا ہونے والی بے چینی کی وجہ سے برطانوی حکومت نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے مداخلت کا فیصلہ کیا۔ حالانکہ وہ ابھی تک باجوڑ، دیر اور سوات کے معاملات میں مداخلت سے گریزاں

تھی۔ برطانوی حکومت کے احتجاج کے بعد امیر افغانستان نے فی الفور تسلیم کیا کہ سوات اُس کے دائرہ عمل سے باہر ہے لیکن باجوڑ اور دیر پر اُس نے اپنے دعویٰ کو واپس نہیں لیا۔ بہر کیف 12 نومبر 1893ء میں ہونے والے ڈیورنڈ لائن کا معاہدہ ہونے تک افغانستان کی سازشیں جاری رہیں۔ اس معاہدہ پر افغانستان کی طرف سے امیر عبدالرحمن اور برطانوی حکومت کی جانب سے مارنیر ڈیورنڈ نے دستخط کئے۔ اس معاہدہ کی تیسری شق کہتی ہے۔

”برطانوی حکومت اس بات پر اتفاق کرتی ہے کہ اپنی حضرت امیر اسہار اور اُس کے اوپر چنگ تک کی وادی کو اپنے قبضہ میں رکھے۔ اس کے بدلے میں اپنی حضرت نے بھی اس بات سے اتفاق کیا ہے کہ وہ کسی بھی وقت سوات، باجوڑ یا چترال کو تسلیم کرے۔“

امیر عبدالرحمن خود اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اُس نے باجوڑ، سوات، بونیر، دیر، چترال اور جلاس پور اپنا دعویٰ واپس لے لیا ہے۔ اس معاہدہ سے سوات پر افغانستان کا دعویٰ اور مستقبل میں اسے ضم کرنے کی کوششیں ذم توڑ گئیں۔ دوسری جانب یہاں کے معاملات میں برطانوی اثر و رسوخ بڑھ گیا۔ اس لئے کہ اب سوات بھی اُن علاقوں میں شامل ہو گیا جو ڈیورنڈ لائن کے برطانوی ہند کی طرف واقع تھے۔<sup>2</sup>

گردی، چگڑے، متواتر جاری رہے، جس کی وجہ سے اندرونی حالات بے یقینی اور اضطراب کا مظہر بنے رہے۔ ایک موقع پر عمر خان الہ ڈنڈ ڈنڈی اور کچھ دیگر دیہاتوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن پھر اُسے بے دخل کر کے بات چیت پر مجبور کر دیا گیا۔ جب 1889ء میں بہت سے افغان پناہ گزین افغان جنرل فینس محمد خان غلزنئی کی سربراہی میں سوات میں آئے تو

”سوات کے لوگ اپنے علاقہ کے انتظام کے بارے میں متقسم سوچ رکھتے تھے۔ کچھ ہندوستان میں قائم برطانوی حکومت کی مداخلت کا طالب تھے۔ دوسرے چاہتے تھے کہ پلٹنی میں ہندوستان حکومت کے انہوں کو بلانا چاہئے جب کہ دیگر چاہتے تھے کہ افغان جنرل فیض محمد خان کوسر برہا بنا لیا جائے۔ بہر صورت اس بات پر سب متفق تھے کہ عمر خان کی مخالفت ضروری ہے جس نے قحانہ پر حملہ کی دھمکی دی تھی اور اس بات کو پورا امکان تھا کہ وہ پورے سوات کو تاراج کر ڈالے۔“

برطانوی حکام کی یہ پیش گوئی سچ ثابت ہوئی کہ خود آف سوات جسے وہ سوات میں استحکام اور امن وامان کے قیام کے لئے بنیادی ستون قرار دیتے تھے، کی موت برطانوی مفادات کے لئے معاون ثابت ہوگی۔

”انہیں یقین تھا کہ ایک لحاظ سے برطانوی استعمار کے لئے اخوند کی موت فائدہ مند ثابت ہوگی۔ اب سوات باہم دست و گریبان دشمن گروہوں میں بانٹ جائے گا اس لئے بروقت ان میں سے کوئی نہ کوئی فریوں کو زبرد کرنے کے لئے برطانوی حکومت کا حلیف بننے کے لئے موجود ہے گا۔“

پہلے ہی ان خوانین میں سے بعض نے اپنی ذاتی حیثیت میں ہندوستان کی برطانوی حکومت سے رسی گفٹ و شنیدی کی کوشش کی تھی۔ 1889ء میں پہلی بار سوات کے باشندوں کے ایک حصہ نے برطانوی حکومت سے سوات کے

مسائل میں باقاعدہ مداخلت کی تائید کی۔ سوات میں حکومت قائم ہونے سے پہلے اس بے یقینی کی کیفیت میں عمرخان آف جندول شریف خان کو دیر سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس نے سوات بالا میں پناہ لی۔ دیر پر قبضہ کے بعد عمرخان اور مضبوط ہو گیا۔ اُس نے پہلے ہی انگریز حکومت سے سوات کو اپنے زیر قبضہ علاقہ میں شامل کرنے کے لئے رسی گفت گو کا آغاز کر دیا تھا۔ برطانوی حکومت کے لئے اپنی وفاداری اور افادیت ثابت کرنے کی امید پر اپنی تیسری تحریری درخواست میں وہ یوں کہتا ہے (یہ درخواست اکتوبر 1888ء میں پیش ہوئی)

”میری کوششوں سے باجوڑ اور سوات کے سارے سردار برطانوی حکومت کے خدمت گار بن جائیں گے۔ مناسب یہ ہوگا کہ ان سب کو میرے ماتحت کر دیا جائے۔ ان میں سے جو میرا دوست ہو اُسے برطانوی حکومت کی طرف سے عزت افزائی حاصل ہو اور جو مجھے براہ راست کرے اُس سے ایسا سلوک کیا جائے جیسے اُس نے برطانوی حکومت کو براہ راست کر دیا ہو۔“

عمرخان کشتہ پشاور کو ستمبر 1890ء کے اپنے خط میں بہت ہی بے تکلف ہو کر اپنا مقصد اور خواہش بتا دیتا ہے۔ وہ برطانوی حکومت سے کھلی چھوٹ چاہتا تھا۔ سوات کے خوائین نے بھی اپنی طرف سے برطانوی حکام سے رابطہ کر کے عمرخان کے اچانک حملوں اور تجاوزات کے خلاف مدد مانگی۔ 1892ء میں سوات کے خوائین نے عمرخان کے حملے بند نہ ہونے کی صورت میں ہندوستانی مجاہدین یا امیر افغانستان سے مدد طلب کرنے کی دھمکی دی۔

برطانوی حکومت کو نہ عمرخان سے محبت تھی اور نہ ہی انہیں سواتیوں کی کوئی پروا تھی۔ انہیں صرف اپنا مفاد عزیز

تھا۔ مسز ڈن سینواتیوں کے بارے میں لکھتے ہوئے رقم طراز ہے کہ

”اگر ہم نے سوات کے خوائین کا اتحاد کھویا جو کہ عمرخان کے اس علاقہ پر قبضہ کی صورت میں یقیناً ہم کو ہریں گے تو اس اتحاد کے دوبارہ حصول کا امکان بہت کم رہے گا۔ سوات کے حالات سے یہ بات آشکارا ہے۔ وہ اپنی آزادی پر برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ عمرخان اور امیر آف کابل دونوں سے اُسے خوف لاحق ہے۔ سوات کے معاملات میں عمرخان کی مداخلت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس لئے اس کی آزادی پر برقرار رکھا جانا چاہیے۔“

اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے وہ مزید کہتا ہے کہ ”کئی اوقات عمرخان سے اس ضمن میں کوئی سلسلہ جنبانی نہیں ہونی چاہئے حتیٰ کہ وہ سوات کے خلاف کوئی جارحیت آغاز کرے۔“ سوات کے خوائین کے خط کے جواب میں پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر نے یوں خیال آرائی کی ہے کہ ”یہ لوگ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں اپنے خلاف عمرخان کی مدد سے روکیں یا یہ کہ ہم اس پر اچھی طرح واضح کر دیں کہ سوات کے معاملات سے خود کو بالکل الگ رکھے۔“ عمرخان کے ساتھ مجوزہ معاہدہ کا ذکر کرتے ہوئے کشتہ پشاور ڈویژن، کہتا ہے کہ

”جہاں تک سوات کا تعلق ہے میرے خیال میں عمرخان کے ساتھ کوئی ایسا وعدہ کرنا ناپسندیدہ ہے۔ اس لئے کہ آنے والے دنوں میں ممکن ہے ہم اپنا اثر و سرور و سائنس وادی تک بڑھانا چاہیں یا یہ کہ اس دوران عمرخان نے اس پر قبضہ کر لیا ہو اور پھر ہم اُس کو اپنے مفادات کے لئے بطور آلہ کار استعمال کر سکیں۔“

تھانہ کے خواہن کے خط کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتا ہے:

”میں اس غور کرنے کے قابل نہیں سمجھتا۔ میرا نہیں خیال کہ برطانوی حکومت اس وقت وہاں کے باشندوں کے کہنے پر سوات کو زیرِ حفاظت ملحق قرار دینے کے لئے تیار ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ عمرخان اس بات پر شدید ناراض ہوگا اگر ہم اس علاقہ میں اسے مداخلت سے روکنے کا کسی کو یقین دہانی کراویں۔ اس لئے اگر ہم اس سے دوستانہ تعلقات برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو ایسے دماغوں کو نظر انداز کرنا چاہئے۔ ان کو موقع دیا جانا چاہئے کہ وہ لڑ کر خودی اپنے معاملات کو ٹھیک کریں۔“

گورنر جنرل ان کونسل نے اس بات سے اتفاق کیا کہ ڈین کی تجویز قابل عمل نہیں۔ وہ مزید کہتا ہے کہ بہتر یہی ہے کہ عمرخان کو سوات میں مداخلت سے باز رہنے کا سچا زہ انتہاء جاری نہ کیا جائے۔ اس کے خیال میں ایک تو یہ لازم نہیں کہ اس انتہاء کو کوئی اثر ہو اور اس سے یقینی عمرخان برطانوی حکومت کے خلاف بہت زیادہ تالاں ہو جائے گا۔ تاہم اس نے یہ بات اچھی طرح واضح کر دی کہ

”جب تک ہماری حکومت کو مداخلت پر مجبور نہ کر دیا جائے ہمیں ان رفتاروں اور سازشوں سے بچ کر رہنا چاہئے جو کہ سرحد کے اس طرف کی زندگی کا لازمی جز ہیں۔ ہندوستان کی حکومت ایک موقع پر عمرخان کی حوصلہ افزائی پر آمادہ تھی تاکہ امیر افغانستان کو اس پر علاقہ کو تخت و تاج کرنے سے روکا جاسکے۔ دو مسئلہ بالکل مختلف تھا۔ لیکن اب سواتوں اور عمرخان کے درمیان میں مائل ہونا بالکل ٹھیک بات ہے۔“

1893ء میں عمرخان کو سوات میں کچھ کامیابی حاصل ہوئی لیکن یہاں گروہی تنازعات مزید دو سال تک جاری رہے۔ اُسے سوات میں کچھ زیادہ کامیابی نہیں ملی تھی کہ اُس نے چترال پر حملہ کر دیا۔ نتیجتاً اُسے افغانستان فرار ہونا پڑا اور سوات زبیر میں سے انگریزوں کو گزر گاؤں ملی۔ اس طرح سوات جو کہ 1895ء تک ایک ایسی سرزمین تھی جس پر کسی یورپی باشندے نے قدم نہیں رکھا تھا اور اس داستانِ حسن کا کسی یورپی آنکھ نے غلط نہیں اٹھایا تھا۔ اُس کا ہندو رواجہ برطانویوں کے لئے کھل گیا۔

زبیر کی وادی سوات کو تھانہ قصبہ تک ایک ڈھیلے ڈھالے برطانوی انتظام کا حصہ بنا دیا گیا۔ یہ انتظام بلوچستان اور ترکم میں بہت کامیاب رہا تھا۔ اس سے زبیر سوات سے گزرنے والا پشاور سے چترال جانے والا راستہ محفوظ ہو گیا جس سے چترال میں قیامت فوج تک کمک پہنچانا آسان اور محفوظ ہو گیا۔ تھانہ سے آگے کی وادی۔ اب بھی اپنے قدیمی قبائلی انتشار کا شکار رہی۔

ڈیوینڈ لائن معاہدہ سے سوات تک انگریز حکومت کا اثر و رسوخ پہنچ گیا تھا لیکن وہ براہِ راست یہاں کے معاملات میں مداخلت سے بچ رہی گریزاں تھی۔ مقامی سرداروں کے ساتھ ان کے جوتازعات ہوتے تھے وہ آزادانہ طور پر انہیں نمٹا لیتے تھے۔ 1895ء کی چترال ریلیف مہم کے بہت اہم اور دررس نتائج نکلے اور مقامی سیاست میں یہ ایک انقلابی موڑ ثابت ہوا۔ باجوڑ اور زبیر میں اہم سیاسی عہدوں پر قابض لوگ بدل گئے اور انگریزوں کا

حامی خان آف دیر اور اسی کی طرح کے دیگر خواتین اپنی اپنی مصیبتوں پر بحال کر دینے میں۔ آئمرین حکومت نے خود کو صرف مقامی سیاست میں مداخلت کرنے کا اہل ثابت نہیں کیا بلکہ مقامی سیاست اور اقتدار کی جنگ میں حصہ دار بن گئی۔

## تزویراتی اہمیت

عالمی سطح پر یہاں کی تزویراتی اہمیت کے پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جغرافیائی سیاسی صورت حال میں سوات کا مکمل وقوع اور حیثیت 1895ء میں بھی واضح ہو کر آئی۔ اگرچہ اسلئے ہم سے یہ بات بالکل صاف ہو گئی تھی کہ پہاڑوں کے یوسف زئی پردہ پوشی کے خطرہ کے جواب میں کتنی شدید مزاحمت کر سکتے ہیں لیکن چترال ریلیف پنچائنا اشد ضروری تھا۔ اس لئے کہ روس قریب ہی سے اس بات کا پتہ چل رہا تھا۔ لگت کا راستہ بہت لمبا اور پُرخطر تھا۔ اس لئے پہاڑی یوسف زئی کو ناراض کرنے کا خطرہ مول لینے کے سوا چارہ نہیں تھا۔ اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ دو اطراف سے چترال جایا جائے۔ بڑی فوج تو ملاکنڈ کے راستہ سے جائے جب کہ دوسری چھوٹی فوج اور تک کے لئے گلگت کا راستہ اختیار کیا جائے۔

1878ء کے بعد سے انگریزوں نے مشرقی ہندو کش سلسلہ میں اہم دروں کے قبضہ کے لئے مسلسل رواں لاٹھی عمل اختیار کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے علاقہ میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے کشمیر کے مہاراجہ کے ذریعہ گلگت ایجنسی کی تشکیل کی۔ 1892ء میں چترال میں موجود سیاسی انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے چال اور ہنزہ میں قلعے بنائے۔ چترال کے بیرونی معاملات ہاتھ میں لینے کے بعد وہاں بھی ایک مستقل قلعہ بنایا۔ حتیٰ طور پر انگریز افواج نے ملاکنڈ اور چکدرہ میں پڑاؤ ڈالا اور 1895ء میں ملاکنڈ سے چترال تک سڑک کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ اس سڑک کو سوات اور دیر میں سے ہو کر گذرنا تھا۔ اس سال دیر اور سوات ایجنسی قائم ہوئی۔ مارچ 1897ء میں اس میں چترال کو بھی شامل کر لیا گیا۔ اسے عام طور پر ملاکنڈ ایجنسی کہا جاتا ہے۔

1893ء میں روس کی طرف سے برطانوی ہند کے خلاف کارروائی کے لئے روس کے پاس ممکنہ چار اہم راستوں کا ذکر کرتے ہوئے پوپسکی نے کہا کہ مرکزی ایشیائی۔ چترال والا راستہ اگرچہ مشکل پہاڑی سڑک ہے لیکن یہ مقابلہ نام تکلیف دہ ہوگا۔ اس سلسلہ میں اس نے لکھا کہ

”یہاں سے یہ راستہ یا تو ادائی گنڈ میں سے دریا کے قریب سے گزرتا جلال آباد جاتا ہے۔ یا راستہ دیر اور کوئل سے ہوتا ہوا ادائی سوات اور پھر آگے ایٹکوانڈین کے پشاور ستر، یا آخر میں وہ راستہ جو ادائی سوات کے کئی دروں میں سے ایک کے ذریعہ ادائی بوئیر میں اور وہاں سے ایسا تک یعنی ایک سے 60 میل اوپر کی طرف پہنچا سکتا ہے۔“

اس راستے سے کسی روپی لشکر کی پیش قدمی سے یقیناً آتی ہی بائبل پیدا ہوگی جتنی کہ پائیرس سطح مرتفع سے گزر کر تھیر تھینچے والے لشکر کی وجہ سے پیدا ہوگی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بے یقینی کی اس کیفیت سے کہ یہ لشکر جہاں آباد، پشاور یا پاکستان کنارے میں سے کسی جگہ نمودار ہوگا کسی حد تک دفاعی نظام کو متاثر کرے گا۔ گزشتہ جنگوں کی تاریخ افغانستان کی ترویجی اہمیت اجاگر کرتی ہے۔ سکندر اعظم نے ہندوستان کے خلاف اپنی اہم کا آغاز باختر سے کیا تھا۔ اُس کی فوج کا مرکزی حصہ دریائے گاہل کی وادی کے ساتھ چلا جب کہ وہ خود اس فوج کے بائیں بازو کی قیادت کرتا ہوا شمال میں اسے وادی سوات و ہونیر میں لے گیا اور مشکل پہاڑی دروہ میں سے ہو کر بائیں پہنچ گیا۔“

انیسویں صدی کے اختتام پر اس علاقہ کی ترویجی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حالانکہ لاڈ کرزن نے تمام سرحدوں سے اپنی افواج پیچھے کر دیں لیکن چترال میں موجود قلعہ کی فوج کو بڑھتا رہا اور اپنی فرخندہ پالیسی کے ایک اہم حصہ کے طور پر وادی سوات میں سے گزرتی چترال سڑک کی تعمیر شروع کی جب کہ دوسری جگہوں پر اس پالیسی کے تحت اس نے افواج واپس بلائیں۔

## 1895ء کے بعد

شریف خان<sup>3</sup> جس نے عمر خان اور انگریزوں کی لڑائی میں انگریزوں کا ساتھ دیا تھا اور 1890ء سے سوات میں جلا وطنی کی زندگی گزار رہا تھا، کو 1895ء میں خان آف دیر کی حیثیت پر بحال کر دیا گیا۔ اس طرح اُسے اپنے کھوئے ہوئے علاقوں کے ساتھ ساتھ عمر خانان کے مفتوحہ علاقوں کا قبضہ بھی مل گیا جو کہ افغانستان فرار ہو گیا تھا۔ اب اُس کی جنوبی سرحد دریائے سوات سے ملتی تھی۔ اس لئے اُس نے اہازئی، خدکزی، اویں زئی، شموزی، نیک پل، خیل، سیبوتنی اور شامیزئی شاخوں کو اپنی رعایا قرار دیا جو کہ دریائے کا دائیں کنارے پر آباد تھے اور جن کا تعلق خواہ زئی شاخ سے تھا جو کہ یوسف زئی کی ذیلی شاخ اکوزئی سے جا ملتی تھی۔ شریف خان کا بھی نسبی تعلق اس شاخ سے تھا۔ 1896ء میں سوات بالا میں جنگ چمگرتنی اور دریائے کا دائیں کنارے آباد قبائل میں اُس کی مداخلت سے عام بے چینی پھیل گئی۔

چوں کہ عمر خان اب طویل عرصہ سے سوات پر اقتدار حاصل کرنے کی کوشش سے باہر ہو گیا تھا، اس لئے دریائے سوات کے بائیں جانب کے کچھ حصے ایک خاص حد تک انگریزوں کے زیرِ حفاظت علاقے میں شامل کر لئے گئے۔ ہم شریف خان سوات بالا میں مکمل بلا شرکت غیر سے قوت حاصل نہ کر سکا بلکہ یہاں اُس کے مد مقابل اور بھی کئی ٹوٹے تھے۔ اگرچہ ہمایہ دیر میں مضبوط خانی نظام موجود تھا لیکن سوات میں کسی ایک شخص کو اس قسم کا اقتدار حاصل ہوا صرف خواب و خیال تھا۔ سوات میں سیاست ڈل (دھڑا) نظام کی بنیاد پر قائم تھی۔ ہر ایک ڈل (دھڑا) اپنے خان

کی سربراہی میں دوسرے کی مخالفت پر کمر بستہ رہتا تھا۔

1897ء میں، سید و بابا کے پوتے سوات میں حصول اقتدار کی رسد کشتی میں شامل ہو گئے۔ خان آف دیر اور ان میاں گلوں کی رقابت سے نگرانی کی فضاء قائم ہو گئی۔ انگریزوں کی طرف سے خان آف دیر کو اجازت تھی کہ وہ دریائے دائیں جانب آباد قبائل کے شدت پسند گروپوں کی سازشوں کا حلقہ کے ساتھ خاتمہ کرے جن پر اقتدار کا وہ دعوے دار تھا۔ سوات بالا کے قبائل کا ایک مشترکہ جرگہ (جس میں دائیں کنارے کی چاروں خواہز دوزئی شاخیں اور بائیں کنارے کے موسیٰ خیل، بابوزئی، اور دکنی خیل سب شامل تھے) جبکہ درہ میں پولیٹیکل ایجنٹ میجر ڈین سے ملا اور اس سے درخواست کی کہ وہ ان کے اور خان آف دیر کے معاملات میں مداخلت کر کے انہیں حل کرے۔ جرگہ نے برطانوی حکومت کو اپنی وفاداری اور امداد کا یقین دلایا۔ حکومت کی طرف سے میجر ڈین نے اپنے لائحہ عمل کی وضاحت کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ

”حکومت ان کے اندرونی نظام میں مداخلت کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی لیکن وہ پولیٹیکل ایجنٹ کے سامنے لانے کے ساتھ تاہم حکومت ان کے سامنے ان کی مدد کرے گی۔ مزید یہ کہ برطانوی حکومت ان پر کسی قسم کا حصول نہیں لگانا چاہتی۔ وہ صرف یہ چاہتی ہے کہ ذریعہ سوات (رائی زئی) کی طرح سوات بالا میں بھی امن و امان کی فضاء قائم رہے۔“

130 اکتوبر کو برطانوی حکومت اور سوات بالا کے چھ منگلوں کے درمیان ایک اہم ملاقات ہوئی۔ ان لوگوں کو میاں گل حضرات اپنے ساتھ لائے تھے۔

”جرگے کے مستقبل میں اپنے علاقہ کے انتظام کا سوال اٹھایا۔ ان کی ایک بڑی تعداد نے براہ راست ہند برطانوی حکومت کنٹرول کی تائید کی۔ انہوں نے کہا کہ بغیر اس کے نہ تو انہیں انصاف مل سکتا ہے اور نہ ان کے باہمی تنازعات کا سلسلہ ترک سکتا ہے۔“

میجر ڈین نے اس ملاقات کو اہم قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ سوات بالا کی مذہبی اور قبائلی دونوں قسم کی قیادت کی طرف سے اطاعت کا اظہار تھی اور مزید یہ کہ یہ برطانوی حکومت کے خلاف دشمنی کے جذبات ختم کرنے کے لئے ایک اور نادر موقع کی صورت تھی۔

چوں کہ برطانوی حکومت اس علاقہ کا کنٹرول براہ راست اپنے ہاتھ میں لینے سے دل چسپی نہیں رکھتی تھی، اس لئے اس نے شریف خان کو یہاں مداخلت سے باز رہنے کے لئے نہیں کہا۔ نومبر 1898ء میں دائیں کنارے کے قبائل نے شریف خان کی دخل اندازیوں سے براہ فرودخت ہو کر سر تو رفقیر سے مدد کی درخواست کی۔ وہ ان کی مدد کے لئے ریا عبور کر کے ان کے پاس آیا لیکن وہ انگریزوں کے خلاف ہو جانے سے اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ انگریز حکومت جس نے شریف خان کی حیثیت میں اضافہ کر کے اسے نواب بنا دیا تھا، دریا کے دائیں جانب کے قبائل پر اس کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتی تھی حالانکہ ان قبائل پر اس کی حکمرانی برائے نام ہی تھی۔

نواب سوات پر مکمل قبضہ کے لئے اتنا پر عزم تھا کہ وہ اگست 1897ء کو میٹورہ میں سوات والا کے لوگوں سے برطانوی حکومت کے براہ راست معاملات طے کرنے سے شدید ناراض ہو گیا۔ اُس نے اس موقع پر اپنے کچھ حواری میٹورہ بھیجے تاکہ وہ لوگوں کو اس بات پر قائل کریں کہ انگریز حکومت سے براہ راست معاملات طے کرنے کے بجائے نواب کے ذریعہ اُن سے بات کی جائے لیکن سوات کے لوگ جو آپس کی لڑائیوں اور نواب کی غارتگری سے تنگ آئے ہوئے تھے، اپنی ایک منظم حکومت قائم کرنے کے لئے بے تاب تھے۔ نومبر 1897ء میں سوات والا نے جرئت سے طے کے بعد میجر ڈین نے لکھا۔

”سوات والا میں حکومت کی کمی کا احساس اتنا شدید ہے کہ میری مصلحت کے مطابق جرئت سے حال ہی میں اپنے ہتھیار کر دو ننگوں کو اپنی مہر میں لگا کر ایک خالی کانڈے ساتھ میاں رحیم شاہ کے بھائی امیر شاہ کے پاس بھیجا کہ وہ ان کا بادشاہ بن کے سوات آجائے اور یہ کہ اس کاغذ پر جس پر اُن کی مہر ثبت ہیں، وہ جو بھی شرائط چاہے لکھ دے۔ جہاں تک مجھے علم ہے انہوں نے اُس سے یہ درخواست چڑھی ہار کی ہے۔“

1901ء میں دریا کے بائیں جانب سوات والا کے سیاسی حالات کا سالانہ انتظامی رپورٹ میں خلاصہ یوں

بیان کیا گیا ہے۔

”سب معمول گروسی تازہ عادت جاری ہیں۔ علاقہ اندرونی طور پر انتہائی مایوس کن خلفشار کا شکار ہے۔ میاں گوں کی غیر مذہبی حکومت قائم کرنے کی کوشش کامیاب نہیں ہے۔ اُس پائل ٹیئر نے اپنی اہمیت کھوئی ہے اور باہوڑی کے منگنوں نے اپنی اجتماعی قوت کو آپس میں لڑا کر پارہ پارہ کر دیا ہے۔“

دریا کے دائیں جانب نواب کے مخصولات حکام کی سختی سے لوگوں میں شدید غصہ پیدا ہوا جسے دور کرنے کے لئے اُن سے کچھ بہتر قسم کے لوگ لائے گئے لیکن نواب کے زیر قبضہ سارے علاقہ میں عام طور پر لوگوں میں بے اطمینانی پائی جاتی تھی۔ اس کی ایک وجہ تو محاصل جمع کرنے کا طریقہ تھا اور دوسری وجہ اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے کاموں سے نواب کی لاتعلقی تھی۔ 1904ء میں ایک بار پھر نواب کی ظالمانہ وجہاں کا ردوائی سے وہی قبائل دوبارہ انتہائی برا فروخت ہوئے لیکن اس سے پہلے کہ وہ پھر سر تو رفتیہ سے مدد مانگیں ملاکنڈ کے پولیٹیکل ایجنٹ میجر ڈین نے فریقین میں معاملات ٹھنڈے کئے۔ اُس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اضطراب کی یہ کیفیت انگریز سرکار کے لئے کوئی مسئلہ نہ بنائے۔

شریف خان کا 6 دسمبر 1904ء میں انتقال ہو گیا۔ اورنگ زیب خان اُس کا جانشین ہوا جسے زیادہ تر بادشاہ خان کے نام سے جانا جاتا ہے۔ بادشاہ خان کے اپنے بھائی میاں گل جان کے ساتھ تعلقات باپ کی زندگی میں بھی اچھے نہ تھے۔ اُن کا تازہ نہ آنے والے برسوں میں بھی جاری رہا جس کی وجہ سے باجوڑ، دیر اور سوات میں بے گنہ گزرتے اتحادوں اور سازشوں کا دور دورہ رہا۔ بادشاہ خان ایک گرم مزاج آدمی تھا اور اس لئے اُس نے نہ صرف بڑی آسانی



سے سوات کے اپنے زیرِ عمل داری قبائل کو تاراج کیا بلکہ اپنے آکھڑپن اور اپنی مزاج سے اپنے عوام کو بھی خود سے برگشتہ کر دیا۔ 1907ء میں سوات کے ذلوں (دھڑوں) میں اقتدار کی تبدیلی کے ساتھ مشرکی اور انجیلی بند کر دی گئی اور نواب دیر کی اطاعت کا جوا ہمارے پیچھے نکال گیا۔ دریا کے دائیں کنارے پر نواب کا اقتدار ابھی وقت ختم ہو گیا۔

نواب دیر اور دائیں کنارے کے قبائل کے درمیان تعلقات کشیدہ رہے۔ اگست 1909ء میں شمولی اور نیک پٹی خیل کے جرگہ کی بحفاظت گھر تک پہنچانے کے بہانے اُس علاقے پر حملہ کیا گیا جس سے بہت نقصان ہوا۔ ایک برطانوی سرکاری رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ نواب نے پولیسنگل ایجنٹ کے کہنے پر اپنی فوج واپس بلا لی۔ یہ جھجکا چالشی کے لئے انتہائی موزوں ہے اور فریقین کے لئے قابل قبول عارضی امن معاہدہ کی پوری کوشش کی جائے گی۔ سوات کے علاقے قاتمہ سے نکلنے کے بعد نواب مسلسل انگریز حکومت سے تقاضا کرتا رہا کہ وہ اُس علاقے پر اُس کے دعویٰ کے مسئلہ کو حل کرے۔ جب انھوں نے مداخلت نہ کرنے کا عندیہ دیا تو اُس نے بے خوف ہو کر اس پر حملہ کر دیا اور 1910ء میں دوبارہ اس علاقے پر قبضہ کر لیا اور اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے لئے اُس پر قلعہ تعمیر کرنے شروع کر دیئے۔ لوگوں نے اُس کے اس اقدام کے لئے انگریز حکومت کو ذمہ دار ٹھہرایا اس لئے کہ وہ اُن کا زیرِ سرپرستی تھا۔ اس نقطہ نظر کی تصدیق آئندہ برس آنے والی اس رپورٹ سے ہوگئی جس میں نواب کی مضبوط حیثیت کو انگریز حکومت کے لئے مفید قرار دیا گیا۔ یہ رپورٹ کہتی ہے۔

”ملاکنڈ میں دیر کے نواب نے اپنی پوزیشن مستحکم کر لی ہے۔ باجوڑ کے سرداروں نے اُس کے خلاف کئی اتحاد بنائے لیکن اُس کا توڑ کوئی نہیں کر سکا۔ اُس نے اپنے اقتدار کو سوات کو بہتان میں توسیع دے دی ہے حالانکہ دریا کے دائیں کنارے کے قبائل نے اپنی جانب اُس کی پیش قدمی روک دی ہے۔ اُس سے معاملہ کرنا خاصا مشکل ہے۔ لیکن وہ حکومت سے وفاداری اور اُس سے کئے گئے معاہدوں کی پاسداری میں مستعد ہے۔ اور یہ حقیقت کہ اُس نے اپنی پوزیشن مضبوط کر لی ہے ہمارے مفاد میں ہے۔“

جنوری 1911ء میں نواب نے شمولی کا علاقہ قبضہ میں کر لیا۔ اس طرح وہ چک درہ سے کوہستان تک دریا کے دائیں کنارے کے پورے علاقے کا مالک بن گیا۔ اس کی بڑی وجہ یہاں کے قبائل کے باہمی جھگڑے تھے۔ وہ میاں گلوں کے باہمی تنازع سے بھی فائدہ اٹھاتا چاہتا تھا۔ اُس نے دریا کے بائیں جانب سوات والا عری خیل کی حدود میں ایک قلعہ کی تعمیر شروع کی لیکن وہاں کے قبائل کی مزاحمت کی وجہ سے اُس پر کام روک دیا گیا۔ اباخیل اور موسیٰ خیل نے برطانوی حکومت سے کہا کہ وہ انہیں بھی خان خیلوں کی طرح اپنے زیرِ حفاظت لے آئیں۔ نواب کی حکومت غیر مقبول تھی۔ اس کی بڑی وجہ اُس کے حکام کا ناشائستہ رویہ تھا۔ اس لئے اس بات کا خدشہ تھا کہ اُس کا ظلم و جبر کہیں انگریز حکومت کو مداخلت کرنے کا موقع نہ فراہم کر دے۔

## ریاست کی تشکیل

بادشاہ خان جندول کے عراخان کی تقلید پر عمل پیرا نظر آتا تھا لیکن علاقہ کا اس کا انتظام ایسا تھا کہ دوسرا دروار عوام جن کی مدد اس کام کے لئے اُسے درکار تھی، وہ اُس سے برگشتہ ہوتے چلے گئے۔ سوات بالا کے قبائل مسلسل جنگ و جدل اور نواب کی غارتگری سے پیدا شدہ تناؤ سے تنگ آچکے تھے۔ نواب کے نمائندوں کا رویہ انتہائی ناقابل برداشت تھا۔ حتیٰ کہ وہ اُس کے حامیوں کو بھی نہیں بخشتے تھے۔ حکومت کی عدم موجودگی نے انصاف کا حصول اور تنازعات اور معاملات کا حل ناممکن تھا۔ موقع بہ موقع وہ انگریز سرکار کے پولیٹیکل ایجنٹ سے رومی وغیرہ کی انداز سے استدعا کرتے رہے تھے کہ شاید یہ حکومت ان کو تحفظ فراہم کر سکے لیکن اسے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

نواب نے دائیں جانب کے قبائل سے کہا کہ وہ جندول کے خلاف اُس کے اقدام میں مدد کے لئے لشکر بھیجیں۔ اُس نے نیک پلی خیل علاقہ کے باشندوں پر میدان لشکر بھیجنے میں تاخیر پر فی ملکیت تین روپیہ جرمانہ عائد کر دیا۔ نواب کے قبضہ اور اُس کے ظلم و جبر نے ہندوستانی مجاہدین کو بھی اقدام پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے سوات بالا میں دریائے بائیں جانب جنگی خیل کے علاقہ میں نواب کے خلاف ایک قلعہ بنانے کے لئے سرتو رفقیر تک رسائی کی۔ اس سلسلہ میں وہ بلوئیر اور غور بند کے جرگوں سے ملے۔ سرتو رفقیر نے اُن سے وعدہ کیا کہ نواب کو زبردستی کرنے کے بعد وہ انگریز حکومت سے نبرد آزمانی کے مسئلہ پر غور کریں گے۔ تاہم نواب نے سرتو رفقیر کو اس پیغام کے ساتھ 800 روپے بھیجے کہ یہ اسلحہ خریدنے کے لئے ہیں۔ سرتو رفقیر نے پہلے تو تم لینے سے انکار کیا لیکن پھر اس یقین دہانی پر کہ نواب اب انگریزوں کا دشمن بن گیا ہے تم لے لی۔ نواب نے فقیر کو سالانہ 400 من غلہ فراہم کرنے کا وعدہ بھی کیا۔ حالانکہ سرتو رفقیر اس کے بعد مقابلاً تعلق رہا لیکن ان علاقوں کی سیاست میں اُسے بطور ایک عنصر کے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

سواتیوں نے ایک بار پھر عشا راڈا کرنے سے انکار کر دیا اس لئے نواب نے اس کے حصول کے لئے سید بادشاہ خان کو بھیجا۔ میاں گل عبدالودود نے بھی لوگوں سے کہا کہ وہ ادا ہو گئی کر دیں۔ نواب دائیں جانب کے قبائل سے بزور عشا لینے میں کامیاب تو ہو گیا لیکن خاصی تاخیر کے بعد۔ یہ قبائل جو آپس کے جھگڑوں، نواب کے ایجنٹوں کی زیادتیوں اور میاں گلوں اور اُن کے باہمی تنازعات سے حقیقتاً آکتاہٹ کا شکار تھے اور جو 1913ء کے اختتام تک اپنا ایک حکمران مقرر کرنے کی پہلی ہی ایک کوشش کر چکے تھے۔ 1913ء میں انہوں نے عبدالمجید شاہ کے پچھاڑی بھائیوں کو جو کہ بلوئیر میں تھے بادشاہ بننے کی رومی دعوت دی۔ عبدالمجید شاہ کے الفاظ میں:

”چھ ریاست میں سے زیادہ قتل و غارت کے لوگ ریاست دیر اور پامستان کے بعض حصوں کے لوگوں کی ناقابل برداشت سرگرمیوں اور زیادتیوں اور آپس کے جھگڑوں کے خاتمہ کے لئے باہمی سوچ بچار کے بعد اس فیصلہ تک پہنچے کہ پھر سے مرحوم و

منغور دارو اسید اکبر بادشاہ کے خاندان کے کسی فرد کو اپنا بادشاہ منتخب کریں۔ اس مقصد کے لئے سوات کے کچھ خاص سرکردہ افراد پر مشتمل جرگہ بونیر اور گلخانہ میں سے چننا اور بھائیوں سے گفت و شنید کے لئے ملا۔

باہمی مشوروں کے بعد ان لوگوں نے عبدالجبار شاہ کے نام پر اتفاق کیا لیکن اُس نے غور کے بعد یہ سوچ کر کہ اس میں ممکنہ مشکلات تو اُسے سے کہیں زیادہ ہیں، جرگہ کو واپس کر دیا۔ سواتیوں نے دیر اور باجوڑ میں بھی ایک خفیہ معاہدہ کیا۔ نواب کے بھائی میاں گل جان کا اپنے بھائی کے ساتھ جھگڑا تھا جس کی وجہ سے باجوڑ میں اتحادوں کی اور مختلف اقدامات کی دوڑ لگی ہوئی تھی۔ نواب کی سازش سے میاں گل جان کو قتل کر دیا گیا جس کے بعد نواب اپنی فوج کی قیادت کرتا ہوا میاں گل جان کے حاسیوں سے شمنے کے لئے باجوڑ پہنچا۔ دیر اور باجوڑ میں نواب کے ظلم و زیادتی کے شکار افراد نے پہلے سوات کے لوگوں کے ساتھ مل کر اُس کے خلاف مجاز بنانے کی کوشش کی اور پھر بعد میں یہ عبدالجبار شاہ کا بھی اس مقصد کے تحت ساتھ دیا۔

کچھ ماہ گزرنے کے بعد جرگہ نے پھر عبدالجبار شاہ کو دعوت دی۔ اُس نے دوبارہ انکار کیا۔ اس کے رشتہ داروں نے اُسے ترغیب دی کہ وہ اس پیش کش کو نہ ٹھکرائے۔ اُس کی طرف سے اب بھی انکار کی صورت میں نا دو مئی حملہ کے حضرت جمال نے اس پیش کش کو قبول کرنے کا عہد کیا جو کہ اُس کا رشتہ دار تھا۔ اس پر اس بار اُس نے یہ دعوت قبول کر لی۔ جرگہ اُس کے ساتھ دو مئی تک انتظار کرتا رہا۔ اس دوران دیر، سوات اور باجوڑ کے بہت سے لوگوں نے اُسے خط لکھے۔ 25 جون 1914ء کو عبدالجبار شاہ چیف کسٹمر سے ملا، اس معاملہ میں اُس سے مشاورت کی اور اُسے اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ اُس نے ہزارہ کے ڈپٹی کسٹمر کو اپنے ایک خط میں یہ لکھا کہ جیسے ہی میری موجودہ حالت اور صورت حال میں تبدیلی آئے گی تو اس سے اب تک کی میری وفاداری میں اضافہ ہو جائے گا۔ آئندہ میری حیثیت جو بھی بنے گی میری وفاداری اور میرا عمل مجھے مستحکم ثابت کریں گے۔ میں دعا گو ہوں کہ خدا میری وفاداری کا شاہد ہو۔

عبدالجبار شاہ نے سواتی علاقوں سے دیر کے نواب کو نکال باہر کرنے اور اپنی بطور بادشاہ تقرری کے انتظامات کرنے شروع کئے۔ سر توفیقیر، ہندوستانی مجاہدین اور بونیر کے لوگوں نے اُس سے وفاداری کا عہد کیا۔ دیر کے نواب کی ماں نواب کی جگہ اُس کے بھائی محمد یحییٰ خان کو حکمران بنانے پر آمادہ ہو گئی۔ نواب کے خلاف اقدامات اور دیر اور سوات میں مستقبل کے انتظامات حتیٰ کہ دیر اور سوات کے درمیان سرحد کی حد بندی پر اتفاق الغرض سب کچھ تیار تھا۔ عبدالجبار شاہ کی سوات میں داخل ہونے کے لئے 8 ستمبر 1914ء کی تاریخ مقرر کی گئی۔ بونیر کی افواج کو اُس کے ساتھ آنا تھا۔ اسی دوران سوات اور باجوڑ کے لوگوں نے اس عمل میں اپنا مقررہ کردار ادا کرنا تھا۔

اس منصوبہ پر عمل درآمد شروع ہونے سے پہلے مردان کے اسٹنٹ کسٹمر مسز ہروس کو اس کی سن من ہو گئی۔ اُس نے فی الفور عبدالجبار شاہ اور اُس کے رشتہ داروں کو بلا کر اُن سے معلومات حاصل کیں اور ان سے اس منصوبہ کو

ترک کرنے اور پولیٹیکل ایجنٹ ملائندہ سے ملاقات کرنے کے لئے کہا۔ پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی تھی اور ہر طرف انوہوں کا بازار گرم تھا۔ گوکہ اکثر انوہیں انتہائی احتیاط تھے لیکن سرحد کے اُس طرف جنگ کے بارے میں کسی کو کیا معلوم تھا کہ جنگ کیا ہے اور اُس کا اصل مطلب کیا ہے۔ مزید برآں اگر یہ فکرت بظاہر کسی خاندانی جھڑپ سے سبک دہی کے لئے بھی جا رہے ہیں تو بھی بس بروس کا خیال تھا کہ ان کی تو اتنیوں کو بآسانی کسی اور مقصد کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اس لئے لوگوں کی اتنی بڑی تعداد کا متحرک ہونا مناسب ہے۔ بروس کا مزید یہ بھی خیال تھا کہ عبدالجبار شاہ اور اُس کے رشتہ داروں کو آل کار کے طور پر بھی کسی سازش میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

عبدالجبار شاہ نے فی الوقت اس منصوبہ کو ترک کر دیا۔ بروس کے مشورہ پر اُس نے پولیٹیکل ایجنٹ سے ملاقات کی جس نے اُسے حبیہ کی کہہ کر اُس نے ایک حکمران کی حیثیت سے سوات میں داخل ہونے کا خیال ترک نہ کیا تو اگر یہ حکومت نواب دیر کی مدد کرے گی۔ نتیجتاً عبدالجبار شاہ نے واپس جا کر اپنے اہل خاندان اور لوگوں سے کہا کہ اس وقت اگر یہ حکومت کی مرضی کے خلاف کوئی اقدام کرنا مناسب نہیں رہے گا۔ اس طرح سواتیوں کی اپنی ریاست و حکومت بنانے کی خواہش برطانوی حکومت کے مقاصد و مفادات کی سمیٹ چڑھ گئی۔

لوگ درآن حالیکہ اب بھی گروہوں میں بے ہوئے تھے، نواب کے قبضہ کے خلاف انہوں نے ایک متحدہ محاذ بنالیا۔ نواب کی خود مراد نہ ظالم حکومت کے خلاف لوگوں میں پائی جانے والی نفرت و کراہیت کا اندازہ پشتو عوامی شاعری کی اس ایک مثال سے بھی لگ سکتا ہے۔

ہم دی زمونگ دانے ہم بے وڑی پہ مونگ پہ پور تہ

او گسورہ د دیر د نواب زور تہ

’دیر کے نواب کی اندھی طاقت دیکھو کہ ہم اپنا ہی غلہ اپنے کانٹوں پر اُس کے لئے ڈھوک لے جا رہے ہیں۔‘ نواب دیر کے خلاف اتحاد کا مرکز ہی کردار سنڈاکنی بابا تھا۔ حالانکہ اپنے حریف بھائی کی موت کی وجہ سے نواب کی پوزیشن خاصی مضبوط ہو گئی تھی لیکن 1915ء کی ابتداء میں سوات ہالا کے شامیری اور سیوہجنی علاقوں میں اُس کے خلاف ایک بغاوت شروع ہو گئی۔ نیک پٹی خیل چوں کہ اس اتحاد کا ایک حصہ تھا اس لئے وہ بھی اس بغاوت میں شامل ہو گیا۔ باغیوں نے نواب کی انواع کو بڑا جانی نقصان پہنچایا اور اپنے علاقوں میں موجود قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ اب نواب نے کھلے سید بادشاہ کو سواتیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا لیکن وہ اپنی سفارت کاری اور طاقت دونوں طریقے استعمال کرنے میں ناکام رہا۔ نواب نے مزید ملک بھینچی۔ سواتیوں نے گوبستانوں، بوئیر یوں، ہندوستانی مجاہدین اور عبدالجبار شاہ سے مدد مانگی۔ پولیٹیکل ایجنٹ نے بائیں جانب کے سواتیوں کو ترفیب دی کہ وہ نواب کے خلاف لڑائی میں دائیں جانب کے سواتیوں کی مدد نہ کریں لیکن اس جنگ میں دائیں کنارے پر بادشاہ شامیری، سیوہجنی

در نیک بی خیال قبائل کو فتح نصیب ہوئی۔

اس جنگ میں سواتیوں کا ساتھ دینے کے پہلے جیسے میاں گل پٹیشکل ایجنٹ سے ملاقات کے لئے پہلے گئے۔ عبدالودود کے بعد میں نواب کے جزل سے ملاقات کی۔ اس کا دوسرا بھائی تیارنی کی وجہ سے اس ملاقات کے لئے نہیں جاسکا۔ ان علاقوں کے سواتیوں نے اس کے باوجود میاں گل کو معشر دینے، اور نواب کی جگہ انہیں اپنا حکمران بنانے کی پیشکش کی۔ جس کے جواب میں گل شہزادہ (میاں گل عبدالودود) نے کہا کہ اُس کے چوں کہ اُس کا بھائی اُس کے ساتھ متحد ہونے کے لئے تیار نہیں ہے... یہ خیال اس وقت ناقابل عمل ہے۔

بالآخر نواب کی فوج کو مکمل شکست ہو گئی اور اسے سوات بالا سے اویزی کی طرف دھکیل دیا گیا۔ دونوں طرف بڑا جانی نقصان ہوا، تعداد اور مارے گئے لوگوں کی اہمیت، ہر دو لحاظ سے فاتحین نے پھر ایک آزار دہیاست کے قیام کی تک دودگی اور سنڈاکنی بابا کو اختلافات کی صورت میں حکم تسلیم کیا گیا۔ اسی میں پانچ بڑوں کی ایک کونسل بنائی گئی جس میں شامیرئی علاقہ سے اسم خان، سیبوجنی سے تاج محمد خان، اور نیک بی خیال سے زین خان، امیر سلطان اور جعفر خان لئے گئے۔ یہ حکومت تھی۔ لیکن اصل اختیارات سنڈاکنی بابا کے ہاتھ میں تھے۔

نتو اس پانچ رکنی کونسل کی تا حذر مگر کی صحیح تاریخ معلوم ہے جسے آزاد کئے گئے علاقوں کی حکومت چلائی تھی اور نہ ہی اس ریاست سوات کے قیام کی اصل تاریخ کا پتہ ہے۔ 3 اپریل 1915ء کو ختم ہونے والے ہفتہ کی صوبہ سرحد کی خفیہ سیاسی ڈائری سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ نواب دیر کی فوج کو مکمل شکست دے کر ادرین زئی علاقہ کی طرف دھکیل دیا گیا۔ اس کے بعد کے ہفتہ کی ڈائری نے جو 10 اپریل 1915ء کو ختم ہوا، بتایا ہے کہ ایک پانچ رکنی کونسل کا قیام عمل میں لایا گیا ہے لیکن اصل طاقت سنڈاکنی بابا کے ہاتھ میں دے دی گئی ہے۔

تاہم دیر کے دائیں جانب کے علاقہ پر نواب دیر کے اقتدار کا مکمل خاتمہ مارچ 1915ء کے اختتام تک ہی ہو گیا تھا جب کہ ادرین کی ابتدا میں پانچ رکنی کونسل کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس طرح ریاست سوات کی بنیاد سوات بالا میں دائیں جانب کے قبائل یعنی نیچکی خیال، شامیرئی، اور سیبوجنی نے رکھ دی۔ 4

کونسل نے عبدالودود کو اس ریاست کی سربراہی کے لئے قائل کرنے کی کوشش کی۔

”انہوں... نے اُس سے کہا کہ انہیں اس بات کا دکھ ہے کہ انہوں نے ابھی تک ان کی مدد نہیں کی۔ لیکن وہ ماضی میں ان کی بے دلی کو نظر انداز کرنے کے لئے تیار ہیں اگر وہ قیادت قبول کر کے اپنا مستقل محل ان کے ساتھ واؤ پر کمانے کے لئے تیار ہوں۔ انہوں نے اس سے کہا کہ اگر وہ تیار نہیں ہوتے تو وہ کسی کو باہر سے اپنی مدد کے لئے لائیں گے اور یہ شاید سوات کے سپہ امرا بہادر شاہ ہوں۔“

میاں گل عبدالودود نے جواب میں کہا کہ اُن کا تجویز کردہ اقدام چوں کہ بہت اہم ہے اس لیے اسے ایک

معمولی چیز نہیں سمجھنا چاہئے۔ انہوں... نے مزید کہا کہ وہ اُس وقت تک کوئی واضح جواب نہیں دے سکتے جب تک پولیٹیکل ایجنٹ سے مل کر اس سلسلہ میں اُس کی رائے نہ لے لیں۔  
 کونسل نے نواب سے چھینے ہوئے قلموں کو مضبوط کرنے کی کوشش شروع کی اور نواب کے خلاف بازوہ کے خان سے اتحاد کرنے کے لئے بات چیت کی۔ لوگوں نے اس بحران میں سنڈاکی بابا کی مدد اور خدمات کے اعتراف میں انہیں بیس ہزار لکڑی کے بڑے تھے دینے پر اتفاق کیا۔ اس کے علاوہ اُن سے درخواست کی گئی کہ وہ سوات میں رک جائیں اور اُن کے سربراہ بن جائیں۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ وہ اس اعزاز کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہوئے۔

### عبدالہیبار شاہ کی تقرری

میاں گل عبدالودود اور سنڈاکی بابا دونوں کی جانب سے انکار کے بعد لوگوں نے پھر عبدالہیبار شاہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اُس نے یہ دعوت قبول کی۔ اور اپریل 1915ء کے اختتام کے قریب وہ سوات آ گیا۔ 24 اپریل 1915ء کو اُسے سوات کا بادشاہ بنا دیا گیا۔

### نوٹس

1. عثمان علی اینڈ محمد اسلم خان، 'اُورجن اینڈ ڈیفنڈن آف سلیمانستان ان سوات و بلتی، پاکستان جنرل آف جمیر گرائی (پشاور)، جلد 1 (جون۔ دسمبر، 1991ء)، صفحات 103-104۔ عجیب بات یہ ہے کہ عثمان علی اور اسلم خان نے اپنی بات کے ثبوت کے لئے محمد عبدالغفور قاسمی کا حوالہ دیا ہے مالاں کہ قاسمی کی کتاب 'تاریخ ریاست سوات اور وہی ہسٹری آف سوات یعنی پشتو اور اُچریزی بیانات دونوں میں ان کے اس دعوے کی توثیق موجود نہیں ہے۔
2. معاہدہ کی دوسری شق دیکھیں۔ امیر عبدالرحمن اور ہنری مارمر ڈیورنڈ کے درمیان طے پانے والے معاہدہ جسے ڈیورنڈ معاہدہ کہا جاتا ہے، کی ابتدائی تین شقوں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔  
 (۱) برہائی نس کی مملکت کی مشرقی اور جنوبی سرحد وادخان سے ایرانی سرحد تک اس معاہدہ سے منسلک تھتہ میں واضح کر دی گئی ہے۔  
 (۲) انڈیا کی حکومت اس خطے کے اُس جانب علاقوں میں جو کہ افغانستان کی طرف واقع ہیں مداعت نہیں کرے گی۔ اور برہائی نس، امیر اس خطے کے اُس جانب انڈیا کی طرف واقع علاقوں میں کسی بھی وقت مداعت نہیں کریں گے۔

(۳) اسی طرح برطانوی حکومت اس بات سے اتفاق کرتی ہے کہ بڑبائی نس امیر اسرار اور اُس سے چٹاک تک کی وادی پر اپنا قبضہ برقرار رکھے جب کہ بڑبائی نس نے بھی یہ بات مان لی ہے کہ وہ کبھی بھی سوات، باجوڑ اور چترال میں مداخلت نہیں کریں گے۔ اراوادی اور چکال کی وادی بھی اس میں شامل ہے۔ برطانوی حکومت نے اس بات پر بھی اتفاق کر لیا ہے کہ برل کی پٹی کو بڑبائی نس کے لئے چھوڑ دیا جائے جیسا کہ بڑبائی نس کو دیئے گئے تفصیلی نقشہ میں دکھایا گیا ہے۔ جو اب انہوں نے وزیر پری اور داؤد علاقہ پر اپنے دعویٰ کو ختم کر دیا ہے۔ بڑبائی نس نے چافی پر اپنے دعویٰ کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ ایم حسن کاگز، ہانڈستان اسے شرفی ان انٹرنیشنل پبلیشنگ ڈپارٹمنٹس، 1880-1896ء (کابل، 1971ء)، صفحہ 286، لودویگ ڈیلیو ایڈمیک ہانڈستان، 1900-1923ء اور ڈیوڈ پیگ ہسٹری (برکلی، یونیورسٹی آف کیلی فورنیا پریس، 1967ء)، صفحہ 176۔

3. شریف خان اور اُس کا باپ دونوں ہی انگریز حکومت کے وفادار تھے لیکن 1890ء میں وہ اُسے مرغانان سے بچانے کے لئے مدد سے کر پڑا رہی۔ وجوہات گورنر جنرل ان کونسل والے بیان سے واضح ہیں۔ باجوڑ اس حقیقت کے کہ اُس نے نوآبادیاتی حکومت کو 1889ء کے اقتحام کے وقت تجویز دی تھی کہ اگر وہ اُسے یوسف زئی علاقہ کا امیر مقرر کرے (مراہد ہے دیر اور باجوڑ) اُسے تحفظ فراہم کریں اور اُس کی تائید کریں تو وہ سوات اور دیگر علاقوں میں خود ہی اپنا اقتدار قائم کر لے گا۔ دیکھیں سی ایل ٹوپر، چیف سیکرٹری نو حکومت پنجاب، متعلقہ علاقے کے سیکرٹری نو گورنمنٹ آف انڈیا کے شعبہ خارجہ، لاہور، 13 مارچ 1893ء کیشنرز نس پٹارو کی شکایتیں، ہنڈل نمبر 34، سیریل نمبر B-952، پرائفل اراکائیڈ، پٹاوار۔
4. ہم نے نیگیٹو خیال کو اس لئے مقدم رکھا ہے کہ پانچ کئی کئی کونسل میں نیگیٹو خیال کے نمائندوں کی تعداد تین تھی۔ سربراہی سنڈائیچا کے پاس تھی۔ شامیڑی اور سیوہو جی سے ایک ایک زکن لیا گیا تھا۔ مزید برآں چندا خورہ (جسے محمولاً کھل کہا جاتا ہے) کو اس نوزائیدہ ریاست کا پائے تخت بنایا گیا تھا جو کہ نیک لپی خیال میں واقع ہے۔ ان سب باتوں سے نیک لپی خیال کو حاصل نمایاں حیثیت کے بارے میں پتہ چلتا ہے جو کہ اُسے نواب دیر کے خلاف بغاوت اور ریاست سوات کے قیام کے امور میں قیمتی طور پر حاصل تھی۔ علاوہ انہیں سبکیں پر عبدالجبار شاہ اور بعد میں میاں گل عبدالودود کو ریاست سوات کا بادشاہ مقرر کیا گیا۔

## استحکام: پہلا مرحلہ

(1915ء تا 1917ء)

### اقتدار میں آنے کے بعد عبدالجبار شاہ کی حیثیت

بالآخر سوات کی علاحدہ ریاست کا قیام عمل میں آ گیا اور عبدالجبار شاہ (1880 تا 1956ء) کو اُس کا پہلا بادشاہ مقرر کر دیا گیا۔ اُسے ایک مشکل کام سونپا گیا۔ اُسے اپنی حاکمیت قائم کرنی تھی، ایک فوج تشکیل دینی تھی اور اپنی رعایا کی توقعات پر پورا اترنا تھا۔ اس سب کے حصول کے لئے مدبرانہ حکمت عملی، مہارت، احتیاط، سمجھ بوجھ اور اپنے لوگوں کی تائید و رکار تھی۔

باہر کا آدمی ہونے کی وجہ سے اُس کی پوزیشن کمزور تھی۔ یہاں نہ تو اُس کا اپنا کوئی ڈلہ (دھڑہ) تھا اور نہ ہی اُس کی جڑیں اس خاک میں بیوست تھیں۔ اُس سے لوگوں کی وفاداری بھی مستحکم بنیادوں پر قائم نہیں ہوئی تھی۔ اصل طاقت سنڈاگنی بابا اور جرگہ کے ہاتھ میں تھی۔ میاں گل اپنے روحانی سلسلہ نسب اور اثر و رسوخ کی وجہ سے اپنے علاحدہ عزائم رکھتے تھے۔ دوسری طرف نواب دیر بھی ایک مضبوط حریف کی شکل میں ہر دم موجود تھا، جسے برطانوی حکومت کی پشتپائی بھی حاصل تھی، اور جو سوات میں اپنے کھوئے ہوئے علاقوں کو دوبارہ قبضہ میں لینے کے لئے کسی بھی وقت میدان میں کود سکتا تھا۔ میاں گلوں کے علاوہ بھی سوات میں کچھ ایسے سرکردہ لوگ تھے جو اُسے ناپسند کرتے تھے۔ جن کے اپنے مقاصد اور ایجنڈے تھے۔

اُسے مختلف حریف قبائل، نافرمان لوگوں اور خواتین کے درمیان ایک قسم کا توازن برقرار رکھنا تھا۔ لوگ ایک منظم نظام اور نظم و نسق کی جگہ گروہی شکل کی زندگی کے عادی تھے۔ پہلے نہ تو کوئی مستحکم حکومت رہی تھی نہ کوئی لازمی ضابطہ قانون تھا جو کہ کسی بھی کامیاب حکومت کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ پہلی جنگ عظیم کی وجہ سے برطانوی حکومت



سوات کے حالات کے بارے میں چوکنی محتاط اور بدلتی کا شکار تھی۔ عبد الجبار شاہ کا ابتداء میں اُن سے تعلق و فائدہ دارانہ تھا لیکن بعد میں نواب دیر اور میاں گلوں کے مقابلہ میں اُس کی حیثیت ان کی نظر میں خاصی کمزور تھی۔

## میاں گل برادران

یہ لوگ سید و بابا سے سلسلہ نسب کی وجہ سے سوات پر حکمرانی کا عزم رکھتے تھے۔ ان کے پاس لوگوں کی حمایت بھی تھی اور اثر و رسوخ بھی تھا۔ ریاست کے قیام کے بعد عبد الجبار شاہ کے عہد میں وہ اس چیز کو اپنے ارادوں کی تکمیل کے لئے استعمال کرنے پر جت گئے۔

سوات میں ایک غیر مذہبی سیاسی قیادت کی نمائندہ شکل تو خوانین کی تھی لیکن مذہبی افراد ایک اور قسم کی قیادت کی نمائندگی کر رہے تھے۔ ان مذہبی افراد میں سید و بابا کے چار پوتے بھی شامل تھے۔ جو یوں تو کھلے دل کے شرفاسی زندگی گزارتے تھے لیکن اپنے سلسلہ نسب اور سید و بابا کے مزار سے تعلق کی وجہ سے انہیں خاصا رسوخ حاصل تھا۔ ان میں سے ہر ایک اقتدار کا بھوکا تھا۔ اور سوات میں اپنی بلا شرکت غیر سے حکومت کا منصبی تھا۔ ان میں سے ہر ایک کو بیرونی حریفوں سے پہلے خاندان کے اندر تین حریفوں سے نمٹنا تھا۔

حریفوں سے اپنا راست صاف کرنے کے لئے شروع ہونے والی کشاکش میں میاں گل عبدالودود نے 1903ء میں اپنے چچا زاد بھائی میاں گل عبدالرزاق (المعروف سید باچا) کو قتل کر ڈالا جس کے نتیجہ میں مقتول کے سگے بھائی میاں گل عبدالواحد (المعروف امیر باچا) اور میاں گل عبدالودود میں جان نشینی کے لئے جنگ چھڑ گئی۔ اُسے بھی نومبر 1907ء میں میاں گل عبدالودود نے کہیں باہر شکار کے دوران گولی مار دی۔

چچا زاد بھائیوں کا صفایا کرنے کے بعد اب صرف یہ دو سگے بھائی رہ گئے یعنی میاں گل عبدالودود اور میاں گل شیرین جان۔ ایک دوسرے سے حسد اور ذاتی جاہ طلبی کی خواہش نے دونوں بھائیوں کو ایک ساتھ رہنے اور اپنے اثر و رسوخ اور طاقت کو یک جا کرنے میں ہمیشہ رکاوٹ ڈالی۔ حالانکہ سوات میں دونوں کو بہت اثر و رسوخ حاصل تھا لیکن وہ دونوں ایک دوسرے سے مفاہمت کو تیار نہیں تھے۔ بائیں کنارے کے سواتی باشندے ان دونوں بھائیوں کی حمایت میں ایک دوسرے سے مسلسل دست و در بیان تھے۔ عبدالودود پہلے ہی اپنے دو چچا زاد بھائی قتل کر چکا تھا اس لئے قدرتی طور پر اُس کا بھائی اُس پر اعتماد کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ان کے حامی بھی اسی گھٹیا بے مقصد لڑائی سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ اس دوران ایک لڑکے کی اچانک خود کو خونند کا پوتا ہونے کے اعلان نے خاصی ہلچل مچادی اور انتشار میں مزید اضافہ ہو گیا۔

گوکہ انگریز سرکار سے اُن کے تعلقات بہت عمدہ تھے لیکن ایک دوسرے اور اپنے حامیوں کے ساتھ لڑائی میں وہ بری طرح پھینسے ہوئے تھے۔ ان کی آپس کی ایک شدید لڑائی کے بعد انہیں پولیٹیکل حکام نے ملاکنڈ طلب کر لیا تاکہ ان کے درمیان ایک معاہدہ کرایا جائے کہ وہ ٹیبلہ اور باتوں کے سید بابا کے مزار کے لئے آپس میں لڑنا بند کر دیں۔ چون کہ 1911ء میں ملاکنڈ میں طے پا جانے والے اس معاہدہ پر وہ عمل درآمد نہیں کر سکتے اس لئے 1912ء میں انہیں دوبارہ ملاکنڈ طلب کر لیا گیا اور معاملات عارضی طور پر حل کر لئے گئے لیکن اس سال کے اختتام پر عبدالوہود کے حامی ہر طرف چھا گئے اور سید داؤد بابا کا مزار مکمل طور پر اُس کے قبضہ میں آ گئے۔

سوائے بالا کے سب قبائل کے دستے اس جنگ میں شریک ہو گئے۔ عبدالوہود نے کانٹھلی (ماہکوت) کے قلعہ پر دھوکہ سے قبضہ کر لیا اور باخیل اور موسیٰ خیل علاقوں کے علاوہ اُس کے گرد وہ کوہر جلد غلبہ حاصل ہو گیا۔ ایک ہفتہ بعد شیرین جان کے لوگوں نے عبدالوہود کے حامیوں پر ایک ناکام حملہ کیا لیکن عبدالوہود نے اوڈیگرام اور بلوگرام پر بھی قبضہ کر لیا۔ جنوری 1913ء میں مفاہمت ہو گئی لیکن سال کے اختتام تک اس بات کے آثار ہو پیدائے تھے کہ یہ مصالحت طے کی نہیں۔

نواب دیر نے ان میں سے ہر ایک بھائی کے ساتھ اپنی شرائط پر معاملات طے کرنے چاہے۔ اُس نے شیرین جان کی مدد کے لئے اپنے آدی بھی بھیجے۔ دونوں بھائیوں نے نواب سے ملاقات کی۔ مذاکرات کے دوران اُس نے حکم کھلا شیرین جان کی حمایت کی۔ اس پر عبدالوہود اور باخیل اور موسیٰ خیل کے جرگہ نے احتجاج کیا کہ وہ ان کے معاملات میں مداخلت کر رہا ہے۔ اسلحہ کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دونوں نے اپنے کارخانے لگائے اور باہر کار بیگروں کو ملازم رکھا۔

میاں گل بھائیوں نے ایک بار پھر صلح کر لی اور ایک دوسرے سے چھینے ہوئے ہتھیار ایک دوسرے کو واپس کر دیئے۔ انہوں نے مختلف علاقوں میں اپنے قلعے بنانے کے لئے بعض ننگوں سے باضابطہ اجازت مانگی تاکہ لوگوں سے عسر لینا شروع کر سکیں لیکن جلد ہی انہوں نے دوبارہ ایک دوسرے سے لڑنا شروع کر دیا۔ ایک بار اور صلح کا معاہدہ ہوا جس کی رو سے ٹبر عبدالوہود اور تختہ بند شیرین جان کو حل گئے۔

## عبدالجبار شاہ اور میاں گل برادران

عبدالجبار شاہ نے اقتدار سنبھالنے ہی بہت جلد ریاست کا ایک انتظامی ڈھانچہ بنالیا، اہم مقامات پر قلعے تعمیر کئے اور عشر اور گھرانہ ٹیکس وصول کرنا شروع کر دیا۔ جس دوران وہ اپنی پوزیشن مستحکم کرنے میں مصروف تھا بائیں

جانب کے قبائل مرحلوہ اور کچھ روہڑہ کے ساتھ اُس کی حکومت کو تسلیم کرتے چلے گئے۔ پلٹیکھل ایجنٹ کو سوات والا سے ایک خط موصول ہوا کہ دیر کے ملیزئی اور سوات کے خوزوزئی قبائل کے درمیان حد بندی کا نطلہ کے مقام پر کی جائے جو کہ حترال جانے والی سڑک پر چک دروہ اور سیرئی کے درمیان ایک درز ہے۔

میاں گل عبدالودود کو معلوم نہیں تھا کہ ایک ریاست کے کل پرزوں کو کس طرح چلایا جاتا ہے اور اُسے یقین نہیں تھا کہ سوات میں اس قسم کی ریاست چل سکتی ہے۔ دو دفعہ حکمرانی کی پیش کش کو رد کرنے کے بعد اب اُس نے دیکھا کہ اُس کے خدشات بے بنیاد تھے اور یہ کہ حکومت تو وہ بھی چلا سکتا ہے۔ اس کے بعد اُس نے اپنی پوری طاقت عبدالجبار شاہ کے خلاف لگادی۔ اُس کے بھائی نے جمروز خان کو یہ پیغام دے کر عبدالجبار شاہ کے پاس بھیجا کہ وہ اُسے حکمران تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے لیکن عبدالودود نے اُس کے اقتدار اعلیٰ کو ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ بائیں کنارے پر آباد قبائل کو کسی بادشاہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور یہ کہ اُن کا دائیں جانب کے قبائل سے کوئی لینا دینا نہیں ہے جو کہ نواب دیر کی رعیت ہیں۔ اس لئے بظاہر لگتا تھا کہ بائیں جانب کے قبائل عبدالجبار شاہ کی حکومت تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

عبدالودود نے اپنے مقاصد کے لئے اب عبدالجبار شاہ کے خلاف سازش شروع کر دی لیکن جس ذہب کے حالات تھے ان میں اُس کی پوزیشن اتنی مضبوط نہیں تھی۔ اُس نے یہ سوچا کہ بہتر یہ ہے کہ بھائی کے ساتھ مفاہمت کر لی جائے۔ اس اتحاد سے ان کے خیال میں وہ اتنے مضبوط ہو جائیں گے کہ لوگوں سے عشر طلب کر سکیں گے لیکن اس سے قبائل اُن سے بھاگ کر مخالف کیمپ میں جانے لگے۔ اوڈیگرام کے سعدانڈ خان پر جو کہ عشر دینے کے خلاف لوگوں کی قیادت کر رہے تھے میاں گلوں کے لشکر نے حملہ کر دیا۔ سعدانڈ خان نے اس سلسلہ میں عبدالجبار شاہ اور سنڈا کنی بابا سے مدد مانگی۔ عبدالجبار شاہ مدد پر آمادہ ہو گئے۔

سنڈا کنی بابا نے جو کہ اب تقریباً پورے سوات والا کے مالک تھے، میاں گلوں کے خلاف غرا کا اعلان کر دیا۔ اس الزام پر کہ وہ لوگ انگریزوں کے ساتھ ساز باز کر رہے ہیں۔ میاں گلوں کو بھاگ کر سیدو میں پناہ لینا پڑی۔ ان کے کچھ قلعے جلادئے گئے۔ تاہم پھر انہوں نے اس بات پر قبائل سے معاہدہ کر لیا کہ وہ سیدو اور ایک بانڈہ تک محدود رہیں گے۔

بادشاہ عبدالجبار شاہ اور سنڈا کنی بابا کو مکمل فتح حاصل ہوئی۔ سوات والا کا پورا علاقہ دریا کے دونوں جانب مابو اے اباخیل اور موئی خیل نے ان کی حکومت مان لی اور عشر دینے پر اتفاق کیا۔ میاں گل برادران جنہیں اس وقت بالکل کمزور کر دیا گیا تھا، خاموشی اور دل جمعی سے اپنا ایک جتھا بنانے میں مصروف ہو گئے۔ اس میں انہیں جزوی کامیابی مل گئی۔ بائیں جانب اور دائیں جانب کے بھی کچھ اہم نملک ان کی حمایت پر آمادہ ہو گئے۔

میاں گلوں کی مدد کے لئے ماگنی ملانے اپنے کچھ شیوں کو موسیٰ خیل اور ابا خیل قبائل کی طرف بھیجا کہ انہیں  
تفتیش کر کے کہ عبد الجبار شاہ کو کھنڈر بنا حرام ہے۔ دونوں قبائل کے جرگے نے ماگنی ملا سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔  
عبد الجبار شاہ نے اسے میاں گلوں کی سازش قرار دیا۔ اُس نے اور سنڈاگنی بابا نے میاں گل برادران کو بائبل دبانے  
کے جتن شروع کر دیئے اس لئے کن کا خیال تھا کہ سوات کی مکمل حکومت میں یہ دونوں سب سے بڑی کاؤت ہیں۔

لیکن ایسا کرنا آسان نہ تھا۔ دریا کے بائیں کنارے کے باشندوں میں سے کئی مقتدر گروہ اور سرداری کے  
میاں کان اپنے اپنے مقاصد کے لئے اُن کے حامی تھے۔ اکثریت عبد الجبار شاہ کے ساتھ تھی لیکن آبادی کا بڑا حصہ تو  
ہم پرست اور میاں گلوں کی اس دھمکی سے بے حد خوفزدہ تھا جو انہوں نے دے رکھی تھی کہ اگر انہیں کوئی زک پہنچا تو وہ  
سوات سے نکل جائیں گے اور اپنے ساتھ اپنے دادا سید و بابا کی باقیات قبر سے نکال لے جائیں گے جس سے اس جگہ  
کا تقدس ختم ہو جائے گا۔ اس موقع پر ایک نوجوان جس کا نام امیر محمد تھا لیکن میاں گل خاندان اُسے شغلے میاں گل کے  
نام سے پکارتے تھے اور جس کا دعویٰ تھا کہ وہ مقتول میاں گل سید باچا کا بیٹا ہے، ایک بار پھر نمودار ہوا لیکن اس دفعہ  
بادشاہ کے ساتھ۔ عبد الجبار شاہ میاں گلوں کو نکال باہر کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ عبدالودود تو ملا کند کے پولیٹیکل ایجنٹ  
سے ملے چلا گیا۔ اُسے انگریز حکومت نے تھانہ یا چک دروہ کے قریب واقع جگہ دربار میں رہنے کی اجازت دی جب کہ  
اُس کا دوسرا بھائی شیرین جان بوئیر چلا گیا۔

میاں گلوں نے اپریل 1916ء میں نواب دیر، سرداری کے میاں گلان اور ابا خیل موسیٰ خیل سے اتحاد  
کر کے خود کو دوبارہ سیدو میں مستحکم کیا۔ سوات کے لوگ ایک بار پھر اپنے بادشاہ اور سنڈاگنی بابا کی قیادت میں نواب دیر  
کے خلاف صف آراء تھے۔ وہ اپنی آزاد حیثیت برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ میاں گلوں کی مدد کے لئے نواب نے پہلے تو  
ایک لشکر روانہ کیا اور پھر مانیار میں قائم اُن کے فوجی قلعہ کی حفاظت کے لئے چالیس محافظین کا ایک دستہ بھیجا۔ یہ اُس  
معاہدہ کی خلاف ورزی تھی جو ابا خیل موسیٰ خیل اور باوزئی اقوام کے درمیان طے پایا تھا بلکہ عبدالودود اس مقصد کے  
لئے دیر گیا تاکہ نواب کو عید کے بعد دوبارہ سوات پر حملوں کے لئے اکسا سکے۔

تینوں فریقوں، نواب، میاں گل برادران اور سید عبد الجبار شاہ کے درمیان کسی سمجھوتہ کے لئے کوششیں کی  
گئیں لیکن کامیابی نہیں ملی۔ تینوں انگریز حکومت کی وفاداری کا شدت سے ذمہ بھرتے تھے۔ عبد الجبار شاہ کی خواہش تھی  
کہ سوات بالا کا جرگہ اُس کے اور میاں گلوں کے درمیان امن معاہدہ کرادے۔ عبد الودود کا ارادہ تھا کہ

”وہ دونوں اور دو جانی دونوں لحاظ سے سوات کا بادشاہ بن جائے اور وہ جانتا تھا کہ سوات میں پاؤں جمانے کے لئے یا تو اُسے  
عبد الجبار شاہ کے ساتھ سمجھوتہ کرنا پڑے گا یا نواب کی مدد لینا پڑے گی۔ پھر اُسے یہ بھی اندازہ تھا کہ یہاں پاؤں جمانے کے  
بعد عبد الجبار شاہ نواب کے مقابلہ میں کہیں زیادہ خطرناک حریف ثابت ہوگا۔“

جس طرح عبدالجبار شاہ اور میاں گھوں کے درمیان اشتراک و اتفاق بعید از امکان تھا، اسی طرح میاں گھوں کو نواب دیر سے بھی جدا کرنا آسان نہیں تھا۔ جرگہ اور اس کے حامیوں نے جو کہ خاصی بڑی تعداد میں تھے (شہید بابا کی زیارت میں) اسزور نواب اور میاں گھوں کے خلاف اپنے حلیہ معاہدہ کو تازہ کیا اور عبدالجبار سے وفاداری پر قائم رہنے کا اعلان کیا اور اُسے اس اجلاس میں شرکت کے لئے طلب کیا۔ عبدالودود نے ایک بار پھر نواب سے کمک کی درخواست کی۔ اُسے ڈرتھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سر سرداری کے میاں گان اور پورن چکبیس کے خلاف اکتھا ہونے والا سواتیوں کا جم غفیرا نہیں گنت۔۔۔ کہ میاں گھوں اور نواب کے خلاف کا روائی شروع نہ رہے۔

کسی تنہوئی کے لئے کوششیں جاری رہیں۔ عبدالودود کو جب بانڈی، نیک پی خیل کے زرین خان سے قتل کی خبر پہنچی تو وہ اُس وقت کچھ ۱۰۰۹۰ رتو زبئی قبائل کے ساتھ مذاکرات میں مصروف تھا۔ اُس نے یہ بات چیت فی الفور معطل کر دی لیکن بالآخر یہاں تک بڑا دران اور سواتیوں کے درمیان مندرجہ ذیل شرائط پر ایک معاہدہ طے پائیا۔

- (1) میاں گل سید وہیں قلعے اور اوائچے خانقہ برج تعمیر کر سکتے تھے۔
- (2) عبدالجبار شاہ جس علاقہ میں سید و واقع ہے اُس سے کوئی سروکار نہیں رکھے گا۔
- (3) سید عبدالجبار شاہ اباخیل اور سوئی خیل کے معاملات میں اُس وقت تک کوئی مداخلت نہ کرے گا جب تک ۔۔۔ اُسے حقیقہ طور پر فریقین کی جانب سے بلایا نہ جائے۔
- (4) عبدالجبار شاہ میاں گھوں کے زیر قبضہ سیرئی قلععات اراضی کو نہیں چھینے گا۔
- (5) میاں گل برادران اور اباخیل و سوئی خیل نے عہد کیا کہ وہ سواتیوں اور نواب دیر کے درمیان ہونے والے محزروں میں غیر جانب دار رہیں گے۔
- (6) میاں گھوں کو اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے سر سرداری کے میاں گان کا سواتیوں سے چھوڑ کر انہیں گے۔
- (7) سوات کے باشندے۔۔۔ میاں گھوں کو اس نقصان کے بدلہ میں جو انہیں اپنی جلا وطنی کے دوران اٹھا؛ پراگھن تیس ہزار روپے ادا کریں گے۔

اس امن معاہدہ کے بعد عبدالودود نے سواتیوں سے کہا کہ اب انہیں انگریز سرکار سے بھی امن معاہدہ کرنا چاہئے۔ زرین خان کی موت کے بعد عبدالودود نے اس قتل کے بارے میں لوگوں میں پیدا ہونے والے اس عمومی تاثر سے کہ یہ کام یقیناً عبدالجبار شاہ کا ہوگا، فائدہ اٹھاتے ہوئے اُس کے خلاف کچھ اقدامات کئے۔ اس دوران اُس کا بھائی اپنے مشرک مفادات کے تحفظ کے لئے دربار چلا گیا۔ عبدالودود نے عبدالجبار شاہ کے خلاف اپنی سازشیں جاری رکھیں۔ وہ باوزنی اور دھمکے کے ساتھ جرگے کر کے یونیر کا رخت سفر باندھنے ہی والا تھا کہ عبدالجبار شاہ کی سزا سنائی جا

اور ماسم خان کے ساتھ ان بن ہو گئی۔ لہذا عبدالودود نے عبدالجبار شاہ کی معزولی کی صورت میں حالات کو اپنے قابو میں کرنے کے لئے بوئیر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

### عبدالجبار شاہ اور برطانوی حکومت

عبدالجبار شاہ میاں گل برادران اور دیا کے بائیں جانب کے قبائل کے معاملات ابھی تک طے نہیں ہوئے تھے کہ ادین زئی مسئلہ شدت اختیار کر گیا۔ دریا کے دائیں جانب سوات زبیریں میں آباد ادین زئی قبائل یوسف زئی قبیلہ کی اسی شاخ سے تعلق رکھتے ہیں جس سے سوات والا کے قبائل کا تعلق ہے۔ وہ اپنے سوات کے ہم قبیلہ تو قوتوں کی طرح نواب دیر کی رعیت میں شامل تھے اور اپنے انہی بھائی بندوں کی طرح نواب کی حکومت سے نالاں اور ناخوش تھے۔ نواب کے محصولات جمع کرنے والے حملہ سے ناراض ہو کر ان میں سے کچھ نے سوات والا کے اپنے رشتہ داروں سے مدد چاہی۔ سوات والا کے لوگوں نے پہلے ہی پولیٹیکل ایجنٹ سے کہا تھا کہ وہ سوات اور دیر کی سرحد کا از سر نو تعین کرتے ہوئے ادین زئی علاقہ ان کے حوالہ کر دے اس لئے کہ یہ ان کا ہے۔ عبدالجبار شاہ کے بھائی نے ان لوگوں کو خط کے ذریعے مشورہ دیا کہ محصول حکام کو اپنے علاقہ سے نکال دیں۔

اس علاقہ سے صرف چڑال جانے والی سڑک ہی نہیں گزرتی تھی بلکہ چک درہ میں فوجیوں کی قیام گاہ بھی یہیں تھی۔ یہ علاقہ چوں کہ ملاکنڈ سے بھی قریب تھا اس لئے یہاں سواتیوں کی کسی قسم کی کارروائی انگریز حکومت کے لئے بہت ہی پریشانی کا باعث بن سکتی تھی۔ چوں کہ جنگ عظیم برپا تھی جس میں ترک انگریز مخالف اتحاد کا حصہ تھے، اس لئے اس دوران مذہبی شخصیات کی اس علاقہ میں نقل و حرکت باعث تشویش تھی۔ اس سے 1897ء جیسی صورت حال پیدا ہو سکتی تھی جس کے لئے انگریز سرکار قطعاً تیار نہیں تھی۔ اس لئے اُس نے نواب دیر کو مشورہ دیا کہ وہ اپنا محصول جمع کرنے والا علاقہ ادین زئی کے علاقہ میں نہ بھیجے، ادین زئی کے جرگہ کو پولیٹیکل ایجنٹ سے ملاقات کے لئے کہا اور تھا نہ اور رائی زئی کے سرکردہ خواتین کے ذریعے سوات والا کے جرگوں کو خطوط ارسال کئے جس میں انہیں ادین زئی سے دور رہنے کے لئے متنبہ کیا گیا تھا۔ خواتین یہ خطوط لے کر نفسِ نفس سوات والا گئے تاکہ انہیں جلد بازی میں کوئی قدم اٹھانے سے روک سکیں۔

سوات والا کے خواتین اور لوگ شاید یہ مشورہ مان لینے پر تیار ہو جاتے لیکن سنڈا کئی بابا صورت حال پر چمگئے۔ وہ اُس وقت چندا خورہ (کبل) میں موجود نہیں تھے جب انگریز حکومت کے فرستادہ خواتین اور سوات والا کے جرگہ کے درمیان بات چیت ہو رہی تھی لیکن انہیں اس میں شرکت کے لئے بلا بھیجا گیا۔ سوات والا کے جرگہ کا

اصرار تھا کہ اس میں سنڈاکنی بابا کی موجودگی ضروری ہے۔ وہ دوسرے دن صبح پہنچا۔ برطانوی حکومت کا پیغام جاننے اور ان کے خطوط دیکھنے کے بعد اس کا رد عمل شدید تھا۔ اس نے وہ خطوط لے کر پھار ڈالے اور ان نکلروں کو پاؤں سے مسل ڈالا اور لوگوں کو انگریزوں کے خلاف جہاد کی تلقین کی۔ سر تو رفیق اور دیگر لوگوں کو بھی مدد کے لئے خطوط بھیجے گئے۔ لشکر بنانے کی تیاریاں شروع کی گئیں۔ مزہ کی بات یہ ہے کہ اس پورے معاملہ میں سید عبدالباقی شاہ (سوات کا بادشاہ) کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ ان سے مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

17 جون 1915ء کو ملاکنڈ کے پولیٹیکل ایجنٹ نے کرنل لاکھ سے کہا کہ دو ڈبل کمپنی فوج چکدرہ بھیجی جائے۔ صوبہ کے چیف کمشنر نے صورت حال کو یوں بیان کیا۔

”حکومت کی نمائش ہی حملہ کر کے کا بہترین طریقہ ہے۔ چکدرہ کو بہر صورت مستحکم بنانا ہوگا۔ جرنل آفسر ملاکنڈ فوج سے ڈویژن سے من سے کہہ دیا ہے کہ بغیر کوئی تاخیر کے ملاکنڈ سولہ میل کالم کو چکدرہ روانہ کر دیا جائے۔ ممکن ہے کہ اس قدم سے سوات والا کے لوگوں کی حوصلہ شکنی ہو لیکن اگر انہوں نے واقعتاً حملہ کر دیا اور انہیں اکر اس میں ذرا بھی کامیابی ملی تو پھر دریائے کابل سے دریائے سندھ تک کا پورا علاقہ اٹھ کھڑا ہوگا۔“

گائیڈز کا سوار دستہ درگئی پہنچا اور 19 جون کو شام چھ بجے چک درہ پہنچ گیا۔ 19 جون ہی کو نیک پٹی خیل اور سوات والا کے جرگہ کی طرف سے پولیٹیکل ایجنٹ کو ایک خط ارسال کیا گیا جس میں ادین زئی مسئلہ کو موضوع بحث بناتے ہوئے کہا گیا کہ اگر ان کی بات مان لی جائے اور اس علاقہ کو نواب سے لے کر ان کے حوالہ کیا جائے تو انگریز سرکاری سڑک، ٹیلی گراف، پمپاؤتھیں اور چوکیوں کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے گا لیکن ادین زئی کے لوگ خود علاقہ پر حکمرانی کریں گے یا عبدالباقی شاہ کو حکمران تسلیم کریں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ تھانہ اور الہ ڈھنڈ کے خواتین کی آمد اور پولیٹیکل ایجنٹ کے احکامات کی وجہ سے انہوں نے فی الوقت اپنی کارروائی روک دی ہے۔ انہوں نے اپنے معاملہ کو صوبہ کے چیف کمشنر کے سامنے بھی پیش کیا اور اس سے کہا کہ سر تو رفیق اور ادین زئی کے لوگوں کی مدد کے لئے تیار تھا لیکن ان کے کہنے پر رک گیا ہے۔ تاہم پولیٹیکل ایجنٹ نے انتہائی دھمکی آمیز لہجہ اختیار کر کے بتوئے ان سے کہا کہ برطانوی حکومت

”تمہیں ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دے گی کہ تمہارا جب جی چاہے اپنی تیاریوں کے ساتھ مداخلت پر آمادہ ہو جاؤ۔ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں ادین زئی سے دور رہو۔ ذرا یاد کرو کہ جب تم نے ہوش و حواس کھو کر سر تو رفیق کے ساتھ دیا تو کیا ہوا۔ تمہارے اور تمہارے ملاؤں کے رویہ نے مجھے فوج بھیجے پر مجبور کر دیا ہے جو کہ ایک چک درہ میں موجود ہے اور جس میں ہمیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر تم میں سے کسی ایک نے بھی سرکاری سڑک پر قدم رکھا تو میں اسے تمہارے خلاف استعمال کروں گا اور قیامت کے دن اس کے نتائج کی ذمہ داری تمہاری ہوگی۔“

پولیٹیکل ایجنٹ نے 22 جون 1915ء کی اپنی رپورٹ میں لکھا کہ سوات والا میں موجود تھانہ ڈھنڈ میں لگتا ہے کہ

آئی ہے۔ اور خیال ہے۔ وہی جرگہ بھی سے ملے۔ آئے لیکن چیف کسٹمر اور مجھے ارسال کردہ خطوط کے جواب کا انتہا کار ہو رہا ہے۔ اس موقع پر عبد الجبار شاہ، نئی آہ اور پولیٹیکل ایجنٹ کے نام اپنے ایک خط میں ادین زئی معاملہ کی وکالت کرتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کرتے کہ یہ بات اتنی بڑھ کیوں گئی۔ اس نے گھبراہٹ کیا کہ اسے کوئی خط نہیں بھیجا گیا اور انگریز حکومت کو اپنی دفاعی پالیسی میں زبانی کہتے ہوئے کہا کہ اس پر آزمائشی طور پر اعتماد کر کے پرکھا تو جائے۔ مزید یہ کہ اسے غیرے لوگوں کی سوچ و حکومت کی (عبد الجبار شاہ کی) سوچ نہ سمجھا جائے۔ پولیٹیکل ایجنٹ نے جواب میں کہا کہ وہ صرف نمائندہ جرگہ سے بات کرے گا۔ تاہم چیف کسٹمر نے پولیٹیکل ایجنٹ سے کہا کہ ہمارا عبد الجبار شاہ سے کوئی جھگڑا نہیں۔ اگر وہ ایک نمائندہ جرگہ لے کر آتا ہے تو تم ملے سے انکارت کرنا۔

عبد الجبار شاہ نے چیف کسٹمر کو ایک طویل خط لکھا جس میں نواب دیر کے خلاف سوات کے معاملات کو اٹھایا اور خود کو انگریز سرکار کا حالی قرار دیا۔ 9 جولائی 1915ء کو سوات بالا کے خواہد زئی شاہ کے قبائل کا جرگہ پولیٹیکل ایجنٹ سے ملاقات کے لئے آیا۔ اس ملاقات کے نتیجہ کو مکمل طور پر اطمینان بخش قرار دیا گیا۔ اس مشکل وقت میں جن مختلف لوگوں نے برطانوی حکومت کا ساتھ دیا ان کی مدد اور خدمات کی تعریف کرتے ہوئے پولیٹیکل ایجنٹ نے میاں گل برداران کی پیش بہا خدمات کا خصوصی تذکرہ کیا۔

صورت حال بہتر ہوئی لیکن زیادہ لمبے عرصے کے لئے نہیں۔ سنڈاکنی بابا، حاجی صاحب آف ترنگلی اور دیگر انگریز مخالف عناصر سے رابطہ میں تھے۔ بالآخر سر تور فیر نے بھی سنڈاکنی بابا کی مخالفت ختم کر کے اگست 1915ء میں انگریزوں کے خلاف ایک دوسرے سے ہاتھ ملانے۔ قبائل کا رد عمل چوں کہ کوئی زیادہ گرم جوشا نہ تھا اس لئے 20 اگست کو سر تور فیر نے اپنے گھر کی راہ لی اور سنڈاکنی بابا بھی تڑا تڑا کے راستے اپنے چند حامیوں کے ہمراہ واپس روانہ ہوئے۔

سنڈاکنی بابا کے رخصت ہونے سے لوگ اور بادشاہ (عبد الجبار شاہ) پریشان ہو گئے۔ لوگ نواب دیر کے خوف کی وجہ سے اس کی حمایت کے خواہاں تھے اور بادشاہ کی پریشانی کا سبب یہ تھا کہ اس نے حال ہی میں ڈپٹی کمشنر ہزارہ کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا تھا اور یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ سنڈاکنی بابا کو رام کرنے کے لئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرے گا۔ پھر اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ اگر یہ ملاج میں سے نکل جائے تو اس کی حکومت کا بڑا سہارا ختم ہو جائے گا۔ بادشاہ نے پہلے تو اپنے آدمی بھیج کر اسے بلانے کی کوشش کی۔ ان کے نام کام ہونے پر وہ خود گیا اور اسے واپس آنے کے لئے کہا۔ وہ اس شرط پر واپس آئے پر راضی ہوا کہ بادشاہ اور قبائل اس کے ساتھ مل کر ایک متحدہ اقدام کے لئے تیار ہوں۔ چیف کسٹمر نے جو اس وقت ملاکنڈ کے دورہ پر آیا ہوا تھا، معاملات کی یوں تسویہ کشی کی۔ 'میاں گل برداران' خود آف سوات کے پوتے، جو کہ بادشاہ اور سنڈاکنی بابا سے حسد کرتے ہیں ان کے خلاف سازشوں میں



مصروف ہیں اور ہمارے ساتھ مسلسل رابطے میں ہیں۔

سنڈاگنی بابا اپنے قبائلی حامیوں کے ساتھ دریائے سوات کے بائیں کنارے پر تھے جب کہ سوات کے بادشاہ عبدالجبار شاہ دریائے دائیں کنارے والے لشکر کے ساتھ تھے۔ 28 و 29 اگست کی رات کو جنرل بٹین کے ملاکنڈ موہاہیل کالم کے کیپ پر حملہ کیا گیا۔ یہ خاصا شدید حملہ تھا جو چھ گھنٹے تک جاری رہا۔ جنرل بٹین کی توپوں نے سواتیوں پر اتنی شدید گولہ باری کی کہ انہیں پسا ہونے پر مجبور کر دیا۔ 29 اگست کی سہ پہر سنڈاگنی بابا غائب ہو گئے لیکن انہیں ڈھونڈ کر چنداخورہ لایا گیا۔ اس لئے کہ دائیں جانب کے قبائل نواب دیر کے خلاف اُن کی مدد سے محروم نہیں ہونا چاہتے تھے۔

انگریز سرکار کے خلاف یہ اقدام ناکام ہو گیا۔ سنڈاگنی بابا بھی اس دوران سوات سے چلے گئے۔ لیکن اس معاملہ نے عبدالجبار شاہ کی کمزوری برطانوی حکومت پر عیاں کر دی۔ اپنے لوگوں پر اُس کی کمزور گرفت نے اُس کی حیثیت کو مشکوک بنا دیا۔ فرنیئر کرائمر ریگولیشن 1901ء کی شق 21 کی ذیلی شقوں ذی ادراکی کے تحت سوات بالا اور بوئیر کار برطانوی حکومت نے بہ طور سزا 25 اگست 1915ء کو معاشی گھیراؤ کر لیا۔

### عبدالجبار شاہ اور نواب دیر

نواب کی فوجوں کو سوات بالا سے نکال باہر کر کے ریاست سوات کے قیام کا اعلان کیا گیا تھا لیکن نواب اس علاقہ کے ہاتھ سے نکل جانے کو خنڈے پیڑوں برداشت کرنے والا نہیں تھا لیکن اُس کی پوزیشن دیر میں موجود ہے تین اور باجوڑ کی طرف سے اُس کی حکومت کی مخالفت کی وجہ سے غیر محفوظ تھی۔ اُسے اپنے خلاف ہونے والی ایب سائزنگ کا قبل از وقت پتہ چلا۔ اس میں خان آف بازوہ (سید احمد خان)، اُس کا سوتیلا بھائی (محمد بی بی خان)، ہانڈائی میدان کا سردار خان، سیند علاقہ کے کچھ خواتین اور عبدالجبار شاہ شامل تھے۔ منصوبہ یہ تھا کہ سب بیک وقت اُس پر حملہ کر دیں۔ اس وقت تو نواب اپنے تحفظ کے مسائل میں گھرا ہوا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ جیسے ہی اُس کی پوزیشن منسبوط ہوگی وہ سوات میں پھر قسمت آزمائی کرے گا۔ اپنے اندرونی مسائل کو حل کرنے کے لئے اُس نے اپنی بیوی کو پانندہ خیال اور سلطان خیال قبائل کے پاس بھیجا تا کہ اُن کو مفاہمت پر راضی کیا جاسکے۔ برطانوی حکومت نے نواب کے مسائل حل کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں کو خنڈہ تھا کہ

”انگریز کے نواب کو دیر سے نکال باہر کر دیا گیا تو دیر کی ریاست طوائف الملوکی کا بیکار ہو جائے گی۔ اُسے ایسا ہو گیا تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ یہ قبائل ایک غیر مذہبی حکومت کے منظر سے بنتے ہی سنڈاگنی ملا یا اسی طرح کے اور کسی ملا کی سربراہی میں جہاد پر نکل کھڑے ہوں گے اور سبل کے چک درہ میں موجود انگریز فوج پر حملہ کر دیں گے اور اگر ممکن ہو تو پانندہ پتہ بھی چھ دوڑیں

دوسری جانب عبدالجبار شاہ اور سواتیوں نے سوات زیریں میں واقع ادین زئی علاقہ پر اپنے دعویٰ کو جاری رکھا جو کہ نواب کے قبضہ میں تھا۔ انہیں اس بات کا خوف بھی دامن گیر تھا کہ نواب کہیں سوات بالا پر حملہ نہ کر دے۔ اس لئے وہ سنڈاکنی بابا کی مدد کو تانہیں چاہتے تھے۔ اس لئے کہ قبائل کی نظر میں اور کوئی ایسا شخص موجود نہیں تھا جس کی قیادت میں دو متحد ہو کر نواب کا مقابلہ کر سکیں۔ ان کا نام نہاد بادشاہ تو تقریباً نہ ہونے کے برابر تھا۔ جہاں تک عبدالجبار شاہ کا تعلق ہے تو اس کے لئے تو سنڈاکنی بابا سب سے بڑا سہارا تھا۔

عبدالجبار شاہ نے مزدیراتی اہیت کے حامل دروں پر قلعہ تعمیر کر کے نواب کے خلاف اپنی پوزیشن مضبوط بنانے کی کوششیں جاری رکھیں۔ اس نے ایک بار پھر سوات کے چیدہ چیدہ نمائندہ لوگوں کو بلا کر ان سے کہا کہ وہ صاف صاف الفاظ میں انہیں بتائیں کہ کیا وہ چاہتے ہیں کہ وہ سوات میں رہیں اور نواب کے خلاف اس جنگ میں ان کی قیادت کریں۔ اگر وہ ایسا چاہتے ہیں تو کیا وہ قسم کھا کر ان کا ساتھ دینے کا عہد کریں گے۔ اگر وہ ایسا کرنے کے لئے تیار ہیں تو تمہیک ہے پھر وہ یہاں رک کر ان کی رہنمائی کریں گے اور اگر اسے اس کی یقین دہانی نہیں کرائی جاتی تو وہ یہاں سے جانے کے لئے تیار کیے۔ سب قبائل نے متفقہ طور پر اس کی وفاداری کا عہد کیا۔ بلکہ عزی خیل اور بچکی خیل قبائل نے بھی سوات کے لئے جنگ میں اس کا ساتھ دینے کا عزم ظاہر کیا جو ابھی تک اسے عشر دینے پر تیار نہیں تھے۔

تقریباً ایک سال تک نواب دیرانگہ سرکاری مدد سے اپنی پوزیشن کو برقرار رکھنے کی تک و دو میں لگا رہا۔ مارچ 1916ء میں عبدالجبار شاہ نے ادین زئی علاقہ پر حملہ کر کے اسے شوا تک اپنے قبضہ میں لے لیا۔ مارچ کے آخر تک نواب نے فیصلہ کیا کہ اب سوات کو دوبارہ فتح کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ میاں گل برادران نے بھی اپنا پورا وزن اس کے پلڑے میں ڈال دیا۔ 30 مارچ 1916ء کو وہ ادین زئی پر چڑھ دوڑا۔ اس موقع پر برطانوی حکومت ایک طرف ہو گئی تاکہ وہ اپنی جنگ خود لڑ سکے۔ نواب نے شوا کے مقام پر ہونے والی دو روزہ جنگ میں سواتیوں کو شکست دی اور وہ اپنے بادشاہ کے ساتھ سوات بالا کی طرف دھکیل دیئے گئے اور شوزئی تک کا علاقہ پھر نواب دیر کے قبضہ میں آ گیا۔ اس کے لشکر نے پیش قدمی کی اور نیک بنی خیل میں گالوچ اور دیو پلنی کے مقامات پر غیر مربوطی جنگیں ہوئیں۔ نواب نے مقامی لوگوں میں اپنا ایک حامی گروہ بنانے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا اور اس کی افواج شکست کھا کر شوزئی اور ادین زئی کی طرف پسا کر دی گئیں۔

صوبہ کی خفیہ ڈائری (سی ای) سے پتہ چلتا ہے کہ عبدالجبار شاہ نے سوات کے لشکر کو اپنی اس فتح کو مزید مستحکم کرنے کے لئے پیش قدمی جاری رکھ کر نواب کو سوات زیریں کی سرزمین سے بھی نکال باہر کرنے پر آمادہ کرنے کی

کوشش کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ تاہم اُس وقت کی انتظامیہ کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ دراصل برطانوی حکومت نے انہیں مزید پیش قدمی سے روک دیا۔ دوسرے سال کچھ زیادہ اہم جہز نہیں ہوئیں۔ نواب سوات میں اپنا کوئی حامی گروہ بنانے کی تک دو دو کرتا رہا جب کہ عبدالجبار شاہ اور سواتی قبائل اندرونی سیاسی مسائل میں الجھے رہے۔ سنڈاکنی بابا تو مختلف قسم کے تنازعات کو حل کرنے میں مصروف رہے یا حاجی صاحب ترنگزئی، ہندوستانی مجاہدین اور ترک ایشیوں کے ساتھ رابطوں میں لگے رہے تاکہ لوگوں کو انگریزوں کے خلاف جنگ کے لئے تیار کیا جاسکے۔

مئی 1917ء میں شوزئی کے مقام پر دو بارہ دونوں حریفوں میں پیچہ آزمائی شروع ہوئی۔ عبدالجبار شاہ کے خلاف سواتیوں میں پیدا ہوئی والی مکتہ بے اطمینانی اور پھوٹ کو محسوس کرتے ہوئے اس بار میاں گل برادران نے سواتیوں کا ساتھ دیا تاکہ اُن کے دلوں میں اپنے لئے جگہ بنا سکیں۔ جنگ چھڑنے سے پہلے امن کے معاہدہ کے لئے سوات کی طرف سے عبدالودود اور دیر کی جانب سے اخوندادہ حضرت سید کے درمیان ہونے والی بات چیت کا کام ہو گئی۔ دونوں فوجیں ایک مہینے تک ایک دوسرے کے آسنے ساٹنے ٹھہری رہیں لیکن خوداک کی کمی کی وجہ سے 20 جون 1917ء کو واپس اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئیں۔ عبدالجبار شاہ کے عہد کے بقیہ حصہ میں دونوں فریقین جنگ سے باز رہے۔

### عبدالجبار شاہ اور اندرونی صورتِ حال

عبدالجبار شاہ اپنی پوزیشن مستحکم کرنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لئے اُس نے یگورہ کے قریب ایک قلعہ بند گھر کی تعمیر شروع کی۔ سوات کے مضبوط خواتین اور گروہوں میں بنے ہوئے معاشرہ کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے درکار حکمت عملی اور قوت کی عبدالجبار شاہ میں کمی تھی۔ اُس کی پوزیشن خاصی کمزور تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ اُسے کئی محاذوں پر لڑنا پڑ رہا تھا۔ اُسے ایک دوسرے کے مخالف عناصر کی ایک دوسرے سے متصادم اور مخالف خواہشات و مطالبات کو پورا کرنے کا ناممکن العمل کام سونپا گیا تھا۔ اکثر اوقات یہ مطالبات اُس کے اپنے نظریات اور منصوبوں کے بھی خلاف ہوتے تھے۔ پھر مسلسل بیرونی مسائل میں الجھے ہونے کی وجہ سے اُس کے پاس مفاد عامہ اور عوامی فلاح و بہبود کے لئے کچھ کرنے کی فرصت کہاں تھی تاکہ وہ عام لوگوں کے مسائل میں تھوڑی سی کمی لاسکے۔

فروری 1916ء میں سید حضرت جمال المعروف ناواگئی پاچا کا انتقال ہو گیا جو کہ نظم حکومت چلانے میں اُس کا دستِ راست تھا۔ چند مہینے بعد ہی لوگ عبدالجبار شاہ کو ناپسند کرنے لگے۔ وہ ان سے صرف عشری نہیں لیتا تھا بلکہ ہر

قبیلہ سے سرکاری فوج کے لئے 120 افراد کی فراہمی کا مطالبہ بھی تھا۔ ماسم خان المعروف تنگے خان نے اُس سے کہا کہ سواتیوں کو امید تھی کہ وہ اپنے ساتھ باہر سے لوگ لائے گا جو اُن کے لئے لڑیں گے۔ جس پر جواباً اُس نے کہا کہ باہر سے لوگ مدد کے لئے تپ آئیں گے جب وہ ایک مضبوط حکومت بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس پر ماسم خان نے اُس سے کہا کہ وہ ہندوستانی مجاہدین سے مدد لینے جائے گا۔ عبدالبہار شاہ نے فی گھرانہ ایک روپیہ نکیس بھی عائد کیا۔ یہ بھی لوگوں کی ناراضگی کا سبب بنا۔

عبدالبہار شاہ پر ایک اور الزام یہ بھی لگایا گیا کہ خزانہ میں جمع ہونے والا سارا پیسہ نواب دیر کے خلاف دفاعی نظام کو مضبوط بنانے پر نہیں لگایا جا رہا۔ دوسرا یہ کہ انصاف کی فراہمی نہیں۔ دیگر یہ کہ اُس کے زیر انتظام علاقہ میں قتل کے واقعات میں اضافہ ہو گیا ہے۔ انگریز سرکار کی جانب سے کیا جانے والا محاصرہ اور عائد کردہ پابندیوں کی وجہ سے دُکوں کی مشکلات میں بے حد اضافہ ہو گیا تھا اور وہ اس مسلسل تکلیف دہ کیفیت سے تنگ آ گئے تھے۔

نیک پٹی خیل کا زین خان جو ایک طاقت ور اور بااثر شخصیت کا مالک تھا اور جو اُس پانچ رکنی کونسل کا رکن تھا جو عبدالبہار شاہ کی آمد سے پہلے ظلم و فسق چلانے کے لئے بنائی گئی تھی۔ وہ عبدالبہار شاہ کی آمد کے وقت سے ہی اُس کے خلاف اور نواب دیر کا حامی تھا۔ وہ خود مکران بننے کا بھی خواہش مند تھا۔ چوں کہ وہ ایک مضبوط حریف اور اُس کے ساتھ ساتھ دیر کے نواب کا حامی بھی تھا، اس لئے عبدالبہار شاہ نے اُس کے خلاف ایک سازش تیار کی۔ 15 نومبر 1916ء کی رات کو اُسے باغی، نیک پٹی خیل میں قتل کر دیا گیا۔ اس قتل میں نیکی خیل ہی کے کچھ زین خان مخالف لوگوں نے عبدالبہار شاہ کے کچھ ملازمین کے ساتھ مل کر یہ کام کیا۔ اس قتل سے سوات میں غم و غصہ کی ایک کیفیت پیدا ہو گئی۔ حالات کو قابو میں کرنے کے لئے سنڈاگٹی بابا کو بلا بھیجا گیا۔ وہ اس وقت سوات کو بہتان کی سرحد پر تیرات نامی جُلمہ میں تھے۔

نیک پٹی خیل، ہابوزئی اور متوزیڑی کی آدمی آبادی نواب دیر کی حمایت پر آمادہ ہو گئی اور اُسے بلانے کے لئے پیغامات بھیجے گئے۔ اس حالات سے فائدہ اٹھانے کے لئے عبدالودود واپس سیدو چلا آیا تاکہ عبدالبہار شاہ کے خلاف موثر اقدامات کر سکے۔ عبدالبہار شاہ نواب دیر کے سوتیلے بھائی اور حریف محمد عیسیٰ خان کی معیت میں چندا خوردہ آیا تاکہ سوات والا کے لوگوں پر مشتمل ایک لشکر تشکیل دے سکے اور نیک پٹی خیل کے ساتھ اپنے معاملات ٹھیک کر سکتے۔ بعد میں اُس نے پولیسنگل ایجنٹ کو خط ارسال کر کے کہا کہ 'سوات کے مسئلہ کا بہترین حل یہ ہے کہ انگریز سرکار اس پر قبضہ کر لے۔'<sup>1</sup>

سنڈاگٹی بابا سے (جو کہ عبدالبہار شاہ کی حکومت کے لئے ریزہ کی ہڈی یا مضبوط ترین ستون کی حیثیت رکھتے

تھے) اشتراک عمل رفتہ رفتہ کمزور ہو گیا اور ان کے تعلقات خراب ہو گئے۔ اس کی بڑی وجہ سنڈاکنی باپا کی طرف سے مسلسل انگریزوں کے خلاف جہاد پر اصرار تھا جب کہ عبدالبہار شاہ کی پوری کوشش تھی کہ ان کے ساتھ تعلق کو کسی طور خراب نہ ہونے دیا جائے۔ سنڈاکنی باپا نے عبدالبہار شاہ کے مخالفین سے خط و کتابت کر کے انہیں اس بات پر آسایا کہ عبدالبہار شاہ قادیانی ہونے کی وجہ سے جہاد کے خلاف ہے اس لئے اُسے نکال باہر کرنا چاہئے۔ حاجی صاحب آف ترنگڑی کا بیٹا ایک خط لے کر چمرکنڈ روانہ ہوا جس پر سنڈاکنی ملا، کچھ دیگر میاگان و ملاؤں اور سوات کے مسلمانوں کے دستخط تھے۔ جس کا نٹس مضمون یہ تھا کہ عبدالبہار شاہ قادیانی ہے اس لئے سوات کا بادشاہ ہونے کا اہل نہیں ہے۔ عبدالبہار شاہ نے نیک پٹی خیل کا مسئلہ تو حل کر لیا لیکن سنڈاکنی باپا اور ماسم خان کے ساتھ اُس کا رشتہ منقطع ہو گیا۔

### جغرافیائی سیاسی اور تریاتی پہلو

شمال مغربی سرحد کی تصفیہ طلب صورت حال اور برطانوی حکومت کی جنگ عظیم اول کے دوران حالات کو جوں کا توں رکھنے کے لئے تیشویش کو اس تناظر میں آسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ ملک میں موجود بہترین افواج تو پہلے ہی انڈیا سے باہر جہازوں پر بھیج دیا گیا تھا۔ بیرونی صورت حال اور اُس میں برطانیہ کے کردار کو سمجھنے بغیر سوات کی پوزیشن، واقعات اور حالات میں تخیرات کو ان کے حقیقی جغرافیائی، سیاسی اور تریاتی سیاق و سباق میں نہیں سمجھا جاسکتا۔

نواب دیر کے خلاف سوات میں ہونے والی بغاوت، ریاست کا قیام، عبدالبہار شاہ کا تقرر اور اُس کے نتیجے میں پیش آنے والے واقعات جنگ عظیم اول کے دوران ہی پیش آئے۔ ترکی جرمین اتحاد کا حصہ بن کر نومبر 1914ء کو جنگ میں شامل ہوا۔ ترکی کی شمولیت کی وجہ سے بڑی تبدیلی آئی اور اس قسم کی افواہیں ہر طرف پھیل گئیں کہ قیصر بلکہ پوری جرمین قوم نے اسلام قبول کر لیا ہے اور یہ کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا ظہور ہوا ہی چاہتا ہے۔ اس سے مذہبی رہنماؤں کو زبردست تحریک ملی کہ وہ لوگوں کو جہاد پر ابھار سکیں۔

"برطانوی حکومت کے لئے امدودی صورت حال اس وجہ سے اور بھی بُھرا گیا کہ جرمنی نے سوات سے کارروائیوں سے بیکار، مغربی ہندوستان اور پنجاب میں حالات کو خاصا مُندھوش کر دیا تھا۔ انہیں مسلمانوں کی طرف سے خصوصاً یہ خوف دامن گیر تھا کہ کبھی وہ ترکی کے ملت اسلامیہ کے پروپیٹنڈے اور فریڈم میں بغاوت ہی ہوا کیسے چلنے سے حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے نہ ہوں۔"

چوں کہ زیادہ تر افواج جنگ میں شرکت کے لئے برصغیر سے چکی تھیں اور مزید قبائلی سازشیں برطانوی حکومت کے لئے مسائل پیدا کر سکتی تھیں، اس لیے اُس وقت کی صورت حال کو خاطرِ فکر میں لاتے ہوئے، یہاں سے کہ امیر افغانستان کی جانب سے غیر جانبدار بننے کا اعلان اور ترکی کی اس میں شرکت کو جنگ جو اپنے عاقبت آجہاں اس

کی خدمت بہت ہی بیش بہا بات ہے، تاہم اب بھی قبائلی علاقوں کی صورت حال انتہائی محدود ہے۔ اس وجہ سے برطانوی حکومت کے لئے سوات کے حالات و واقعات انتہائی حساس نوعیت کی چیز تھی۔

1915ء میں برطانوی قبوضہ علاقہ میں کئی بار مذہبی رہنماؤں کی مسلسل جہاد کی ترغیب دینے پر ملے ہوئے۔ حاجی صاحب آف ترنگزئی نے سوات اور بونیر میں اسلام خطرے میں ہے کا نعرہ لگایا جب کہ سوات اور بونیر کے سارے مولوی حضرات مسلسل لوگوں کو یہ کہہ کر بھڑکار رہے تھے اور جوش دلا رہے تھے کہ برطانیہ کے پاس اب مزید فوج نہیں رہی۔ یہ کہہ کر جیٹ جگ جیت رہا ہے۔ یہ کہہ کر ترکی افغانستان میں داخل ہو چکا ہے۔ اور یہ کہ بالآخر وہ دن آ پہنچا ہے۔

جولائی 1915ء میں کچر (Kichener) کی طرف سے مزید باقاعدہ برطانوی فوج کے مطالبہ کو یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ اب صرف آٹھ انگریز بائین فوج رہ گئی ہے جو کہ ساری کی ساری سرحد میں مستحکم ہے۔ ہارڈنگ کے الفاظ میں سرحد کی صورت حال کے ساتھ مذاق نہیں کیا جاسکتا جہاں کہ اس کے نعرہ کو جنگ کا ترانہ بننے میں دیر نہیں لگی۔ شمال مغربی سرحد میں قیام اسن اس لئے بھی زیادہ مشکل مسئلہ بن گیا تھا کہ ہندوستان اور باہر سے برطانیہ مخالف سارے عناصر یہاں اکٹھے ہو گئے تھے جیسے کہ ہندوستانی مجاہدین، ترک حکومت کے نمائندے اور حاجی صاحب آف ترنگزئی۔ اس طرح یہ علاقہ اُن کے لئے صرف ایک دوسرے سے ملاقات کی جگہ نہیں تھی بلکہ وہ یہیں سے اپنی کارروائیاں بھی کرتے تھے۔

سوات میں صورت حال زیادہ محدود اس وجہ سے تھی کہ یہاں سرتور فقیر اور سنڈاکنی بابا اپنے اثر و رسوخ کے ساتھ موجود تھے۔ سرتور فقیر 1897ء کی بغاوت کا ہیرو تھا۔ حالاں کہ اس کے بعد اُسے اپنے مقصد میں کوئی خاص کامیابی نہیں ملی تھی لیکن اب بھی وہ سرگرم تھا۔ اور سنڈاکنی بابا جو اس سے پہلے انگریز حکومت کے لئے کبھی کوئی خطرہ نہیں بنے اور جو کئی بار پولیٹیکل ایجنٹ کو اس بات کی یقین دہانی کرا چکے تھے کہ وہ کبھی بھی انگریز سرکار کے لئے کوئی مشکل پیدا نہیں کریں گے۔ لیکن جب اگست 1915ء میں برطانوی حکومت نے سواتیوں کو ادین زئی سے دور رہنے کے لئے کہا اس کے بعد سے وہ انگریزوں کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔ حالاں کہ وہ دونوں لوگوں کو جہاد پر آمادہ کرنے میں ناکام رہے لیکن وہ اس منزل کی تلاش میں سرگرم ضرور رہے۔ وہ تمام برطانیہ مخالف عناصر سے رابطہ میں رہے جو کہ باجوڑ اور بونیر میں موجود تھے۔ سرتور فقیر کا جنوری 1917ء میں 90 سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ اُس کی وفات پر برطانوی سرکاری تبصرہ کے الفاظ یوں ہیں۔

”اس کی موت سے علاقہ اچھٹی کے اس کو لگا ہوا مسلسل خطرہ ختم ہو گیا ہے اور یہ کہ اپنی زندگی کے آخری 20 سال اُس کے ذہن پہ کافروں سے جنگ کا خبا سوار رہا۔ اس دوران حالات کو خراب کرنے کا کوئی موقع اُس نے ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔“

اگست 1915ء میں سرکاری افواج پر حملہ آور لشکر کے ساتھ تھا۔ اس کی موت سے ابھنی اس خطرہ سے پاک ہوئی ہے۔  
 تاہم سنڈاکنی بابا تمام برطانیہ مخالف عناصر کے ساتھ مل کر جہاد کی ترغیب و تلقین کے کام میں مصروف رہا۔  
 عبدالجبار شاہ نے خود پولیٹیکل ایجنٹ کو اطلاع دی کہ دو ترک ایٹنی سوات بالا میں اُس کے ساتھ ہیں۔ اسی طرح دو  
 اور ایٹنی ہندوستانی شدت پسندوں کے ساتھ بوئیر (مسست) میں مقیم ہیں۔ یہ آخری انہیں بڑے ہم بنانے کے طریقے  
 سکھا رہے تھے اور یہ کہ اس کے بعد وہ سوات جانے والے ہیں۔ سنڈاکنی بابا نے ان ایٹنیوں اور ہندوستانی مجاہدین  
 کے ہمراہ سوات بالا کا دورہ کیا اور پورن چکسیر اور کوہستان کے جڑگوں کو خطوط کے ذریعے اس بات کی ترغیب دی کہ  
 جب سوات کے لوگ شموڑی اور ادیزئی نواب سے واپس لینے کے لئے جنگ شروع کریں تو وہ لوگ آکر اس کی مدد  
 کریں تاکہ وہ مل کر امریکہ پر حکومت پر حملہ کریں اس لئے کہ سواتی تو اس کے لئے تیار نہیں ہیں۔

برطانوی حکومت نے نئی طور پر سوات کے بارسوخ افراد کو پیغامات بھیجے کہ اگر وہ ادین زئی آئیں تو اس بات  
 کا خاص خیال رکھیں کہ سنڈاکنی بابا حکومت کے لئے کوئی مسئلہ پیدا نہ کر سکے۔ پولیٹیکل ایجنٹ کو یقین دہانی کرائی گئی کہ  
 سنڈاکنی بابا کو نیک نیتی خیال علاقہ سے آگے جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

مجاہدین اور دیگر برطانیہ مخالف عناصر کے دورے جاری رہے۔ باجوڑ ملا اور حاجی صاحب آف ترنگزئی نے  
 سنڈاکنی بابا کو پانچ شیخوں کے ذریعے پیغام بھیجا کہ وہ کسی بھی وقت جہاد کے لئے اُس کی مدد کو تیار ہیں۔ سنڈاکنی بابا  
 نے ان کو مجاہدین کے پاس بوئیر بھیج دیا۔ جولائی 1917ء کو مولوی تاج محمد نے کابل سے ایک بڑی رقم لاکر باجوڑ،  
 سوات اور بابا سین کی وادی کے قبائل کو تیار کرنے کی کوشش کی۔ "پروویڈنشل گورنمنٹ آف انڈیا" کے ارکان نے امیر  
 افغانستان کو برطانیہ کے خلاف جہاد کا اعلان کرنے کی ترغیب دی۔ وہ لوگ کابل سے حاجی صاحب ترنگزئی کے ساتھ  
 قریبی رابطے میں تھے اور وہ سوات میں سنڈاکنی بابا کے ساتھ رابطہ بنائے ہوئے تھے۔ افغانستان میں موجود برطانیہ  
 مخالف عناصر ترک نمائندوں پر تکیہ کئے ہوئے تھے کہ وہ قبائل سے روابط کریں گے۔ ان کے اقدامات کو نصر اللہ خان کی  
 مالی امداد حاصل تھی۔

'جرمن مشن اور ترک مشن' نے افغانستان کے دورے کئے۔ روس میں ابھی کیونٹ انقلاب تو نہیں آیا تھا  
 لیکن 1917ء میں اُس کی ابتدائی ہلچل محسوس ہونے لگی تھی۔ اس خبر سے برطانیہ مخالف عناصر اور قبائل علاقہ میں ایک  
 نئی قوت محسوس ہونے لگی۔ 3

اکتوبر 1915ء میں جب میاں گل برادران کو سوات سے تقریباً بے دخل کر دیا گیا اور وہ بالکل پس منظر میں  
 چلے گئے تو اس پر اُس وقت کے پولیٹیکل ایجنٹ نے ایک بہت ہی دل چسپ تجزیہ لکھا۔ اس سے آنے والے دنوں میں

سوات کی سیاسی صورت حال اورتمبر 1917ء میں عبدالجبارشاہ کے زوال پر بھی اچھی روشنی پڑتی ہے۔ اس سے میاں گل برادران، عبدالجبارشاہ اور سنڈاکنی بابا کے بارے میں انگریزوں کے نقطہ نظر کا پتہ چلتا ہے۔ یہ برطانوی حکومت کے ضد شدت کے بارے میں بھی بتاتا ہے اور اس سے ہمیں یہ سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے کہ سوات میں حکمران کی اس تبدیلی کے عوامل میں برطانوی عنصر کو کسی طور نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ پینٹیکل ایجنٹ نے صورت حال کا اس طرح تجزیہ کیا۔

”سوات میں نئی الوقت (جولائی 1915ء) وہاں کا نیا بادشاہ، عبدالجبارشاہ، سنڈاکنی بابا کی مدد سے اپنی پوزیشن مستحکم کرنے میں مصروف ہے۔ دو دریا کے دونوں کناروں کے قبائل پر اپنی حکومت قائم کرنے کی تک دو میں لگا ہوا ہے۔ دو یا کے بائیں جانب اس کے محل حریف میاں گل برادران تھے جو شہور اخوندآف سوات کے پوتے ہیں۔ جولائی (1915ء) میں ان کی جانب سے بابا کنڈا سے کے لوگوں پر اپنی حکومت قائم کرنے اور ان سے بزور ٹیکس وصولی کی کوشش نے لوگوں کو ان کے خلاف کر دیا۔ جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے بادشاہ نے دائیں کنارے سے ایک لشکر بھیج کر میاں گل برادران کو یہاں ان کی مقدر رعیت سے محروم کر دیا جو کہ ابھی تک انہیں اس جانب حاصل تھی۔ میاں گل برادران کے اقتدار کا اس طرف گہما گہما اور ان کی جگہ ایک انہی کا مقدر ہو جاتا ہماری حکومت کے لئے ٹیک فال نہیں ہے۔ اس لئے کہ میاں گل برادران ہمیشہ اس واماں اور ضابطہ قانون کی حمایت کرتے رہے ہیں اور (انگریز) حکومت سے ان کے تعلقات بہت اچھے رہے ہیں۔ سوات میں 1849ء کی تاریخ دہرائی جا رہی ہے۔ جیسے اُنہی وقت ایک برائے نام بادشاہ کو تخت پر بٹھا دیا گیا تھا لیکن حقیقت میں اختیارات اخوندآف سوات کے ہاتھ میں تھے۔ اس طرح اب عبدالجبارشاہ کو برائے نام بادشاہ بنایا گیا ہے لیکن اختیار سنڈاکنی بابا کے ہاتھ میں ہے لیکن فرق یہ ہے کہ اخوندآف سوات کا مقدر تھا اور یہاں سے اُس کا مفاد وابستہ تھا۔ پھر یہ کہ وہ اقتدار پسند تھا اور ہمیشہ حکومت کے جائز مطالبات ماننے کے لئے تیار رہتا تھا جب کہ سنڈاکنی ملائیک انہی سے جس کا یہاں سے کوئی مفاد وابستہ نہیں۔ پھر یہ کہ وہ حکومت کا مکمل کلاڈن ہے اور جو کہ اس وقت اپنی پوری طاقت کے ساتھ دیگر مذہبی رہنماؤں کی مدد سے سارے قبائل کو جمع کرنے کے جہاد کا اعلان کرتا چاہتا ہے۔ میاں گل برادران کے زوال اور سید عبدالجبارشاہ کی برائے نام حکومت کی شکل میں دراصل سنڈاکنی ملائیک پورے سوات پر دریا کے دونوں جانب حکومت قائم ہو گئی ہے۔“

## عبدالجبارشاہ کی معزولی

سب عوامل، واقعات اور جمہوی تناظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ عبدالجبارشاہ کی پوزیشن نے حد کزور تھی۔ چون کہ اس کا اس مٹی سے تعلق نہیں تھا، اس لئے یہاں نہ تو اُس کا اپنا کوئی خاص رُہہ تھا، نہ حمایت تھی۔ نہ تو اُس نے سوائی قیادت کے درمیان پاسے جانے والے اختلافات کو ختم کرنے کی کوشش کی اور نہ ان کے درمیان کوئی توازن برقرار رکھا بلکہ وہ تو مختلف جھگڑوں میں جانب داری سے کام لیتا رہا جیسے کہ زرین خان والے



معاہلے میں۔ جہاں تک عام لوگوں کا تعلق ہے، تو وہ نہ تو انہیں انصاف فراہم کر سکا اور نہ ہی ان کی حفاظت کا کوئی مناسب انتظام۔ ان کی غربت میں کسی طرح کی کوئی کمی لانے کے لئے نہ تو اُس کے پاس وقت تھا اور نہ ہی اُس کا کوئی ایسا لگاؤ تھا۔ وہ انہیں نواب دیر کے ظالم حکام کی دست درازی سے بچا سکا اور نہ ہی نواب دیر کے حملوں کے خوف کو کم کر سکا۔

دیر سے مستقبل کی ممکنہ جنگ کے نام پر اُس نے انتہائی غیر مقبول قسم کے ٹیکس لگائے اور اپنی فوج میں شامل ہونے کے لئے اُس نے ہر قبیلے سے افراد مانگے جو لوگوں کی ناراضگی کا بڑا سبب بنا۔ میاں گل برادران اور اُن کے حامیوں کے خیال میں وہ غاصب تھا۔ حالانکہ ابتداء میں وہ سنڈاگنی بابا کی حمایت اور سرپرستی میں حکومت کرتا رہا لیکن انگریز سرکار کا حامی ہونے کی وجہ سے وہ سنڈاگنی بابا کی اس اہم ترین مدد و حمایت سے محروم ہو گیا۔ ان سب پر سزا دیے کہ اُس کے بارے میں اس بات کا ظلم ہوا کہ وہ قادیانی ہے۔<sup>4</sup> جنہیں عام مسلمان انتہائی قابل نفرت سمجھتے ہیں۔

عبدالبارشاہ کے خیال میں سوات کے سب مسائل کا واحد حل یہ تھا کہ انگریز سرکار اسے اپنے قبضہ میں لے۔ وہ تو دل و جان سے برطانوی حکومت کا وفادار تھا لیکن وہ اُسے ہمیشہ 'سوات' کا برائے نام بادشاہ 'سوات' کا نام نہاد بادشاہ اور 'خود ساختہ بادشاہ' کے نام سے پکارتے رہے۔ نہ تو انہوں نے اُسے صحیح بادشاہ تسلیم کیا اور نہ ہی اُس کی کوئی ایسی پوزیشن تھی کہ ان کے مطالبات پورے کرتا یا اُن کے مفادات کی حفاظت کرتا۔

چوں کہ اس بات سے کئی لوگوں کے مفادات وابستہ تھے اس لئے عبدالبارشاہ کا متبادل لایا جانا ضروری تھا۔ 2 ستمبر 1917ء کو نزل قلعہ شامیرئی میں سوات والا کے ٹیک بی خیل، سیبوجئی، شامیرئی، متوزیڑی اور ہاؤزیڑی قبائل کا ایک مشترکہ جرگہ منعقد ہوا جس میں سوات والا کے مستقبل کی حکومت کے مسئلہ پر غور کیا گیا۔ 'انتہائی غور و خوض کے بعد عبدالبارشاہ کو مطلق کر دیا گیا کہ اب لوگوں کو مزید اُس کی خدمات درکار نہیں ہیں۔ اس لئے وہ 4 ستمبر کو نورانسوات سے چل دیا۔'

## نوٹس

1 کتب خانہ نیشنل رتھ: ویسٹ فرنیچر پرائیوٹ (پبلشنگ) ڈائری نمبر 1، 6 جنوری 1917ء کو ختم ہونے والا ہفت روزہ 'ٹاکسٹو آف ٹوٹی کسٹریٹس، پٹاور، ہند' نمبر 4، 53 ستمبر 1917ء، پرائیوٹ ایک نیوز پیپر اور 'رتھ ویسٹ فرنیچر پرائیوٹس کی سرحدی ایڈمنسٹریشن کے بارے میں رپورٹ، برائے سال 1916-17ء، حصہ اول، ستمبر 3 بھی ملاحظہ کیجئے۔

اگر نوآبادیاتی حکومت نے عبدالبارشاہ کی دعوت پر سوات پر قبضہ کر لیا، تو تاہم گناہ ہے کہ وہ شاید ایک بار اور

آبادیاتی حکام سے اپنی حکومت اور مفادات قربان کرنے کی بنیاد پر جاگیر اور پٹنن کا طالب ہوتا۔ اس لئے کہ اس سے قبل 1914ء میں جب نوآبادیاتی حکام نے اس سے اپنے سوات منصوبہ کو ترک کرنے کیلئے کہا تھا اور اس سے ان کی بات مان لی تھی تو اس موقع پر بعد میں اس نے صوبہ کے چیف کمشنر کو درخواست دی تھی کہ برطانوی حکومت کی خاطر اس نے جو کچھ قربان کیا تھا اور جو نقصانات اسے اٹھانے پڑے تھے، اس کا ازالہ کیا جائے۔ (دیکھیں عبدالمبارشاہ بنام چیف کمشنر، 2 اکتوبر 1914ء، نائٹز اور ریرج سٹیل ایجنسیوں کی فائل میں۔ بندل نمبر 37، میریل نمبر 1028 پراؤنٹل اور کاٹیز، پشاور)۔

مزے کی بات یہ ہے کہ نوآبادیاتی حکام نے ابتداء میں کوئی جواب نہیں دیا۔ تاہم اس یاد دہانی والی تقریر کا جس میں اس نے کہا ہے کہ میرے رجسٹری شدہ خط 12 اکتوبر 1914ء کا ابھی تک مجھے کوئی جواب نہیں دیا گیا، جو کہ سوات کے معاملات کے بارے میں تھا (عبدالمبارشاہ بنام آئی ایس ڈولڈ، سی ٹی ای۔ این ڈبلیو ایف پی، تاریخ نمادہ، ایضاً) جواب یوں دیا گیا کہ زبردستی کوہدایت کی گئی ہے کہ عبدالمبارشاہ کو بتایا جائے کہ چیف کمشنر اس کے 2 اکتوبر 1914ء کے خط کا کوئی جواب دینا ضروری نہیں سمجھتے۔ (سکرٹری چیف کمشنر بنام عبدالمبارشاہ، 22 دسمبر 1914ء، ایضاً)۔

2. مشہور ہندوستانی انقلابیوں مولوی برکت اللہ، ہند پر تاپ اور عبید اللہ سندھی نے 'موری حکومت ہندو افغانستان کی سرزمین پر قائم کی تھی جس کا صدر ہند پر تاپ کو بتایا گیا تھا۔ انہوں نے برطانیہ کے خلاف ترکی سے اتحاد بھی قائم کر لیا تھا۔ ایس جی ایف ڈبلیو ایف پی ایئر سٹریٹن انڈر برٹش رول، 1901-1919ء (اسلام آباد: نیشنل کمیشن آن ہسٹاریکل اینڈ جیولر ریرج، 1978ء)، صفحہ 93۔

3. دیکھیں محمد علی قصوری کی کتاب مشاہدات کاہل و باطنان (کراچی: انجمن ترقی اردو (پاکستان)، تاریخ نمادہ، صفحات 129-130)۔ اس کتاب کو افغانستان، باجوڑ، سوات، بلوچ اور قبائلی پٹی میں جاری برطانیہ مخالف سرگرمیوں کی تفصیل جاننے کے لئے پڑھا جاسکتا ہے۔

4. نام ڈھری ٹیک پی ٹیل کے ایک مآثر نے ہندستان سے واپسی پر یہ بات افشا کی کہ عبدالمبارشاہ قادیانی ہے۔ وہ قادیانیوں کے لاہوری گرو سے تعلق رکھتا تھا۔ دیکھیں تاج محمد خان زبیر سرکی مرحوم ج افغان، جلد 1 (منظور عام الیکٹریک پریس پشاور میں چھپی، 1360 ہجری)، صفحات 194-195۔ ڈبلیو آر ہے (W. R. Hay) کی مٹوگراف آن سوات اسیٹ (شملہ: گورنمنٹ آف انڈیا پریس، 1934ء)، صفحہ نمبر 6 اور محمد علی قصوری کے مشاہدات کاہل و باطنان، صفحات 75-76 بھی دیکھیں۔

5. کنڈیشنل پراؤنٹل (پولٹیکل) ڈائری نمبر 36، 8 ستمبر 1917ء کو ختم ہونے والے ہفتہ کے مطابق عبدالمبارشاہ کو حکومت سے بے دخل کرنے کے لئے جس جگہ میں فیصلہ کیا گیا تھا وہ شموزی سوات میں منصفہ ہوا تھا لیکن مقامی روایات اور تاج محمد خان زبیر کے مطابق یہ جگہ گرتل کے قلعہ شامیزئی علاقہ میں منصفہ کیا گیا تھا۔ (اس کے لئے دیکھیں تاج محمد خان زبیر، سرو رورج افغان، جلد 1، صفحہ 196)۔ شموزی طہاٹی غلط لگتی ہے۔

## استحکام: دوسرا مرحلہ

1917ء تا 1943ء

### میاں گل عبدالودود کا تقرر

عبدالجبار شاہ کے رخصت ہونے سے میاں گل عبدالودود (1883 تا 1971ء) کو ایک سنہری موقع ہاتھ لگا کہ وہ سوات کی سرزمین پر اپنے ذنیوی اور روحانی بادشاہت کے دیرینہ خواب کی تعبیر کو عملی جامہ پہنا سکے۔ قسمت اُس کے ساتھ تھی اس لئے کہ اس وقت اس منصب کے لئے اُس کا حقیقی حریف صرف نواب دیر ہو سکتا تھا لیکن وہ اس دوران جندول کے مسائل میں اتنا الجھا ہوا تھا کہ سوات کی طرف توجہ کرنا اُس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ اس مقصد کے لئے منفقہ جڑگوں میں اُس کی حمایت کی سب سے بڑی وجہ اُس کا سیدو بابا کا پوتا ہونا تھا۔ یہی اُس کا سب سے بڑا سرمایہ اور تھھیارتھا۔ اس کو دیکھتے ہوئے بالآخر اُسے سوات کا بادشاہ بنا لیا گیا۔

اُس کا یہ منصب سنبالنے کی اصل تاریخ یقینی طور پر معلوم نہیں۔ شمال مغربی سرحد کی صوبائی خفیہ ڈائری نمبر 36 میں جس پر ہفت ختم ہونے کی تاریخ 8 ستمبر 1917ء درج ہے یہ تحریر ملتی ہے کہ عبدالجبار شاہ کی بے دخلی کے بعد لوگوں نے اُس کے آدمیوں سے قلعے لے لئے ہیں اور جڑگوں کا انعقاد جاری ہے جہاں پر اس خواہش کا اظہار ہو رہا ہے کہ اگر بزرگ کو مداحلت کر کے سوات کو اپنے قبضہ میں لے لینا چاہئے۔ اس کے بعد والی ڈائری بتاتی ہے کہ نیک بی خیل اور ستوڑیزئی قبائل نے ملکہ طور پر اُس کی حکومت کو تسلیم کر لیا ہے۔

اس کے بعد والی ڈائری نمبر 38 میں جس پر اُس ہفت کی اختتامی تاریخ 22 ستمبر 1917ء درج ہے لکھا ہے کہ سوات بالا کے پورے علاقہ نے ماسوائے ابان خیل، موئی خیل، عزی خیل اور چنگی خیل کے میاں گل گل شہزادہ کو بادشاہ تسلیم کر کے اُسے حاصل دینے کی حامی بھری ہے۔ عزی خیل اور چنگی خیل اس ضمن میں اپنا الٹا عمل طے کرنے

کے لئے جرمے کر رہے ہیں۔ ستمبر 1917ء کا دوسرا ہفتہ تھا کہ چندا خوروہ کے (جسے اب مولانا کھل کہا جاتا ہے) سبزہ زار پر اُس کے سر پر حکمرانی کی مجزی رکھ دی گئی۔ عبدالجبار شاہ کی جائے قیام بھی یہی جگہ تھی۔ آہستہ آہستہ سارے قبائل نے اُس کی حیثیت تسلیم کر لی۔

## ریاست سوات کی بنیاد

اس عمومی غلط فہمی کو دور کرنا انتہائی اہم ہے کہ ریاست سوات کی بنیاد میاں گل عبدالودود نے رکھی ہے یا یہ کہ وہ اس ریاست کا بانی تھا یا اس کا پہلا بادشاہ تھا یا اس کا پہلا حکمران تھا۔ یہ بات سمجھنی آسان ہے کہ کیوں، کیسے اور کب یہ ریاست وجود میں آئی اور یہ کہ اس کے بانی مہائی کون تھے۔ مارچ 1915ء میں نواب دیر کی حکومت ختم کر کے اپرمل 1915ء میں اس نئی ریاست کا قیام کسی کرشمہ ساز رہنما کا کارنامہ نہیں ہے بلکہ یہ سوات کے سیاسی قائدین کے ایک حصہ کی مربوط جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ ان کی سیاسی تنظیم کی نمایاں خصوصیت اس بات پر مسلسل اصرار تھا کہ 'آزادانہ انتخاب و معاہدہ' اس طرح ایک نئی ریاست قائم کر کے 'کرشمہ ساز قائد' کو سوپ دی گئی۔

اکبر ایس احمد کا کہنا ہے کہ کرشمہ ساز قیادت بے عملی کے ساتھ حالات کا انتظار نہیں کرتی بلکہ وہ حالات کی تخلیق کرتی ہے۔ تاہم یہاں اُن کے اس کرشمہ ساز لیڈر میاں گل عبدالودود نے حالات و واقعات کی تخلیق نہیں کی بلکہ وہ تو دوسروں کے تخلیق کردہ حالات سے بھی فائدہ نہیں اٹھا سکا۔ یوں اس کرشمہ ساز قائد کی ملائذ میں تعینات انگریز پولیٹیکل ایجنٹ سے مشورہ کئے بغیر اقتدار سنبھالنے سے لائقیتی کا اظہار اور بروقت موقع سے فائدہ اٹھانے میں ناکامی ہی کا نتیجہ تھا کہ اپریل 1915ء میں سیاسی اقتدار میاں گل عبدالودود کی جگہ عبدالجبار شاہ کو سوپ دیا گیا۔

یہ سیاسی قیادت کی طرف سے آزادانہ انتخاب اور معاہدہ کے حق کا آزادانہ استعمال ہی تھا کہ اس ریاست کی حکمرانی کی پیش کش مختلف افراد، ہندوستانی مجاہدین کے امیر نعت اللہ اور حاجی صاحب آف تگنزی کو بھی عبدالجبار شاہ کے عہد میں کی گئی تاکہ ایک مضبوط حکومت کی خواہش کو پورا کیا جاسکے بلکہ اس مقصد کے حصول کے لئے انگریز سرکار سے بھی کئی بار درخواست کی گئی کہ وہ اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لے لے۔ 'سیاسی قیادت' کا یہ خاص حصہ تھا جس نے اپنے 'آزادانہ اختیار و معاہدہ' کی طاقت کا استعمال کرتے ہوئے عبدالجبار شاہ کو تخت سے اتار کر اس کی پینکشن ایک بار پھر اُس 'کرشمہ ساز قائد' کو ردی جو نہ صرف یہ کہ ماضی میں اس پیش کش کو ٹھکرانے پر پشیمان تھا بلکہ جسے باقاعدہ سرکاری سرپرستی بھی حاصل تھی۔ اپنی کرشمہ ساز شخصیت اور روحانی سلسلہ نسب کے باوجود وہ ماضی میں دوبار اُن حالات و واقعات سے فائدہ اٹھانے میں ناکام رہا تھا جو دوسروں کے پیدا کردہ تھے لیکن ستمبر 1917ء میں اُسے بہر حال بادشاہ

مقرر کر دیا گیا۔

میاں گل عبدالوود نہ تو ریاست سوات کا بانی تھا اور نہ ہی اس کا پہلا حکمران تھا۔ ریاست سوات کے دراصل بانی وہ لوگ تھے جنہوں نے فروری 1915ء میں سوات میں نواب دیر کے خلاف متحد ہو کر اس کا اقتدار ختم کر دیا تھا۔ مارچ میں پانچ کئی کنسل کا قیام اور 24 اپریل 1915ء کو عبدالجبار شاہ کو اس نواز امیدہ ریاست کا پہلا بادشاہ بنا دیا تھا۔ اس طرح اس ریاست کو قائم کرنے کا اعزاز سیاسی قیادت کے اُس حصہ کو حاصل ہے اور اس کا پہلا بادشاہ ہونے کا اعزاز عبدالجبار شاہ کے پاس ہے۔ اسے ایچ دانی نے بھی اکبرائیس احمد کے اس دعویٰ کو غلط قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اُس تاریخی پس منظر میں اکبرائیس احمد کا کسی نوپنی سازی کی تحریک کے نتیجہ میں اس ریاست کے ارتقاء کا نظریہ یہاں کسی طور ٹھیک نہیں بیٹھتا۔

چارلس لنڈھامز نے فریڈرک ہارٹھ، اکبرائیس احمد، میاں گل عبدالوود اور سیکر کے حوالہ سے یہ بات کہی ہے کہ بیسویں صدی کی ابتدا میں بدلے اتحادوں کے ایک ڈھانچہ پر ایک قسم کی مرکزی حکومت مسلط کر دی گئی۔ اگرچہ یہ بعد میں مستحکم ہو گئی اور اس کے استحکام میں اضافہ ہوتا رہا لیکن یہ مرکزی حکومت مسلط کر دہ نہیں تھی بلکہ یہاں کی قیادت کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ عبدالوود، ہارٹھ، لنڈھامز، اور اکبرائیس احمد کے ریاست کے آغاز کے بارے میں بیانات غلط بیانی پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ گم راہ کن ہیں۔ تاہم یہ بات صحیح ہے کہ میاں گل عبدالوود کو پہلا حکمران ہے جسے انگریزوں نے سرکاری طور پر تسلیم کیا لیکن ایسا بھی بہت بعد میں یعنی 1926ء میں ہوا اور وہ بھی والی (حاکم) کے لقب کے ساتھ، بادشاہ یا باچا کا لقب قبول نہیں کیا گیا۔

### چیلنج اور رکاوٹیں

سوات کا حکمران مقرر ہونے پر عبدالجبار شاہ کے مقابلہ میں عبدالوود کی پوزیشن مقابلتاً بہتر تھی، چون کہ اُس کا تعلق سوات سے ہی تھا اور اُس کا اپنا ڈلہ (دھڑا) موجود تھا۔ اُسے 1877ء میں وفات ہو جانے والے اخوند آف سوات کے (جو اُس کا دادا تھا) مریدوں کی حمایت حاصل تھی۔ علاوہ ازیں ایک تو اُس نے عبدالجبار شاہ کو درپیش مشکلات اور اس کی راہ میں حائل رکاوٹوں سے خاصا کچھ سیکھ لیا تھا، دوسرا یہ کہ اُسے حکومت اور انتظامیہ کا ایک بنیادی قسم کا ڈھانچہ سائبند حکومت سے ورثہ میں مل گیا تھا، جس پر ایک عمارت تعمیر کی جاسکتی تھی۔

تاہم یہ کام آسان ہرگز نہیں تھا۔ اُسے اب بھی نواب دیر کی طاقت سے نمٹنا تھا۔ اسی طرح سنڈاکنی بابا کو بھی جو شہرت اور اثر و رسوخ حاصل تھا، وہ کسی بھی وقت مستقبل میں خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ پھر اُس کے اپنے بھائی میاں

گل شیرین جان سے بھی معاملات صاف نہیں ہوئے تھے۔ اُسے بھی وادائے کی مریدوں کی حمایت حاصل تھی۔ وہ بھی اقتدار کا خواہش مند تھا اور اس مقصد کے لئے پہلے بھی اُس سے لڑ چکا تھا۔ مزید برآں معزول بادشاہ عبدالجبار شاہ سب کچھ صاف کر کے آرام سے ایک جاہ بیٹہ جانے کے لئے یقیناً تیار نہیں تھا۔ اس پر دستزادہ ورواتی بہت دحرم طاقت و قیادت تھی جو آسانی سے اپنا سب اختیار و اقتدار اور حیثیت ایک ایسے شخص کو سپینے کے لئے تیار نہیں تھی جس کی وہ عزت تو کرتے تھے لیکن اطاعت کسر شان سمجھتے تھے۔ ایک ایسی منظم بااختیار حکومت کا قیام جو اسن وامن قائم کرنے کے ساتھ ساتھ ریاست کو ترقی کی راہ پر بھی گامزن کر سکے، اب بھی اِدوانے کا خواب لگتی تھی۔ انتظامی ڈھانچہ بالکل ابتدائی نوعیت کا تھا۔ افواج غیر منظم اور ناکافی تھیں۔ پیر کی لکت تھی۔ حالانکہ برطانوی حکومت سے وفاداری کا رشتہ آغاز ہی سے قائم تھا لیکن اس پر عکس ان کی حیثیت سے اعتماد پیدا ہونے کے لئے ضروری تھا کہ سوات کے سیاسی حالات اور عالمی منظر کی ہمینی سے اُسے صحیح سلامت کنڈن ہو کے لگتا تھا۔ جنگ عظیم اول جاری تھی اور برطانیہ مخالف عناصر کی سرگرمیاں ہندوستان کے باہر اور اندر اور خصوصاً جس علاقہ میں سوات واقع ہے، وہاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ مزید برآں روس میں 1917ء کے انقلاب کے بعد آنے والے عسکروں کو زار سے مننے والے ترک پر اب نظریہ کی طاقت کا پانی بھی چڑھ گیا۔ اور سوات کے محل وقوع کی ترویجی اہمیت روس کی سرحد سے قریب ہونے اور فوجی جلال کا حصہ ہونے سے مزید بڑھ گئی۔ جس نے ترکی، ایران اور افغان پٹی کی شکل میں سوویت یونین کے ایک طرف کو کھیرا ہوا تھا۔

اپنے اقتدار اور پوزیشن کو مستحکم کرنے کے لئے اُس کو ان تمام مسائل سے نمٹنا تھا لیکن حقیقت میں اُس کی عہد حکومت میں ریاست سوات کو صحیح معنوں میں استحکام اور توسیع نصیب ہوئی۔ ایک برطانوی سرکاری رپورٹ کے مطابق:

”میں گل نے انتہائی زور دیا اور طریقے سے اپنی سلطنت کو مستحکم کرنے کا آغاز کر دیا۔ سب سے پہلے اُس نے 3000 کی فوجی پر مشتمل نیا ہی بھی طرح سے مسلح فوج بنائی۔ اُس نے کمزورے ٹریڈ نے پرکائی رقم لگائی۔ اس بات کی حوصلہ افزائی کی کہ سوات اعلیٰ درآمد تیز رفتاری سے ہو سکے۔ اطوار گول بارود بنانے کی فیکٹریاں لگائیں اور لٹڈز کے اور گوزہ میں دریا کے دونوں جاہ جنگی وصول کرنے کے لئے پوکیاں بنائیں۔“

### عبدالوود اور شیرین جان

اپنے بیٹے میاں گل جہان زیب کے القاصد میں میاں گل عبدالوود ریاست سے باہر والے کسی دشمن سے اتنا خوفزدہ نہیں تھا جتنا کہ ریاست کے اندر بننے والے دشمن سے تھا۔ اُس کا بھائی میاں گل شیرین جان اُس کا ایب خریف

تاجور باست کیا خاندان کے اندر کا ایک فرد تھا۔ پچازاد بھائیوں کا پٹا صاف کرنے کے بعد خاندان کے اندر میں ایک حریف رو گیا تھا۔ دونوں میں سے ہر ایک کے اپنے حمایت کرنے والے تھے اور دونوں کے اپنے اپنے بلند عزائم تھے۔ حالانکہ ہاشمی میں دونوں عبدالبہار شاہ کے خلاف متحد ہو گئے تھے لیکن اب جب ایک اقتدار کی کرسی پر بیٹھ گیا تو دوسرا ایسا امکانی حریف بن گیا جس کے ارد گرد سارے غیر مطمئن و ناخوش عناصر اکٹھے ہو گئے۔ سوات کے نرودوں میں بنے ہوئے معاشرہ میں یہ خلاف توقع بات نہیں تھی۔ اس طرح سال کے اندر ہاپوزنی کے بااثر جمروز خان اور اس کے سارے اتحادیوں نے اپنی وفاداری شیرین جان کی طرف منتقل کر دی۔ اس سے عبدالودود کی روز افزوں طاقت کو ایک جھٹکا لگا۔ اس کے علاوہ سرکاری معاملات میں بھائی کی مداخلت بھی عبدالودود کے لئے آزر دہی کا باعث تھی۔ اس لئے اب وہ شیرین جان کو اپنی راہ میں ایک رکاوٹ کے طور پر دیکھنے لگا۔

اب وہ بہر طور اس رکاوٹ سے جان چھڑانے کا طالب تھا۔ اس لئے 80 افراد پر مشتمل دستہ کی قیادت شیرین جان کو سونپ کر شوزنی علاقہ کے گاؤں گزلی خزانہ کے قلعہ میں تعینات کر دیا گیا جو کہ برکی سرحد پر واقع تھا۔ 11 اگست 1918ء کو دہری کی فوج اس علاقہ میں گھس آئی اور بار بار تک طلب کرنے پر بھی سوات کی فوج کو وہاں جانے سے روک رکھا گیا۔ نتیجتاً اس مقابلہ کے نتیجہ میں شیرین جان اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اس طرح ایک ممکنہ حریف اور عبدالودود کی حکومت کی راہ میں بڑی رکاوٹ کا خاتمہ ہو گیا۔ اپنے بھائی کی موت کے اس موقع پر اس کا یہ چشم کشا تبصرہ کہ شیرین جان مر گیا لیکن ریاست بچ گئی، عبدالودود کے پوشیدہ ارادوں اور غدشات سے اچھی طرح پردہ اٹھا تا ہے۔ ڈبلیو آر ہے (WR Hay) اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ مکمل شیرازہ کی پوزیشن کو مکمل طور پر محفوظ بنانے کے لئے شیرین جان کا منظر سے ہٹایا جانا اہم ترین واقعہ ہے۔

### عبدالودود اور سنڈاکنی بابا

سوات کے معاملات میں سنڈاکنی بابا کو جو عمل دخل حاصل تھا وہ سب پر عیاں تھا۔ ان کی شخصیت اور حیثیت عبدالبہار شاہ کے عہد سے پہلے اور اس کے دوران لوگوں کو یکجا کرنے کا بڑا ذریعہ تھی۔ لوگوں کے ذہنوں پر ان کا ایسا اثر تھا کہ اگر وہ مستقل طور پر سوات میں قیام کرتے تو یقیناً سید بابا کی حیثیت نامہ پڑ جاتی۔ میاں گل برادران اور سید بابا حزار کے گھرانے ابوبکر المعروف پانٹھی ملانے علی الاعلان ان کی مذمت کی۔ اپنے اثر و رسوخ اور اہمگر بڑ حکومت و میاں گل برادران کی مخالفت میں حاجی صاحب آف ترنگزئی کے ساتھ ہم کاری کی وجہ سے وہ ایک ناپسندیدہ شخصیت قرار پائے۔ میاں گل برادران نے الزام لگایا کہ سنڈاکنی بابا حاجی صاحب آف ترنگزئی اور ان کے ہم کار لوگوں اور اسلام

کے لئے صرف مصیبتوں کا باعث بنے ہیں اور یہ کہ وہ جس قدر جلد ہے اسی قدر پھیلانے سے باز آ جائیں اتنا ہی بہتر ہے۔ پاستی ملانے ان کو پہنچ کرتے ہوئے کہا کہ

”وہ مامی صاحب آف زنگڑی سنڈا اکی ملا اور ان کی طرح کے دیگر ملاؤں کو پہنچ کرتے ہیں کہ وہ جب اور جہاں چاہیں ان سے سامعہ کر کے دیکھ لیں۔ وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ان پر عہد کر دیں گے کہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے اور کر رہے ہیں وہ اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے۔“

جب شامیزئی، سیبوجنی اور نیک بی ٹیل کے جرگوں نے میاں گل برادران سے نواب دیر کے خلاف تعاون مانگا اور اُس کے لئے انہیں ہاؤزنی علاقہ دینے کی پیشکش کی تو انہوں نے اصولاً تو یہ بات مان لی لیکن اُس وقت تک قرآن پر ہاتھ رکھ کر یہ حلف لینے سے انکار کیا جب تک کہ سنڈا اکی ملا سوات سے نکل نہ جائیں۔ لیکن اقتدار کی بھوک اور مایوسی نے انہیں بھی ہاتھ فرسندا اکی بابا سے سلسلہ جہنابی پر مجبور کر دیا اس لئے کہ اُس کے تعاون و آمدگی کے بغیر انہیں اس تخت کا ملنا ممکن نہیں تھا۔ سنڈا اکی بابا سے مفاہمت کے بعد ہی عبدالودود کو اپنے مقصد میں کامیابی نصیب ہوئی۔ تاہم وہ سنڈا اکی بابا کے اثر و رسوخ سے حسد محسوس کرتا رہا اور جب اُس کی اپنی پوزیشن مستحکم ہو گئی تو اُس نے اس رسوخ کو کم کرنے پر کام شروع کر دیا۔ ہاتھ فرسندا اکی بابا سوات کو بہتان چلے گئے۔

18 مارچ 1918ء کو عبدالودود نے نواب دیر کے باجوڑ میں مصروف ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے نواب کے ایک قلعہ شہر پر حملہ کیا لیکن ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ سوات کا جرگہ سنڈا اکی بابا سے نواب کے خلاف مدد کی درخواست لے کر ان کی تلاش میں کوہستان گیا۔ وہ شامیزئی علاقہ میں آیا جہاں اُس کی عبدالودود سے مفاہمت کرائی گئی۔ اُس نے مختلف گروہوں کے درمیان موجود اختلافات ختم کرائے اور وہ قلعے اور برہم جہل جو صرف قبائلی رقابتوں اور منافقتوں کی وجہ سے تقسیم ہوئے تھے انہیں گرا دیا۔ ان باتوں سے بالواسطہ عبدالودود کی پوزیشن مضبوط ہوئی۔ سنڈا اکی بابا قبائل کو نواب کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوئے لیکن نواب کی افواج کامیاب ہوئیں۔ اس کی وجہ عبدالودود میں جنگی و ترذیراتی معاملات کے لئے مظلومہ صلاحیت کا فقدان تھا۔

بہر حال سنڈا اکی بابا مامی صاحب آف زنگڑی اور دیگر ملاؤں نے شیرین جان کی موت کے واقعہ کو سوات، دیر، ہندول اور گندب میں نواب کے خلاف استعمال کیا۔ شیرین جان کی موت سے عبدالودود کو درد ہوا فائدہ ہوا۔ ایک تو اس طرح ایک زبردست حریف کا خطرہ ختم ہو گیا اور دوسرا یہ کہ اسی چیز کو دشمن کی پوزیشن کمزور کرنے کے لئے استعمال کیا گیا۔

سنڈا اکی بابا ایک بار پھر باجوڑ سے سوات آئے اور یہاں سوات بالا میں ایک تلخیری مہم شروع کی۔ یہ بات کہی گئی ہے کہ میاں گل نے سنڈا اکی ملا کو یہ مہم چلانے پر مجبور کیا تاکہ ممکنہ طور پر انہیں لوگوں میں غیر مقبول بنا دیں۔



انہوں نے سوات میں رہائش اختیار کی اور باجوڑ جانے کی دعوت قبول نہیں کی۔ تاہم انہوں نے عبدالودود کی طرف سے سوات پر سے انگریز جہازوں کی پروازیں گزرنے کی اجازت دینے کی مخالفت کی اور پراسرار سرگرمیوں میں ملوث رہا۔ سالدار ودخان قذین سے خفیہ بات چیت کی۔ وہ عبدالودود سے اس لئے بھی ہاراش تھے کہ سیپو جنی علاقہ میں ان کے دیہات انہیں واپس نہیں کئے گئے۔ عبدالودود اس معاملہ میں ان پر الزام لگاتا تھا کہ وہ سوات میں ان کا اثر و رسوخ ختم کرنے کے لئے سیپو جنی کے امیر خان کا ساتھ دے رہے ہیں۔

عبدالودود نے محسوس کر لیا تھا کہ ایک جی اور ایک حاکم ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ اس لئے حاکم صرف اور صرف ایک ہونا چاہئے۔ اور اگر آپ حاکم ہیں تو آپ کو جی کا اثر و رسوخ ختم کرنا چاہئے۔ اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر جی کو بنانا چاہئے۔ اس لئے وہ سنڈاکنی بابا کے دیر فرار کا سبب بنے۔ وہاں سے سنڈاکنی بابا نے قبائل اور نواب کو عبدالودود کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے کی حتی الامکان کوشش کی۔ نواب ان سے مملو از کرتا رہا لیکن سوات پر حملہ نہیں کیا۔ بہر حال نواب دیر میں ان کی موجودگی کو عبدالودود کے خلاف دباؤ بنانے رکھنے کے لئے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا رہا۔ بالآخر سنڈاکنی بابا کی مسلسل مخالفت سرگرمیوں کی وجہ سے عبدالودود نے انہیں 'کافر' قرار دے دیا۔ چوہدری 1927ء کو پابندہ خیل علاقہ کے ایک علاقہ کوہان میں ان کی موت سے نواب دیر کی طرف سے سوات پر حملہ کے امکانات تقریباً معدوم ہو گئے۔

عبدالودود نے صرف سنڈاکنی بابا ہی کو فرار پر مجبور نہیں کیا بلکہ ان دیگر تمام جیوں کو بھی سوات سے نکال باہر کیا جو لوگوں پر سیاسی اثر و رسوخ استعمال کرتے تھے۔

### عبدالودود اور دیر، اُمب و اندرونی صورتِ حال

عبدالودود اور شاہ کے عہد میں ریاست سوات اور نواب دیر کے درمیان حالات کشیدہ رہے۔ عبدالودود کے برسرِ اقتدار آنے سے اس صورتِ حال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ عبدالودود کے خلاف اتحاد قائم کرنے کے لئے نواب دیر، خان آف خار اور عبدالجبار شاہ کے درمیان تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ عبدالودود نے اس اتحاد کے خلاف عمر خان آف چندول کے بیٹوں سے اتحاد کر لیا۔ آنے والے برسوں میں نواب دیر اور سوات کے باہا صاحب کے درمیان لڑائی جھگڑا چلا رہا۔

نواب نے سوات میں اپنے کھوئے ہوئے علاقے واپس لینے کی کوشش کی۔ سوات والا میں سیپو جنی کے تاج محمد خان اور شامیرزی کے ماسم خان کے گرد ہوں کے درمیان لڑائی چھڑ گئی جو نیک پٹی خیل اور شموڑئی علاقہ تک پھیل گئی

تین مہرہ اور دو ان کے درمیان معاہدہ کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ اُس نے تاج محمد خان کو اپنے ملاقہ میں قیام کی اجازت دی اور فریقین سے یکساں برتاؤ کا وعدہ کیا۔

مہرہ اور دو کے زیر اثر ملاقہ میں مسلسل تنازعات سر اُبھارتے رہے۔ وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ان میں ملوث ہوتا رہا۔ چونگیوں کے قیام اور ہر گھر پر ایک روپیہ ٹیکس لگانے سے اُس کے خلاف شدید احتجاج ہوا اور اُسے غیر مقبول بنانے کا سبب بنا۔ دریا کے دائیں جانب کے قباک میں بے چینی پھیل گئی اور ایک برطانوی سرکاری ڈائری کے مطابق 'دو میاں گل کی حکومت میں حملہ ہے۔ یہیں فیل قباک میں بھی بے چینی پھیل گئی۔ عبد الجبار شاہ نے چکیس کی جانب سے آکر میاں دم کے مضبوط گڑھ کو قبضہ کرنا چاہا جس کے بارے میں خیال تھا کہ وہ کارروائی کے لئے اچھا نقطہ آغاز ثابت ہو سکتا ہے۔ تاہم مہرہ اور دو نے حفظہ مقدم کے طور پر اس پر حملہ کیا اور آسانی سے اس پر قبضہ کر لیا۔ حبیب اللہ خان المعروف میاں دم خان کو اپنے لوگوں اور اسطو کے ساتھ کوستان جانے کی اجازت دے دی گئی۔ عبد الجبار شاہ ایک تماشائی کی طرح یہ سب دیکھتا رہا اور پھر بغیر کچھ کے اس ملاقہ سے نکل گیا۔ نواب دیر مہرہ اور دو کی اس کامیابی پر بہت مضطرب ہوا اور عبد الجبار شاہ نے اپنی ناکامی کی ذمہ داری یہ کہہ کر نواب پر ڈال دی کہ اُس نے وعدہ کے مطابق اپنی کمک نہیں بھیجی۔ بہر کیف نواب دیر، عبد الجبار شاہ اور سوات کے کئی سرکردہ افراد کے درمیان خط و کتابت جاری رہی۔

اس دوران داخلی واقعات و بے چینی کی صورت حال نے سوات کے باچا کو پریشان کئے رکھا۔ 28 ستمبر

1921ء کو ان دنوں نے ہاتھوں میں آزادی کا اعلان کر دیا اور اُس کی اطاعت سے انکار کر دیا۔ اور سواتی لشکر اُس کی خواہش، فہمائش کو نظر انداز کر کے اس معاملہ سے الگ تھلک رہا۔ اُسے لشکر بنانے میں بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور بالخصوص نیک بی خیل ملاقہ اُسے متوقع حمایت دینے میں پس و پیش سے کام لیتا رہا۔ اس لئے اُس نے ان کے کئی رہنماؤں کو ضیافت کے بہانہ بنا کر قید کر دیا۔ پھر اس نے نیک بی خیل، سیو جی اور شامیزئی قباک کے برسر اقتدار گروہ کو اپنی میٹیم بھیجا کہ جب تک نواب دیر خال میں قیام کرے وہ آ کر سید میں رہیں یا اپنے علاقے چھوڑ دیں۔ انہوں نے دوسری بات قبول کی اور نواب دیر کے پاس چلے گئے۔ اس طرح مہرہ اور دو نے اپنے خلاف نواب دیر، عبد الجبار شاہ اور سواتی قباک کے خوش حصوں کو اتحاد بنانے کا موقع دیا۔ نواب نے اپنے بھائی کو سوات کو ہستان بھیج کر حبیب اللہ خان المعروف میاں دم خان کے ساتھ مل جانے کے لئے کہا اور اس طرح میاں گل کے دائیں بازو کو خطرہ میں ڈال دیا۔ اسی دوران اُس نے نواب سب کے توسط سے عبد الجبار شاہ سے سلسلہ چنبانی کی کہ "وہ میاں گل کے مقب میں طاقت کا مظاہرہ کرے۔"

سات کے لوگوں پر اپنی بے اعتمادی کا مظاہرہ مہرہ اور دو نے 5 نومبر 1921ء کو موقع پر اس طرح

تیا کہ اُس نے انتہائی اہم فوجی عہدے غیر مقامی افراد کے حوالے کئے جس پر اُس کے خلاف چیلنجیں شروع ہو گئیں۔ اُس نے فی الفور خان آف خار سنڈا کی باہر باہر و ملا کو بیٹامات بھیجے کہ وہ باجوڑ میں نواب دہر کے لئے مشکلات کمزری کریں۔ سنڈا کی باہر نے خشی الوسع کوشش کی کہ خان آف خار سوات کے باپا کا ساتھ دے لیکن یہ بات اسے سے پہلے اُس نے اپنے آدی کو پولیٹیکل ایجنٹ کے پاس مشورہ کے لئے بھیجا۔ عبدالوہود کی پوزیشن انتہائی نازک تھی۔ اُس کے اپنے الفاظ میں:

”1921 میں ہمیں مجموعی طور پر جو مشکلات و خطرات درپیش تھیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے میں اس صورت حال کا ہوں تجویز کروں گا۔

1. نواب دہر تو پہلے سے ہی اپنی پوری طاقت کے ساتھ حملے کے لئے ہوتل رہا تھا۔
2. سوات کے سابق حکمران عبدالجبار شاہ نے راجست مہب کے نواب کی مدد سے حملہ کرنے کے انتظامات مکمل کر لئے تھے۔
3. دیگر پولیٹیکل ایجنٹ کے اگسٹے کے سوات کے کئی علاقے اور خواتین میراقتہ آنے کے لئے کسی مناسب موقع کا انتظار کر رہے تھے۔

4. کوہستانوں کا ایک لشکر جر سوات پر حملے کے لئے تیار تھا۔
- مجھے اس بحران کا بغیر کسی گھٹس دوست کی مدد اور مشورہ کے تنہا مقابلہ کرنا تھا۔“
- ادین زئی بغاوت کی ناکامی کے واقعات کو بیان کرتے ہوئے عبدالوہود کہتا ہے کہ
- ”مجھے سندھ جزیل پانچ گاؤں پر لانا تھا۔

1. سنجہ (یک لپٹیل) میں سوات کے ہائی ٹرائین کوڈر کرنا تھا۔
  2. دین میں ملتا اور کوہستانی لشکر کو پیچھے دھکیلنا تھا۔
  3. نواب مہب کو کڑا کر سے مار بھگانا تھا۔
  4. اپنے قہر طاقت و دشمن نواب دہر کی جمع افواج کو ادین زئی میں پیچھے ہٹنے پر مجبور کرنا تھا۔
  5. برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ کی باقیات کا رد و انہیں اور خفیہ رہا جانے کا ذکر کرنا تھا۔
- مجھے اسی ہی ان چاروں گاؤں کی نگرانی کرنی تھی فوجی لڑاکا دستوں کا انتظام، ان تک اہلکار اور غوراک کی بار روک ٹوک، رسد اور ان کا حوصلہ بلند رکھنے کی تدابیر۔“

عبدالوہود نے سوات ہلال کی فوج کو ادین زئی سے واپس بلا کر سنجہ میں پوزیشن سنبھالنے کے لئے کہا۔ جنگی خیل اور غزی خیل کے دستوں کو مدین بھیجا، اور ابا خیل اور موسیٰ خیل کے لشکر کو کڑا کر روانہ کیا۔ مخالفین کی طرف سے حملہ کرنے میں ناکامی نے عبدالوہود کو ان سے سفارتی ذریعہ سے ٹھنڈے کا سنہری موقع فراہم کیا۔ پہلے اُس نے ابا خیل اور موسیٰ خیل کے جڑوں کی حمایت حاصل کی اور پھر بونیر کو بھی ساتھ ملا لیا۔ جس سے مہب کی افواج واپس لوٹنے پر مجبور ہو گئیں۔ یکے بعد دیگرے دوسری فتوحات بھی آنا شروع ہو گئیں۔ نواب مہب کے چسپا ہونے کے دن ہی سوات

کے قوانین کی بنیاد بھی کھلی دی گئی۔ کچھ ہی دن بعد نواب دیر کے اوج پر حملہ کو اس نئی طرح سے ناکام بنا دیا گیا کہ وہ جنگ بندی کے لئے بات چیت پر مجبور ہو گیا۔ جسے چھ مہینوں کے لئے مان لیا گیا۔ اس کے بعد مدین بھی کوہستانوں سے واپس لے لیا گیا۔

عبدالودود اپنی ان ساری مشکلات اور عدم استحکام کو ٹکانہ میں متھیں پونڈیکل ایجنٹ کی سازشوں کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ چار دہائیوں کے بعد بھی اس بارے میں بیان کرتے ہوئے وہ کہتا ہے۔

”پونڈیکل ایجنٹ کی سازشیں اس طرح دھماکنے بن کر تھیلی ہو گئیں۔ مالاں کو جسے چاروں محاذوں پر کامیابی نصیب ہوئی لیکن میں آج تک 1921ء کے ان پتہ شوبہ دہوں کی یاد کو نہیں کر سکتا ہوں۔ اس پہری ہم میں سازشے پانچ سینے لگ گئے اور اس کو سوات کی جنگ عظیم کا پہلا باب ہے جاتیں ہوگا۔“

اتحادیوں کی ناکامی عبدالودود کے سارے دشمنوں کے لئے ایک کاری ضرب ثابت ہوئی، چاہے ان کا تعلق ریاست کے اندر سے ہو یا باہر سے۔ اس سے اُس کی پوزیشن بے حد مستحکم ہو گئی اور برطانوی حکام اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے چونکا ہو گئے۔ 1922ء میں ادین زئی معاہدہ کے تحت انہوں نے نواب دیر اور باچا آف سوات سے اپنی شرائط منوائیں۔ اس کے تحت سوات کے باچا کو ادین زئی علاقہ نواب کو لوٹانا تھا اور نواب کو سوات کے معاملات میں مداخلت نہ کرنے کا پابند کر دیا گیا۔ متعلقہ علاقے میں اکثریت کی حمایت حاصل کرنے کی شرط پر وہ ایسا کر سکتا تھا لیکن اس کے لئے بھی انگریز حکومت کی پیشگی اجازت ضروری تھی۔

### عبدالودود اور برطانوی حکومت

انگریز حکومت نے چیف کیشنر کے توسط سے سوات پر عبدالودود کی حکومت کی خاموش منظوری دے دی تھی لیکن وہ اس کی آزادی کو شک کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اُسے باقاعدہ طور پر تسلیم کرنے میں کچھ وقت لیا۔ اُس نے اپنے طور پر ان کا اتحاد حاصل کرنے کی کوشش کی جس کے بغیر وہ اپنی پوزیشن مستحکم نہیں کر سکتا تھا۔

21 مئی 1923ء کو عبدالودود نے اپنے سب سے بڑے بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کرنے کے لئے ایک دربار کا انعقاد کیا۔ دوسرے دن منعقد ہونے والے دربار میں اُس کی طرف سے اُس کے وزیر حضرت علی نے ایک ایسی تقریر سنائی جس میں اُس نے برطانوی حکومت کے لئے اپنی سچی دوستی اور وفاداری کا اعلان کیا اور سامعین کو بھی تلقین کی کہ وہ بھی اپنے قول و فعل سے اسی بات کی گواہی دیں۔ اُس نے کیونٹوں کو اسلام دشمن قرار دیتے ہوئے بڑ زور الفاظ میں ان کے مقاصد اور پروپیگنڈے کی مذمت کی۔

پھر اُس نے تحریری طور پر پونڈیکل ایجنٹ کو اپنے لئے ’فرمانروائے یوسف زئی‘ کا لقب اختیار کرنے کی اطلاع

دی۔ اس لقب کا انتخاب سیاسی اور سفارتی لحاظ سے خاصا معنی خیز اقدام تھا۔ نہ تو مستقبل میں ریاست کی حدود میں ہونے والی تبدیلی سے اس کو بد لئے کی ضرورت ہوگی اور اپنے سب سے بڑے دشمن نواب دہر کو بھی اس سے زیادہ سے زیادہ ذلتی تکلیف پہنچائی جا سکتی تھی۔ 'تاسم برطانوی حکومت نے اسے ایک مناسب لقب نہیں سمجھا۔ مارچ 1926ء میں پولیٹیکل ایجنٹ کے دورہ اور جرگوں سے ملاقاتوں کے بعد انہوں نے صورت حال کا مختصر جائزہ دیا اور فرمایا۔

"بہ ظاہر سب کچھ ٹھیک ٹھاک نظر آتا ہے۔ بلاشبہ وہاں میں گل ایک مضبوط اور اہل عکراں لگتا ہے لیکن قبائلی معرزیں میں اس کے خلاف جذبات پائے جاتے ہیں۔ جن سے ازل تو وہ کوئی مشورہ دینا ہی نہیں اور اگر لے لیا جاتا ہے تو اس پر عمل باہل نہیں کرتا۔ اور عوام الناس میں بیکارگی اور بے روزگاری کے خلاف ہراسگی پائی جاتی ہے لیکن وہ دہرائی جا رہی ہے جو اس کی حکم حکومت کو پسند کرتے ہیں۔"

3 مئی 1926ء کو چیف کمشنر سید وشریف گئے اور منقذہ دربار میں 'میاں گل کو دوائی سوات کی حیثیت سے باقاعدہ تسلیم کر لیا گیا۔ 'لوگوں نے میاں گل عبدالودود کو باپا یا بادشاہ کا خطاب دیا اور انہیں باپا صاحب کہتے تھے لیکن برطانوی حکام اس لقب کو صرف اپنے بادشاہ کے لئے مختص کر دیتے تھے۔ اس لیے ہندوستان کے کسی عکراں کو یہ خطاب نہیں دیا گیا۔ ان کی طرف سے نواب کے لقب کی پیش کش کی گئی لیکن عبدالودود نے بادشاہ سے نواب بنانے جانے کی تہنزی کو پسند نہیں کیا اور بالآخر والی کے لقب کو قبول کیا جس کا مطلب 'عکراں' ہے۔

عبدالودود والی کہلائے جانے پر خوش نہیں تھے لیکن اس عظیم طاقت کے آگے سر جھکائے ہی نہی۔ دسمبر 1927ء میں انہوں نے ایک بار اور باپا کے لقب کے لئے برطانوی حکام سے رابطہ کیا لیکن قرعہ ہی افسران کی سفارش کے باوجود اس درخواست کو رد کر دیا گیا۔ قسمت کی عجب ستم ظریفی ہے کہ عبدالجبار شاہ جسے برطانوی حکومت نے 'تاسم' نہاڑہ خود ساختہ اور بڑے نام بادشاہ قرار دیا تھا اس کا سرکاری خط و کتابت میں اکثر و بیشتر بادشاہ یا سوات کا سابقہ بادشاہ کے نام سے حوالہ دیا گیا ہے لیکن میاں گل عبدالودود اپنی حیثیت کے باوجود اگر یہ حکومت سے اپنی اس خواہش کو نہیں منوانا سکا۔

"برطانوی حکومت کی جانب سے سوات میں عدم مداخلت یا اس کی علاقائی خود مختاری کے احترام کی پالیسی نے مقامی سیاسی توازن کو مستحکم دیا (عبدالودود) کے حق میں کر دیا۔ اگر سرکار کی اس تائید و حمایت نے والی کے اقدام کو استحکام دلانے میں اپنا کردار ادا کیا۔"

انگریزوں کی طرف سے دوائی سوات تسلیم کئے جانے کے بعد عبدالودود کی پوزیشن مضبوط ہو گئی اور اسے مزید مستحکم کرنے کے لئے اس نے تھک دو شروع کر دی۔ اس ضمن میں اس کا پہلا قدم اپنی رعایا کو غیر مسلح کرنا تھا۔ اس کے لئے اس نے برطانوی حکومت سے یقین دہانی حاصل کرنی چاہی کہ لوگوں کی طرف سے بغاوت کی صورت میں

اُس کی مدد کی جائے گی لیکن برطانوی حکومت اُسے یہ یقین دہانی نہیں کرا سکتی تھی۔ اس کی وجہ 3 مئی 1926ء کو سیدو کے مقام پر طے پانے والے معاہدہ میں یہ انتہائی جملہ تھا جس میں کہا گیا تھا کہ ”اس معاہدہ کے تحت برطانوی حکومت میاں گل کی حکومت کی مسلح افوا نہیں کرے گی۔“ اور کچھ اور بھی حوالے تھے۔ بہر حال اُس نے سفارتی بنہ مندی سے کام لے کر اپنا مقصد حاصل کر لیا جس سے اُس کی پوزیشن مزید مستحکم ہو گئی۔

### عبدالودود اور سرداری کے میاں صاحبان

سرداری کے میاں محرز اللہ خان کو جو انتہائی معزز شخصیت کے حامل تھے اور جو عبدالودود کے دوست اور اتحادی تھے، گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا گیا۔ اس کی وجہ عبدالجبار شاہ سے وفاداری کا الزام تھا اور اُس کے ساتھ ساتھ مقامی حور پر اقتدار کے بارے میں عدم اتفاق تھا۔ اس خود سرائے اقدام سے سوات بالا کے معززین اور نور بند، کانڑا، چکیر اور پورن میں فیم و فساد پھیل گیا۔ میاں محرز اللہ خان کو آزر کر دانے کے لئے عبدالودود کے پاس دفو بھیجے گئے اور مطالبہ نہ ماننے کی صورت میں بغاوت کی دھمکی دی گئی۔ لوگوں کا منہ بند کرنے کے لئے محرز اللہ خان کو چھوڑ دیا گیا۔ تاہم اس کے اثر و رسوخ کو ختم کرنے کے لئے سر کے میاں شہزاد گل کو سرداری میں مامور کیا گیا۔ ایک برطانوی سرکاری رپورٹ کے مطابق اگر یہ نیا انتظام کامیاب ہو جائے تو یہ برطانوی حکومت کے لئے بھی بہت فائدہ مند ثابت ہو گا۔ اس لئے کہ ان میاں صاحبان کا مخالف گروہ تو ہمیشہ جانی صاحب آف ترنگڑی اور دیگر اہل حقین و دشمن لوگوں کے ساتھ ساز باز کی پوشش کرنے میں مصروف رہتا ہے۔“

بالآخر سرداری کے جلاوطن میاں صاحبان کو اطاعت کا عہد کرنے پر دوبارہ اپنی جائیداد پر بحال کر دیا گیا اور فریقین کے درمیان مفاہمت ہو گئی۔ میاں محرز اللہ کو بعد میں سر کے اُس کے چچا زاد بھائیوں نے مار ڈالا جب کہ اُس کے پیچھے شاہداد کو نائب سالار کے عہدہ سے بنا کر اُس کی جگہ شہزاد گل آف سر کو یہ عہدہ دے دیا گیا۔

### عبدالودود اور خوانین

اقتدار میں آنے کے بعد عبدالودود کو علاقہ سیہو جنی کے تاج محمد خان اور اُس کے حامیوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ رفتہ رفتہ اُس کی پوزیشن مستحکم ہوتی چلی گئی اور وہ چند سرکردہ خوانین جو اُس کی ہم سری کے اہل تھے یا تو نہایت ہی نازعات یا دوسرے طریقوں سے مغلوب کر لئے گئے۔ 1929ء کے اختتام تک عبدالودود اور ریاست دونوں اتنے مضبوط ہو گئے تھے کہ نمایاں مخالفتیں اس سے کچھ ہمیشہ کے لئے منظر سے غائب ہو گئے اور ”چوہ مختصہ“ جو سہ

کے لیے سامنے سے ہٹ گئے۔

29 دسمبر 1927ء کو حبیب خان المعروف دارسی خان اُس وقت ایک چٹان سے گر کر ہلاک ہو گئے جب وہ واپسی سوات (عبدالودود) کے ہمراہ مارخور کا شکار کرنے کی جہم پر نکلے ہوئے تھے۔ حبیب خان کے اُس سے دو سوانہ مرزا اُس وقت سے کشیدہ ہو گئے تھے جب عبدالودود نے ایک دوسرے قبیلہ پر حملہ کرنے کی جہ سے اُس کے قبیلہ پر چھ ہزار روپے جرمانہ اور اُن کے جلائے ہوئے گھروں کی از سر نو تعمیر کا حکم دیا تھا۔ یکم جنوری 1928ء کو درشن خیلہ جا کر انہوں نے حبیب خان کے چاشمین کے طور پر اُس کے سب سے بڑے بیٹے محمد رسول خان کی دستار بندی کی۔ خیر۔ مافی کے اس اظہار سے وہ دراصل حبیب خان کی موت سے اپنی بریت ثابت کرنا چاہتا تھا جس کے بارے میں عمومی تاثر یہ تھا کہ یہ موت حادثہ جاتی نہیں تھی۔

عبدالودود کی طرف سے اس اظہار بریت کے باوجود ستمبر 1928ء میں جب وہ چینی (فتح پور) کے دورہ پر تھا، دارسی خان کے بیٹوں نے حبیب اللہ خان المعروف میاں دم خان کے ساتھ مل کر اُس پر شب خون مارا۔ یہ کوشش ناکام ہو گئی اور حملہ آور دہر فرار ہو گئے۔ اس سے عبدالودود کی پوزیشن مزید محفوظ ہو گئی اس لئے کہ اس طرح ایک افرامان مضبوط مخالفت گردور پاست سے نکل گیا اور اہتری کی کیفیت سے دو چار ہو گیا۔ نتیجتاً اس سے ان کا ڈل (دھڑا) کزور ہو گیا اور عبدالودود مضبوط تر ہو گیا۔

3-1902ء میں کسی باہمی گروہی جھگڑے میں سوتیلے بھائی میرداد خان کی بلاکت کے بعد جمروذ خان باہوڑی قبیلہ میں مضبوط ترین شخص بن کر ابھرے تھے۔ اُس نے اپنے قبیلہ کے ہمراہ اقتدار کے پہلے ہی سال عبدالودود سے اپنی حمایت واپس لے لی اور اُس کے بھائی میاں گل شیرین جان کا ساتھ دینا شروع کیا۔ اُس نے عبدالودود کے لوگوں کو غیر مسلح کرنے کی بھی مخالفت کی۔ 23 ستمبر 1928ء کو وہ اپنے پیچھے بیچ محمد خان کے ہاتھوں مارا گیا۔ جمروذ خان کے خاندان کی اہمیت مزید کم کرنے کے لئے عبدالودود نے قاضی کے باپ جانس خان کو جمروذ خان کے ڈل (دھڑا) کا سربراہ بنا دیا۔ اسی مہینے میں شوزئی علاقہ کے ایک ممتاز اور بااثر شخص کا مران خان کو سید و جاگیر قید کر دیا گیا۔ سیوجینی کے امیر خان اور اُس کے بھائی محمد سید خان (المعروف شکو ائی خوانین) کا تعلق دارسی خان کے بیٹوں کے ڈل (دھڑا) سے تھا۔ انہوں نے اپنے ڈل (دھڑا) کے ہمراہ دہتی کا مٹک لیا۔ محمد سید خان کو عبدالودود نے سیدو بلا دیا۔ وہ اپنے ساتھ جو چالیس عدد درائلیں لایا تھا، وہ ضبط کر لی گئیں۔ آٹھ اکتوبر 1928ء کو وہ سیدو سے قتل فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس اطلاع کے ملتے ہی اُس کا بھائی امیر خان 160 رائفل بردار حامیوں کے ساتھ دہر چلا گیا۔ فروری 1929ء میں حبیب خان اور میاں دم خان کے ایک رشتہ دار خوشحال خان کو جو بیدرو میں رہتے تھے سوات سے جلا وطن کر کے اُس کی جائیداد ضبط کر لی گئی۔

اس طرح وہ طاقت ور خواتین جن کی وفاداریاں منگلوک تھیں یا تو بزور منظر سے ہٹا دیئے گئے یا انہیں مجبور کر گیا کہ وہ خود ہی چلے جائیں یا اثر و رسوخ چھین کر انہیں کم نامی میں دیکھ لیا گیا اور ان کی جگہ ان کے حریفوں کو آتے لایا گیا یا انہیں مفاہمت پر مجبور کر دیا گیا۔

### عبدالودود اور ولی عہد

عبدالودود نے اپنے بڑے بیٹے جہان زیب کو ولی عہد مقرر کرنے کے لئے 21 مئی 1923ء کو ایک دربار کا انعقاد کیا۔ چون کہ ہر جگہ اس دستار بندی میں سب سے آگے ہونے کا خواہش مند تھا، اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ چند منتخب علماء و مہتمماؤں کی قیادت میں ایک وفد کو اس دستار بندی سے قبل عبدالودود نے ایک تقریر کی:

”آپ سب لوگوں کی خواہش تھی کہ میں اپنے سب سے بڑے بیٹے کو ولی عہد مقرر کروں۔ آپ کی موجودگی میں آپ کی خواہش کے مطابق میں اپنے بڑے بیٹے کو اس منصب کے لئے پیش کرتا ہوں۔ اور آپ کی موجودگی میں اپنے بیٹے کو اس بات کی تحقیر کرنا ہوتا ہے کہ وہ میری طرح آپ کے ساتھ شرافت مندی اور سادات کے اصول کو نظر رکھ کر رہتا ہے۔ اُسے کسی ایک گورنر سے ترجیح نہیں دینی چاہئے اور وہ تمام وعدے پورے کرنے چاہئیں جو میں نے آپ میں سے کسی ایک فرد یا سب سے کئے ہیں۔ مجھے پوری امید ہے کہ انتظامی معاملات میں آپ لوگ اس کا ایسا ہی ساتھ دیں گے جیسا کہ آپ میرا ساتھ دیتے رہے ہیں۔“

مندرجہ ذیل افراد نے درج شدہ ترتیب کے ساتھ دستار بندی کے اس عمل میں حصہ لیا۔ پاسٹی ملا (ابوبکر)، صاحب زادہ صاحب آف چندا خورہ، سنڈاگلی ملا، پاجاملا آف بوئیر، کاکامیاں آف گل کوٹ، سید حمزہ اللہ میاں آف سرداری، صاحبزادہ آف قلاگنی، ملوٹر (بڑے) صاحبزادہ آف اوڈیگرام۔

سات کی روایتی سیاسی قیادت کو جائز یا ناجائز طریقے اپنا کر زیر کرنے کے بعد عبدالودود نے ریاست کے اندر اپنی پوزیشن مستحکم کر لی۔ مگر ہر سرکار نے 15 مئی 1933ء کو میاں گل جہان زیب کو ان کے ولی عہد مقرر کئے جانے کے واقعہ کے ٹھیک دس سال بعد سرکاری طور پر ولی عہد تسلیم کر لیا۔ پاجا صاحب اس کے فوراً بعد ولی عہد سے بدظن ہو گئے اور اُس کے اثر و رسوخ سے حسد کرنے لگے۔ 1935ء میں اُسے اقتیارات سے محروم کر دیا گیا اور اُسے کبہ دیا گیا کہ وہ ریاست میں نہ آئے۔ پانچ سال بعد اُسے دوبارہ بحال کیا گیا۔ صوبائی گورنر نے بیچ میں پڑ کر پاجا صاحب اور ولی عہد کے درمیان مفاہمت کرائی۔ میاں گل جہان زیب اس کشیدگی کی وجہ وزیر برادران کی سازش کو قرار دیتے ہیں لیکن اس کے اپنے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہ صرف باپ کے خدشات اور حسد اس کا سبب تھا بلکہ ذل (دھڑا) کے معاملات اور اقتدار کے لئے رستہ کشی کا بھی اس میں ہاتھ تھا۔ وزیر برادران ان معاملات میں اپنے



مفادات کا تحفظ کرنے میں ناکام رہے اور اکتوبر 1943ء میں سوات سے چلے گئے۔ 12 دسمبر 1949ء کو باپا صاحب اپنے بیٹے کے حق میں تاج و تخت سے دستبردار ہو گئے، جس کے نتیجے میں دو سوات کے نئے حکمران بن گئے۔ اور ریاست کے آخری والی ثابت ہوئے۔ بیٹے کے حق میں باپا صاحب نے تاج و تخت کو کیوں تاج دیا؟ کیا یہ فیصلہ رضا کارانہ تھا؟ اس ضمن میں اُن کا اپنا بیان یہ بتاتا ہے:

”1949ء میں میں نے یہ محسوس کیا کہ وہ عظیم کام جو میں نے اپنے اُسرا لیا تھا تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ ریاست مستحکم بنیادوں پر قائم ہو چکی تھی۔ حکومت ٹیک ٹھاک چل رہی تھی اور مستقبل بھی برافراط سے تاج و تخت پر آتا تھا۔ چڑھا پے کے اثرات بھی مجھ پر اسی طرح ظاہری ہوئے گئے تھے کہ انہیں نظر انداز کرنا ممکن نہیں تھا۔ مسلسل چینی اور ہسپانی واپانے صحت کو ناسا خراب کرنا شروع کر دیا تھا۔ خوش ہونے کے باوجود میں مکمل طور پر ٹھک گیا تھا اور عسکرانی کی دوسرا ہاں بھرا لیکن نہیں رہا۔ ملاوہ ازمیں میرے دو خواب ابھی محض تخیل تھے۔ ایک تو یہ تھا کہ میری بیٹی سے یہ خواہش رہی تھی کہ میں علم حاصل کروں۔ بالخصوص میں اپنے آپ کو قرآن و سنت کی تعلیمات سے مکمل طور پر آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ میرا دوسرا خواب یہ تھا کہ میں سوات کے لوگوں کی روحانی اور اخلاقی تربیت بھی کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے میرا خیال تھا کہ میں کچھ روشن فکر شخصیات کو جمع اہل علم کے ایک گروہ کے ساتھ اس مقصد کے حصول کے لئے گاؤں گاؤں جاؤں اور اسلامی تعلیمات کے مطابق لوگوں کی کردار سازی کی کوشش کروں تاکہ وہ اچھے مسلمان بن سکیں۔ اس لئے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ تاج و تخت سے دست بردار ہو جاؤں اور ریاست کے سارے انتظامی معاملات اپنے بیٹے میں اگل جہاں نذیب کو سونپ دوں۔“

دست برداری کے بارے میں باپا صاحب کے بیان کا پشتو متن بھی کم و بیش یہی وجوہات بتاتا ہے جب کہ

اس سلسلہ میں میاں گل جہاں نذیب کا بیان یہ ہے۔

”میرے والد نے تاج و تخت سے دست برداری کا فیصلہ کیوں کیا؟ وہ مجھ سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور وہ مجھے عسکرانی کی اہلیت ثابت کرنے کا پورا موقع دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ جب وہ عسکران بن گئے تو وہ اس وقت کا انتظار کرنے لگے جب میں اتنا بڑا ہو جاؤں کہ وہ حکومت میرے حوالے کر دیں۔ میں 1935ء میں ہی حکومت صوبہ دہلیا چاہتا تھا لیکن پھر یہ محسوس ہوا کہ حالات بچاؤ ہو گئے۔ اس لئے اس کام میں تاخیر ہو گئی۔ عسکرانی سے دست برداری کا خیال اُن کے لئے بھی اسی طرح باہم محسوس نہیں تھا جیسا کہ مجھے بھی اذعام کے بعد اس بات کا کوئی رنج نہیں کہ حکومت پاکستان نے ریاست مجھ سے لے لی ہے۔ اصل بات تو یہی تھی۔ اس کے علاوہ ایک ضمنی بات اور بھی ہے۔ اس سے ایک ایسے انسانی جذبہ کا اعجاب ہوتا ہے جس کا تجربہ کسی کو بھی ہو سکتا ہے۔ وہ یہ محسوس کرتے تھے۔ مجھے اس بات کا اس لئے پتہ ہے کہ انہوں نے ایک بار خود مجھے اس بارے میں بتایا تھا۔ یہ کہ اس ریاست کو انہوں نے بنا یا تھا اور اگر کسی وجہ سے یہ جیسے اذعام دیکھو تو ان کے بعد میں ختم ہو جائے تو یہ اُن کے لئے باہم ندامت ہو گا۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ صحیح صورت میں اُن کے وارث کو منتقل ہو جائے تاکہ اُن کا نام ریاست کی بنیاد رکھنے اور اُسے بنانے والے کی حیثیت سے باقی رہے۔“

باپ اور بیٹے کے بیانات ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اور کسی ایسی بنیادی نقطہ کی طرف اشارہ کرتے

ہیں جس کے لئے وضاحتیں دینے کی ضرورت ہو۔ دست برداری کی جو وجوہات دونوں نے بیان کی ہیں ان پر یقین

کہ خاصا مشکل ہے۔ لگتا ہے کہ یہ باتیں یوں ہی بھرم رکھنے کے لئے کی جا رہی ہیں۔ باچا صاحب کی پوزیشن بہت مضبوط تھی اور وہ تخت پر بیٹھ کر لوگوں کی اخلاقی اور روحانی تربیت کا کام زیادہ مؤثر طور پر کر سکتے تھے۔ یہ بات بھی شبہ میں ڈالنے والی ہے کہ تخت سے دست برداری کے بعد وہ اپنے اس تبلیغی مہم پر کبھی نہیں اٹھے اور نہ ہی انہوں نے گاؤں گاؤں کا دور کیا۔

مختلف شواہد اور بیانات سے آسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ تخت سے دست برداری دراصل اقتدار کے حصول کی طویل کشمکش میں ولی مہدی کی فتح تھی۔ یہ اوپر سے سیاسی قوتوں کے ہاؤڈ کا نتیجہ تھا۔ اس مقصد کے لئے بیٹے نے ریٹروائی کی ایک طویل مہم چلائی اور بالآخر باپ کو تخت چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ میاں گل جہان زیب ٹی طور پر (اپنے ولی مہدی کا خطاب سے ذکر کرتے ہوئے) مولانا اعتراف کرتے تھے کہ "میں نے یہ (حکومت) بزدل بازو حاصل کی ہے۔" اور باپ اپنی بقیہ زندگی اقتدار چھین جانے پر مغموم اور کبیدہ خاطر رہے۔

### عبدالودود اور وزیر برادران

حضرت علی اور احمد علی میاں گل عبدالودود کے دو بہت ہی وفادار ملازم تھے بلکہ اگر انہیں سامنے کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ عام طور پر انہیں وزیران یا وزیر برادران کہا جاتا ہے۔ حضرت علی نے مختلف عہدوں پر کام کیا، جیسے وزیر، وزیر اعظم وغیرہ۔ اسی طرح احمد علی نے کئی طرح کی اہم ذمہ داریاں نبھائیں۔ جیسے سپہ سالار اور وزیر وغیرہ۔ دونوں نے ہر حال میں ان کا ساتھ دیا۔ یہ بات سمجھنی خاصی مشکل ہے کہ عبدالودود نے اپنی سوانح عمری میں بہت سے ایسے افراد کی خدمات و امداد کا یہ مشکل ہی اعتراف کیا ہے، جنہوں نے ریاست کی تشکیل و قیام اور استحکام و توسیع میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔

یہ بات ماننے کی ہے کہ ساری کامیابی و کامرانی کا حتمی طور پر سہرا عبدالودود ہی کے سر جتنا ہے لیکن کچھ افراد نے مختلف مشکل مراحل میں ان کی بہت مدد کی۔ وزیر برادران انہی لوگوں میں سے تھے جن کی سمجھ بوجھ، تعاون اور خدمات کے بغیر وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ چاہے باچا صاحب مانتے ہوں یا نہ اپنی بہت سی کامیابیوں کے لئے وزیر برادران اور دیگر کئی لوگوں کے مہربان منت رہیں گے۔ 22 مئی 1923ء کو سیدو کے مقام پر منعقدہ معززین کے اجتماع کے موقع پر، اپنی اس تقریر میں جو ان کی طرف سے وزیر نے سنائی، وزیر حضرت علی اور سپہ سالار احمد علی کی اعلیٰ خدمات کا اعتراف کیا گیا اور اس کے لئے ان کی خوب ستائش کی گئی۔ اسی طرح یہ بات بھی بیان ہوئی ہے کہ بونیر میں وزیر کی خدمات و کارناموں کے اعتراف و ستائش کے طور پر سیدو پہنچنے پر اُسے، چند روٹوں کی سلائی

دی جائے گی۔ اُس کے بھائی سپہ سالار کو چکسیر اور کاخرا میں کامیابیوں پر دو رائلٹیس، ایک ہائیکرو اسکوپ (نیو اسکوپ) اور ایک کتا انعام میں دیا گیا۔

وزیر برادران گورباست کے استحکام اور توسیع کے کام میں اتنی اہمیت حاصل تھی کہ عبدالودود نے حضرت علی کی بیوی کی وفات کے بعد اپنی ایک بیٹی نچہ بی بی کی اُس سے خفیہ طور پر منگنی کی۔ اس بات پر بہت اضطراب پھیل گیا اس لئے کہ یہ کہا گیا کہ وزیر کی محروسہ بیوی اس لڑکی کی رضامندی مان ہے جس کی وجہ سے یہ رشتہ ناجائز ہے۔ لڑکی کی عمر اس منگنی کے وقت صرف نو سال تھی۔

### ذرائع اور طریق کار

1929ء کے آخر تک عبدالودود نے خود کو اور ریاست کو کسی نہ کسی طرح بیرونی اور اندرونی خطرات سے صحیح سلامت رکھا۔ مخالفین یا تو چکل دیئے گئے، اطلاعات پر مجبور کر دیئے گئے یا انہیں ملامت کرنی پڑی۔ 1929ء کے بعد کی صورت حال میں باپ بیٹے کے درمیان سر اٹھانے والے معاملات حاوی رہے جس میں وزیر برادران بھی ملوث تھے۔ باپا صاحب خود ستائی کے سوڑ میں آ کر اکٹھا کر کے تھے کہ انہوں نے ریاست کو اتنا مستحکم کر دیا ہے کہ اب اُن کی کوئی اندھی بیٹی بھی اس پر تیس سال تک حکومت کر سکتی ہے۔ ایک اُن پڑھ قبائلی معاشرہ میں ایک اُن پڑھ شخص کس طرح ایک ایسی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہوا جہاں مکمل نظم و نسق کے ساتھ حکومت کا نظام چلایا جاتا رہا اس امر کی تفصیل نیچے بیان کی جاتی ہے۔

### دیر کے ازسرنو قبضہ کا خوف اور قلعے

سوائی علاقوں پر نواب دیر کے دوبارہ قبضہ کے خوف سے خوب خوب قائدہ اٹھایا گیا اور اس بیانہ سے تمام سرحدی علاقوں میں قلعے تعمیر کئے گئے۔ یہ کسی حد تک دفاع کے نقطہ نظر سے ضروری تھا لیکن پوری ریاست میں قلعوں کی بھرمار کی کوئی منطق نہیں تھی۔ یہاں تک کہ باپا صاحب نے نیگ بی ٹیل کے کچھ سرکردہ افراد کو 2400 روپے رشوت دے کر ڈنگ اراکوٹ میں قلعہ تعمیر کروایا۔ ان کا اصل مقصد اور اہمیت مرکزی حکومت کے اقتدار و اختیار کے لئے ایک زندہ علامت بن کر ہر جگہ اُس کے ہونے کا احساس دلانا تھا۔ ان کو اندرونی بغاوتیں کھیلنے، سرکاری ضوابط اور فکراں کے فرامین پر عمل درآمد کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا تھا۔

قلعہ کے کمانڈر کے لئے لازمی شرط تھی کہ وہ ایک قابل مجروسہ شخص ہو جس کا تقرر مرکز سے کیا گیا ہو۔ جب

کہ سپاہی اسی علاقہ کے غریب افراد ہوں۔ تڑویراتی مرا تڑو ہونے کی وجہ سے عسکران کا انتہائی مفاد اس بات سے وابستہ تھا کہ یہ قلعے ان افراد کے ماتحت ہوں جن کی وفاداری شک و شبہ سے پاک ہو۔ خصوصاً کوہستانوں اور کاخانوہر بند کے لوگوں پر اس سلسلہ میں اعتماد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس پالیسی کو اس لئے اپنایا گیا تاکہ افسران بیرونی اور اندرونی دشمنوں سے ساز باز نہ کر سکیں اور سپاہی اندرونی بغاوت کی صورت میں روایتی ڈلہ (دھڑا) معاملات سے لا تعلق ہونے کی وجہ سے مرکزی حکومت کے وفادار رہیں۔

## طلائی کلیدیں

عبدالوہود کی ردا میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ ایک نیم وحشیانہ زندگی گزارنے والے لوگوں کو قانون و ضابطہ کا پابند بنا کر حکومتی نظم و نسق کے تحت کیسے لایا جائے۔ اس مشکل مقصد کو سونے کی چابیاں استعمال کر کے حاصل کیا گیا۔ جیسے کہ وہ خود بیان کرتا ہے۔

”کچھ عرصہ تک عداوت جوں کے توں رہے۔ آخر مجھ پر یہ بات اچھی طرح میاں ہو گئی کہ حکومت اس طرح نہیں چلائی جاسکتی۔ سو تینوں کلیم و ضابطہ کا احترام سمجھانا ہو گا یا یہ سارا ۱۹۲۲ء تک بکھر جائے گا۔ مجھے ایک بہت اچھی ترکیب سوچی جو یہ تھی کہ جب کسی کوئی جرمانہ مانا گیا تھا تو میں اس علاقہ کے خان (اور ننگ) سے کہتا کہ اسے دوسل کر کے دو خود خرچ کرے۔ یہ ترکیب بے حد کامیاب رہی اور میں یہ دیکھ کر خوب بھولا ہوا کہ خان (اور ننگ) جرمانہ کی یہ رقم اس شدہ سے تحفہ کر کے ارسال کرتے جیسے یہ ان کا کوئی واجب الادا قرض ہو۔ جب لوگوں کو کبیرے مانا کر دو جرمانوں کی ادائیگی کی عداوت ہو گئی تو میں نے عزم دیا کہ جرمانہ کی آدمی رقم سرکاری خزانہ میں جمع کرائی جائے۔ کچھ عرصہ بعد خان (اور ننگ) کے حصہ کو ملنا کہ ایک تھالی کر دیا گیا۔ دو تھالیں سرکاری خزانہ میں جمع کیا جانے لگی۔ یہ طریقہ اختیار کر کے ایک طرف تو حکومت کے لئے اس رقم کے بڑے حصہ کا حصول ممکن بنایا گیا جو یہ صورت دیکھ کر صرف خسارہ کا سودا تھا۔ دوسری طرف خان اور ننگ قانون و ضابطہ کو لا کر کرنے کی اہمیت سے واقف ہو گئے۔“

دو سزے بتاتے ہیں۔

1. ”خاندان اور دیگر اہم شخصیات کی تائید اور وفاداری حاصل کرنے کے لئے چوری ریاست میں ان کو دفائف دیئے جانے لگے۔“

2. خان (اور ننگ) کو جرمانے سے ایک تھالی دیئے جانے کی توثیق کر دی گئی۔ اس طرح ریاست اور خان (اور ننگ) کا مفاد ایک ہو گیا اور یہ لوگ مجرم کی طرف داری کرنے سے باز آ گئے۔

3. تھالی اور خاندانی نجات کا لٹاکا کرتے ہوئے سزز سید اور میاں خاندانوں کے افراد کے لئے بھی دفائف مقرر ہوئے۔

4. ان سزوں کے لئے جو کہ مساجد میں پیش امام تھے اور دینی علوم سکھاتے تھے انہیں مقرر کی گئیں تاکہ وہ پر نلوں انداز سے اپنا کام کر سکیں۔ دیگر سزوں کو ننگ اور قاضی مقرر کیا گیا۔“

دو سارے مولوی جو کہ پیش امام تھے انہیں حکومت سے تجواز نہیں ملتی تھی بلکہ ان میں سے بہت سوں کو لوگ بڑی فضلوں کے موقع پر جنس کی صورت میں تجواز دیا کرتے تھے۔ یہ طریقہ ریاست کے قیام سے پہلے سے چلا آ رہا تھا۔ ریاست کے دوران اور ادغام کے بعد بھی جاری رہا ہے۔ تجواز میں شاید بہت بااثر مولویوں کو ملتی ہوں گی۔ اس طرح مذہبی اور غیر مذہبی قیادت کو خرید لیا گیا اور وہ اپنے مفادات کے ہاتھوں پر فعال ہو گئے۔ حکومت کی مخالفت اور نگرانی کو محض خسارہ کا سودا بنا دیا گیا۔ یوں وہ پوری تن دی سے حکومت کی خدمت میں بندھ گئے۔ دونوں طرح کی قیادت کو اس طرح سے رام کر لیا گیا۔

## جرگہ

صدیوں سے راج جرگہ نظام سے بھی بھرپور فائدہ اٹھایا گیا۔ اس کے لئے صورت حال کی ضرورت کے مطابق طریقے اپنائے گئے۔ مثال کے طور پر 1921ء کے بحران کے دوران جب نواب سب کی افواج کو ترازو سے ڈگر پسا ہونے پر مجبور کیا گیا۔ اس دوران باچا صاحب نے یونیورسٹی کے بااثر افراد پر مشتمل ایک نمائندہ جرگہ طلب کیا۔ انہیں ان کا دورہ یاد دلایا گیا کہ جب بھی نواب سب جا رہا ہے عزائم کے ساتھ ان کے علاقہ میں داخل ہوگا تو وہ اس کی فوج کو اپنے علاقہ سے نکال باہر کریں گے۔ علاوہ ازیں ان سے کہا گیا کہ اب وقت آ گیا ہے۔ اگر وہ پامردی سے حملہ آوروں کو اپنی سرزمین سے باہر نہ نکالیں گے تو ان کا قومی وقار خاک میں مل جائے گا۔ یہ تیر نشانہ پر لگا اور وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ نواب کو باقاعدہ طور پر کہیں کہ وہ ان کے علاقہ سے نکل جائے۔ اگر اس نے انکار کر دیا تو پھر وہ سوات کے حکمران کے ساتھ مل کر اس سے لڑیں گے۔ نواب کو جیسے ہی اس اتحاد کی اطلاع پہنچی وہ ترازو سے پیچھے ہٹ کر ڈگر (یونیورسٹی) چلا گیا۔

عبدالودود کو اس بات پر یقین تھا کہ جب تک لوگوں کو غیر مسلح نہ کر دیا جائے اس وقت تک ریاست میں امن وامان کا قیام ایک خواب ہی رہے گا۔ یہ آسان کام نہیں تھا۔ خصوصاً خوانین اور دوسرے اہم لوگ اس بات پر ہرگز تیار نہ ہوتے۔ مسئلہ اصل میں یہ تھا کہ یہ کام کس طرح کیا جائے۔

اس مشکل کا حل بھی جرگہ کے ذریعے نکالا گیا۔ عبدالودود نے اپنے سارے دوستوں کو جمع کیا اور انہیں یقین دہانی کرائی کہ ان کی الملاک اور زندگیوں کو ریاستی ملیشیا اور پولیس تحفظ فراہم کرے گی۔ ان کی تائید حاصل کرنے کے بعد ایک جرگہ طلب کیا گیا جس میں سارے سرکردہ خوانین اور دیگر ممتاز شخصیات شریک ہوئیں۔ ان سے مطالبہ کیا گیا کہ ریاست کی فلاح و بہبود کے لئے انہیں اپنا اسلحہ سرکاری اسلحہ خانہ میں جمع کرنا ہوگا۔ اس کے دوستوں نے سب سے

پہلے اس پر عمل کیا۔ اس کے بعد دوسروں نے بھی اس کی پیروی کی۔ حالات کہ باہوڑی کے جمروڈ خان کی طرح کچھ لوگوں نے اس پر ناک بھوں چڑھائی لیکن انکار کوئی نہیں کر۔ کا اور عام لوگ بھی اس کام میں شامل ہو گئے۔

ایسے لوگوں کو قوانین اور ضابطوں کا پابند بنانا جو ابھی تک آزاد روی کے ساتھ زندگی گزارتے آئے تھے، آسان ہرگز نہیں تھا۔ اس کا بھی علاج جرگہ کے ذریعہ کر لیا گیا۔ جب کوئی نیا علاقہ ریاست میں شامل ہوتا ہے اسے فتح کیا گیا ہو یا اپنی مرضی سے شامل ہوا ہو، عبدالودود وہاں کے لوگوں کا ایک جرگہ بلاتا اور ان سے کہتا کہ وہ علاقہ میں ہونے والے جرائم کے لئے خود قوانین وضع کریں۔ اس طرح جو قوانین بنائے جاتے اس پر جرگہ کے سارے ارکان دستخط کرتے اور وہاں کے مجرموں کو پھر انہی قوانین کے تحت سزائیں دی جاتیں۔ اس طرح لوگ ان قوانین کو اوپر سے نافذ کر دیتے تھے بلکہ انہیں اپنے قوانین گردانتے ہوئے ان پر عمل درآمد کو اپنا فرض سمجھتے اور سزاؤں پر برابرتا مانتے۔

فوج اور اسلحہ کے استعمال کی جگہ ریاست کی توسیع اور اس کی سرحدوں کو پھیلانے میں جرگہ کو ایک بہت ہی موثر اور کارگر ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا۔ چاہے 1921ء میں بیرونی اور اندرونی دشمنوں کا پیدا کردہ بحران ہو، قوانین سازی ہو یا لوگوں سے اسلحہ اکٹھا کرنے کی کامیاب مہم ہو ہر جگہ جرگہ ہی کامیابی کی چابی ثابت ہوا۔

## نفسیات کا خیال

لوگوں کی نفسیات اور قبائلی ماحول کی مخصوص صورت حال کو نظر انداز نہیں کیا گیا بلکہ ریاست کے استحکام کے حصول کے لیے ان سے کما حقہ کام لیا گیا۔ باچا صاحب کہتے تھے کہ وہ لوگوں کی ذہنیت سے اتنے واقف تھے کہ انہیں کسی ضابطہ کے تحت لانے کے لئے زبردستی کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ انہیں معلوم تھا کہ کس حد تک آزادہ نشی ان کی فطرت کا حصہ ہے جس کی وجہ سے وہ احکام کے جواب میں بعض اوقات ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اسی لئے قوانین وضوابط اُس نے آہستہ آہستہ مرحلہ وار نافذ کئے۔ جو کامیابی پر منتج ہوئے۔

## ریاست کی توسیع

بونیر، کاٹرا اور غور بند کی طرف ریاست کی توسیع اسے حزبہ مستحکم اور محفوظ بنانے کی غرض سے عمل میں لائی گئی۔ اس لئے کہ 1922ء میں امین زئی علاقہ کے چلے جانے سے باچا صاحب نے محسوس کر لیا تھا کہ بونیر، کاٹرا اور غور بند کو شامل کئے بغیر ریاست کے استحکام کو بروقت خدشات لاحق رہیں گے۔

## سرکاری ملازمتیں

بڑے سرکاری عہدوں پر ہمیشہ مشغول اور وفادار خاندانوں کے افراد کا تقرر کیا جاتا تھا تاکہ بغاوت اور دشمنی پر آمادہ لوگوں کا بروقت توجہ ہوتا رہے۔ نچلے سرکاری ملازمتیں ہمیشہ نچلے طبقات سے لئے جاتے تھے جس سے صرف یہ نہیں کہ وہ حکمران کے لئے احسان مندی کے جذبات رکھتے تھے بلکہ اس کے اور اپنے مفاد کو ایک سمجھتے تھے اور سوچتے تھے کہ ان کا مستقبل اُس کے ہاتھ میں ہے۔

## نیا نظام

ہاجا صاحب نے حکومت کا ایک بالکل نیا نظام متعارف کرایا جس کے اپنے قوانین و ضوابط، محاسن، فوج، پولیس، انتظامیہ اور نظام عدل تھا۔ پرانے قبائلی نظام کی جگہ اس نے لے لی۔ قوت اور اختیار کے ارتکاز سے حکمران بہت مضبوط ہو گیا۔ ریاست کی طرف سے خان اور ننگ کی سرپرستی کا نیا طریقہ اختیار کیا گیا۔ ان لوگوں کو نہ صرف یہ کہ وظائف دیئے جانے لگے بلکہ ہر جرمانہ میں سے ان کو ایک خاص حصہ دیا جانے لگا۔ اس سے معاشرہ میں تقسیم نے ایک نئی شکل اختیار کر لی۔ ریاستی سرپرستی سے ناکام اٹھانے والے خان، ننگ اور مذہبی قیادت نے حکمران کے محافظ و سرپرست کا کردار ادا کرنا شروع کیا اس لئے کہ اسی میں ان کا بھی بھلا تھا۔ دونوں کا مفاد اسی میں تھا۔

## نظام مواصلات

عہدہ اللود کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ جب تک ریاست کا ہر علاقہ مرکز کے دسترس میں نہ ہو تو مزہ طریقہ سے حکومت نہیں چلائی جاسکتی۔ اس لئے اُس نے سارے اہم قصبہ اور نئے مفتوحہ علاقہ شدہ علاقوں تک سڑکوں کا ایک جال بچھایا۔ سڑکوں کی تعمیر کا یہ کام بیچ اور ریاستی ملیشا کے ذریعہ کیا جاتا تھا۔ تمام قلعے اور انتظامی دفاتر ٹیلی فون کے ذریعے ایک دوسرے سے مربوط تھے جس کی وجہ سے ریاستی افواج کوئی الفور حرکت میں لایا جاسکتا تھا، سب ضرورت اور بروقت کمک کی ترسیل ہو سکتی تھی اور تعزیری مہموں کے لئے فوج باسانی بھیجی جاسکتی تھی۔ مرکز اور دور دراز علاقوں کا آپس میں رابطہ رہتا تھا۔

جمہور بلویوں کا مندرجہ ذیل اقتباس اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ قلعے اور ٹیلی فون استحکام کے حصول کے کارگر ذرائع تھے۔ کسی قلعہ میں قیادت ایک معرکہ انگیز کے بارے میں اپنے بیان میں وہ کہتے ہیں۔

”معرکہ سب انگیز نے دیوار پر لگے ہوئے ایک قدم ٹیلی فون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ان کے ذریعہ ہمارے

میاں گل نے اس ریاست کو فتح کیا۔ اُس نے اعلان کیا کہ اُس نے اس قسم کے نکلے ہر جگہ شیر کئے۔ ان میں نئی نون رکھوائے۔ جب بھی پہاڑی بھکاری گز بن پڑا تو وہ ہوتے ہیں ہم اُسے نون پڑتا دیتے ہیں۔ وہ یا تو اور آدمی بھیجتا ہے یا خودی آجاتا ہے یا ہم اُس کے بیٹے والی صاحب کو جو کہ اب ہزار ہا شاہ ہے سب کچھ بتا دیتے ہیں انکھو۔"

## پرانے سماجی نظام میں تبدیلیاں

سوات کے معاشرہ اور سماجی تنظیم کی ایک خاصیت "آزادانہ اختیار و انتخاب" کے اصول کا استعمال تھا۔ لوگ اپنی مرضی استعمال کر کے کسی سربراہ یا حکمران کو بنانے جیسا انتہائی قدم اٹھا سکتے تھے جیسا کہ عبدالجبار شاہ کے معاملہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

عبدالجبار شاہ کے انجام سے بچنے کے لئے یا شاہد ہندوستان کی اگر بڑ حکومت کی پالیسی سے سبق حاصل کرتے ہوئے عبدالودود اس نتیجہ تک پہنچ گیا تھا کہ موجودہ سماجی تنظیم میں بنیادی تبدیلیاں لائے بغیر سیاسی استحکام کا حصول ممکن نہیں۔ اس لئے اُس نے سوات کے سماجی ڈھانچے کو بدل ڈالا جس سے ریاست بھی مستحکم ہو گئی اور اُس کی اپنی پوزیشن بھی مضبوط ہو گئی۔

## ڈلہ (دھڑا) نظام

روایتی ڈلہ (دھڑا) نظام سے بھی جتنی توسیع فائدہ اٹھایا گیا۔ جرگہ کی طرح اسے بھی اہم مواقع پر استعمال کیا گیا جیسے کوام کو غیر مسلح کرنے کے معاملہ میں۔ چون کہ حکمران کا ڈلہ (دھڑا) مضبوط تھا اس لئے مخالفین کا اثر و رسوخ اس سے کمزور پڑ گیا۔ اس کے سامنے ان کی حیثیت ماند پڑ گئی۔ اس طرح حکمران کے مفادات کا تحفظ کر لیا گیا۔ آخری وادائی سوات نے بھی ڈلہ (دھڑا) کو بہ طور اختیار استعمال کرنے کے بارے میں بتایا ہے، جیسے کہ مندرجہ ذیل اقتباس سے ظاہر ہے۔

"سیرے اللہ ہمیشہ ہوا ڈلہ (دھڑا) نظام قائم رکھتے تھے۔ اپنی طاقت کو ان میں تو اذن رکھنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ ایک ڈلہ ذرا سا کمزور ہے۔ دوسرا ان کا تھا۔ جب مضبوط یا حمایت یافتہ ڈلہ کے معاملات حد سے بڑھ جاتے یا میرے اللہ کے مفاد و مرضی کے خلاف ہوتے یا ان کو پورا کرنا ممکن نہ ہو تو ہم دو اپنا اذن دوسرے پلاڑے میں ڈال کر اُسے کچھ عرصے کے لیے بھاری کر دیتے۔"



## گروہی سیاست، دریا دلی اور حسد

ایک طرف گروہی سیاست اور رقابتیں اور دوسری جانب دریا دلی اور حسد سوانی معاشرہ کی دو اہم ترین خصوصیات تھیں۔ عبدالودود نے ان کو بھی ریاست کو سہارا دینے اور اپنے مفادات کے حصول کے لئے استعمال کیا۔ سوات کی ریاست کو ایک مستحکم مرکزی ریاست بنانے میں باچا صاحب کا سب سے مؤثر کارگر تھیاریار یعنی تمام قابل عمل سیاسی امور پر ان کی عمل درآمد گرفت ہی کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

## نوٹس

1. کفایت بخش امین ڈیپارٹمنٹ پی (پبلسٹک) ڈائری نمبر 709 جنوری 1928 قسم ہونے والا بخت ڈپٹی کمشنر پشاور کی قائمیں، بڈل نمبر 5، میرٹھ نمبر 65، پراؤٹفل اراکائیج، پشاور۔
- میاں گل جہاں زیب کے مطابق صیب خان بہت ذہین، پیش بینی پر کارور، بلکہ غیر معمولی قابلیت والا انسان تھا۔ (فریڈرک ہارڈو، وی لاسٹ ڈاٹ سوات: امین ڈیپارٹمنٹ پی (پبلسٹک) ڈائری نمبر 709 جنوری 1928 قسم ہونے والا بخت ڈپٹی کمشنر پشاور کی قائمیں، بڈل نمبر 5، میرٹھ نمبر 65، پراؤٹفل اراکائیج، پشاور۔)
- ہے۔ (دیکھیں سرن زیب سوانی کی کتاب تاریخ ریاست سوات (پشاور: عظیم پبلشنگ ہاؤس، 1984)، صفحات 116-120)۔

## توسیع

(1917ء تا 1947ء)

اپنی پوزیشن کو یقینی طور پر مضبوط بنانے کے لئے عبدالودود پر لازم تھا کہ وہ اپنے زیر نگیں علاقہ میں توسیع کرے۔ وہ ایک بلند حوصلہ، بے یقین طبع، بے حد توانا اور زبردست صلاحیتوں کا مالک شخص تھا۔ سوات کے ارد گرد واقع علاقوں اور پڑوسی ریاستوں کی غیر واضح سیاسی صورت حال نے اُس کی توسیع پسندی کی بڑی مدد کی۔

## وادئی سوات کے اندر توسیع

ستمبر 1917ء میں میاں گل عبدالودود کو صرف نیک بی خیل، سیوجنی، شامیزئی، باہوزئی اور ستوزیڑئی قبائل نے بادشاہ تسلیم کیا۔ اب سب سے پہلے اُسے اپنی توجہ شموزئی علاقہ کی طرف کرنی تھی جو کہ 4 ستمبر کو عبدالجبار شاہ کے سوات سے چلے جانے اور سواتی لشکر کے گھروں کو لوٹنے سے عمل طور پر نواب دیر کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ عبدالودود یقیناً اس علاقہ کو اپنے ایک ایسے مضبوط حریف کے قبضہ میں نہیں چھوڑ سکتا تھا جو پورے سوات پر اپنا دعویٰ رکھتا تھا۔

نواب دیر اور باجوڑ کے عبدالستین خان کے درمیان لڑائی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سوات کے حکمران نے نومبر 1917ء کو میاں گل شیرین جان کی قیادت میں اپنے لشکر کو شموزئی علاقہ پر حملہ کا حکم دیا۔ دیر کی افواج اس پورے علاقہ کو سواتیوں کے قبضہ میں چھوڑ کر ادین زئی علاقہ کی طرف ہٹا ہو گئیں۔ اس کامیابی کے بعد اباخیل اور موسیٰ خیل علاقے بھی اپنے اپنے جگہوں کے توسط سے ریاست سوات کا حصہ بن گئے۔ اس طرح ریاست میں غازی خیل اور جلی خیل کے علاوہ پورا سوات شامل ہو گیا۔

شموزئی میں اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے بعد باچا صاحب مارچ 1918ء میں ادین زئی علاقہ کو نواب دیر کے قبضہ سے چھڑانے کا عزم کے اُس پر حملہ آور ہوا۔ یہ نواب کے قبضہ میں سوات کا آخری علاقہ تھا۔ وہ 24 مارچ کو

قریباً دو ہزار افراد پر مشتمل فوج نے کراس علاقہ میں داخل ہوا۔ چوں کہ بریکی افواج کی طرف سے فکروں کی حفاظت کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا، اس لئے اس نے جلد ہی اس پر سے علاقہ پر قابو حاصل کر لیا لیکن جب 28 مارچ کو اس نے شوا کا قلعہ نواب کی افواج سے چھیننے کی کوشش کی تو اس میں دو ناکام رہا۔ اس لئے کہ نواب کی فوج نے عقب سے حملہ کر دیا اور سواتیوں کو شومڑی کی طرف پہنچا دیا۔

جولائی 1918ء میں نواب نے اپنے کھوئے ہوئے سواتی علاقے دو بارہ قبضہ کرنا چاہے۔ اس کی فوج کو بر کے کی خوانین کے لشکروں کی مدد حاصل تھی۔ اس نے 11 اگست کو شومڑی پر حملہ کر کے اسے باآخروج کر لیا۔ خبر کے دوسرے ہفتہ میں کچھ سواتی لشکر نواب کے لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کرنے کے لئے آئے لیکن حملہ کئے بغیر ہی واپس لوٹ گئے۔ لیکن باجوڑ پر عبدالستین خان کا حملہ ایک نہیں امداد ثابت ہوا۔ سواتیوں نے صرف شومڑی کو نواب سے واپس نہیں لیا بلکہ ادین زئی کو بھی اس کے قبضہ سے چھڑا لیا۔ اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لئے شوا اور رامزہ میں 400 کی فوجی پر مشتمل باقاعدہ فوج تعینات کر دی گئی۔ جب کہ قبائلی لشکر گھروں کو لوٹ گئے۔

شومڑی اور ادین زئی دو بارہ فتح ہونے کے بعد مزید خیل اور جھکی خیل کے جرگوں نے اپنے اپنے علاقے ریاست کا حصہ بنانے پر ساد کر لی۔ اس طرح 1920ء کے قسم ہونے سے پہلے ہی یہ علاقے بھی اس میں شامل کر لئے گئے۔ اب ریاست کی حدود میں سوات بالا کی پوری وادی دریا کے دونوں جانب اور زیریں سوات میں دریا کے دائیں جانب ادین زئی علاقہ کے آخری حد تک کا سارا علاقہ شامل تھا۔ جون 1918ء میں باچا صاحب نے جھکی خیل کی ایک کالونی تیرات کی طرف بھی منتشر کرنے کے لئے اپنے آدمی بھیجے، جہاں سے اس سے پہلے کسی نے بھی منتشر نہیں لیا تھا۔ مگر کوراصل اطاعت قبول کرنے کی ایک علامت کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔

نواب دیر نے اپنے کھوئے ہوئے علاقے دو بارہ قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ اس مقصد کے لئے اس نے 1921ء میں عبدالجبار شاہ اور سوات کے کچھ خوانین کے ساتھ ایک معاہدہ بھی کیا۔ تاہم شومڑی سے آگے کے دائیں جانب کے علاقے 1922ء کے ادین زئی معاہدہ کے تحت نواب کو لوٹانے پڑے۔ یہ معاہدہ برطانوی حکومت کی ایما اور مداخلت پر کیا گیا۔

## سوات کو ہستان اور بونیر کی جانب توسیع

جب نواب سب نے چکیر اور کراکڑی اطراف سے دو بار حملوں کی کوشش کی تو میاں گل عبدالودود کو یستین ہو گیا کہ جب تک بونیر، کاخ اور غور بند پر قبضہ نہ کر لیا جائے، ریاست کے استحکام کو خدشات لاحق رہیں گے۔

ادین زئی معاہدہ نے مغربی سرحد کو محفوظ کر دیا۔ اب مشرق اور جنوب کی طرف توسیع کے راستے کھل گئے۔ اس سے عہدہ الودود کو یونیر فور بندہ کا خواہ پٹیکس اور ابا سین کو بہتان کا کچھ علاقہ قبضہ کرنے کا موقع مل گیا۔ ان علاقوں کی جانب سے کئے گئے گزشتہ حملوں نے عہدہ الودود کو اُس کی کمزوری کا احساس دلادیا تھا۔ اس لئے ریاست کو محفوظ بنانے کے لئے اُس نے ان پر قبضہ کا پختہ سازم کر لیا تھا۔ یونیر کے جلاوطن خوانین نے، جو سیدہ میں رہتے تھے اور جو اُس کے ڈل (دھڑا) سے تعلق رکھتے تھے، عہدہ الودود سے ملاقات کی اور اُس کو ترغیب دی کہ وہ ان کی ہمراہی میں یونیر پر حملہ کر دے لیکن اُس نے انہیں نواب سب کی فوج کو یونیر سے نکال باہر کرنے کے لئے بھیج دیا۔

1922ء میں سوات کو بہتان کے معززین نے باچا صاحب سے ملاقات کر کے درخواست کی کہ اُن کے علاقہ کو بھی ریاست میں شامل کر دیا جائے۔ اس طرح کے رضا کارانہ ادغام کے لئے بھی طاقت کے مظاہرہ کی ضرورت تھی اس لئے کہ بعض اوقات اس قسم کے جرموں یا دُلو میں صرف ایک ڈل کی نمائندگی ہوتی تھی۔ باچا صاحب نے، جو اُس وقت یونیر میں ہی مقیم تھے، ان کی دل جوئی کے لئے اپنے کمانڈر انچیف کو ایک دستہ دے کر اُن کے ساتھ بھیج دیا اور اُسے بتادیا کہ وہ کوئی بہانہ کر کے وہاں سے لوٹ آئے۔ بحرن پہنچ کر کمانڈر انچیف نے قصبہ پر از خود قبضہ کی ٹھان لی۔ حملہ کام ہوا اور کلک طلب کی گئی۔ سواتی دستہ کی حالت خاصی کمزور ہو چکی تھی کہ اتنے میں کلک پہنچ گئی اور کو بہتانی بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ اس طرح کو بہتان کا ترویراتی لحاظ سے انتہائی اہم قصبہ۔ قبضہ میں آ گیا۔ دادئی خیل کے کو بہتانوں نے مارچ 1921ء ہی میں اطاعت قبول کر لی تھی۔

نومبر 1922ء میں سوات کو بہتان کے ایک ڈل (دھڑے) نے باچا صاحب کو دعوت دی کہ وہ آ کر ان کے علاقہ کا سوات کے ساتھ الحاق کر لیں۔ انہوں نے جرگہ کو ایک لشکر کے ساتھ بھیجا۔ وہ شمال تک بغیر کسی مزاحمت کے آگے بڑھا رہا۔ نواب دیر نے دیر کے کو بہتانوں کو غیرت دلائی کہ وہ نکل کر اس پر حملہ کر دیں۔ نواب کا چھوٹا لشکر بعد میں بغیر لڑے اپنے علاقہ میں لوٹ گیا اور باچا صاحب کے لشکر سوات کو بہتان میں چاڈگرام (بالاکوٹ) کی چوکی پر قبضہ کر کے سید آگئے۔ باچا صاحب کا حامی 150 افراد پر مشتمل کو بہتانوں کا ایک جرگہ بھی سید آ گیا۔ البتہ کلام کے لوگوں نے ان سے کسی قسم کا کوئی تعلق رکھنے سے انکار کر دیا۔

1923ء میں یونیر فتح کرنے کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ اس کی اطلاع ملاکنڈ پہنچ گئی۔ عہدہ الودود کے مطابق پٹیکس کل ایجنٹ نے سیاسی تحصیل داد بھیج کر اس کی تصدیق چاہی لیکن برطانوی سرکاری رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ اُس نے خود ہی ہندوستانی اسٹنٹ کو تقریباً 10 مارچ 1923ء کو سوات بلا کر ملنے کے لئے کہا۔ باچا صاحب نے کلاڈھا کے آزاد قبائل سے سلسلہ جنہانی کی اور وہاں کے سواتی قبائل اور حسن زئی قبائل کا سوا افراد پر مشتمل وفد سید شریف آیا اور نواب سب کے خلاف احماد کی درخواست کی۔ 5 مارچ 1923ء کو سلازئی قبیلہ کا 60 ارکان پر

مشکل جرگہ ہوئے۔ سیدوآپا اور نواب سب کے خلاف مدد مانگی۔ دس مارچ کو وفد نیشنل کے ایک جرگہ نے بھی آکر یہی استدعا کی۔

پہلے نکل تحصیل دار سیدوآپا لیکن باچا صاحب نے بہم سا جواب دے کر اسے ٹال دیا۔ اس طرح پہلے نکل ایجنٹ کو مکمل طور پر بند دے دیا گیا۔ پھر اپنی حکمت عملی پر عمل کرتے ہوئے اس نے 14 اپریل 1923ء کو بوئیر اپنی فوج بھیج دی۔ پورا بوئیر بغیر کسی خاص مزاحمت کے زیرِ نگیں آ گیا۔ برطانوی حکام نے اس کا اس طرح سے جائزہ لیا۔

”یہ بات پوری طرح ماننے کی ہے کہ اگر عبدالجبار شاہ اور نواب سب نے گزشتہ سال بوئیر پر کام چلنے کے ہوتے تو ہمیں گل پیازہ کاروائی نہ کرنی۔ اس سے اس کا مقصد اللہ بھرا اپنی عظمت کا قیام نکلر آتا ہے۔“

اسی دوران خود زنی علاقہ کے ناکندوں نے آکر سواتی حکمران سے سیدو شریف میں ملاقات کی اور اپنے علاقہ کو بھی ریاست کا حصہ بنانے کی پیشکش کی جسے قبول کر لیا گیا۔ عبدالودود نے ملائکہ کے دورہ میں چیف کسٹمز کو بوئیر پر برطانوی حکومت کو اعتماد میں لے بغیر قبضہ کا جواز پیش کیا۔ بہر حال برطانوی حکام ریاست سوات میں توسیع کے اس تیز رفتار سے خطرہ محسوس کرنے لگے تھے۔ دو سو پتے تھے کہ جانے یہ سلسلہ کہاں جا کر کے گا۔

حالاں کہ بوئیر پر سواتی فوج نے وہاں کے اپنے حامی ذول کی رفاقت میں بغیر کوئی گولی چلائے قبضہ کیا، علاقہ کے کچھ لوگ اس سے خوش نہیں تھے۔ مختلف پرہیزوں سے پتہ چلا ہے کہ میاں گل کی حکومت سے وہاں کے کچھ لوگوں میں بے چینی پھیل رہی تھی۔ اطلاع ملنے ہی کہ نواب سب جملہ عبور کرتے ہوئے ۲۵ اپریل قبضہ پر عمل کرنے والا ہے، باچا صاحب نے اپنے وزیر اعلیٰ کی قیادت میں نکالی لشکر کو ڈگر کی طرف بھیجا۔ اس لشکر کو مزید تقویت دینے کے لئے اباخیل، موئی خیل اور ہابوزئی کے قبائلی لشکر کو کراڑ کے راستے بھیجا۔ ان کی تعداد تین سو سے چار سو تک بتائی جاتی ہے۔ دو رات گزارنے کے لئے سلازئی علاقہ کے حجروں میں ٹھہر گئے۔ ان پر بے خبری میں حملہ کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ ایسا شائد عبدالجبار شاہ کی تحریک پر کیا گیا ہو۔ کچھ جانی نقصان کے بعد سواتی لشکر نے ہتھیار ڈال دیئے اور انہیں سوات لوٹنے کی اجازت دے دی گئی۔ ’واپسی کے دوران ان پر سلازئی قبائل نے شب خون مارا۔ میاں گل عبدالودود کے بیان کے مطابق پچاس یا ساٹھ افراد مارے گئے۔ دوسرے ذرائع جانی نقصان کی تعداد سو یا ایک سو پچاس بتاتے ہیں۔‘ عبدالودود نے اب ایک اور بڑا لشکر نیک بی خیل علاقہ سے اکٹھا کیا اور سلازئی پر ہر طرف سے حملہ کر دیا۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد ماری گئی۔ ان کی کچھ عورتیں اور مال موٹی سوات لائے گئے۔ بہت سے مردان بھاگ کر مہاجر بن گئے۔ تین دن تک ان کا قتل عام کرنے کے بعد یہ لشکر وڑیر کی فوج کی مدد کے لئے ڈگر کی طرف بڑھا۔

## کانڑا، غور بند، چکبیر اور پٹنڑی کی طرف توسیع

بوتیر کے بعد اُس نے اپنی توجہ کانڑا، غور بند، چکبیر اور پٹنڑی علاقہ کی طرف مبذول کی۔ جون 1923ء میں یہ رپورٹ پہنچی کہ پورن، غور بند، بیلوٹی، چکبیر اور غیر صدقہ طور پر پٹنڑی کے باشندوں نے پرامن طور پر میاں گل کی مکرانی کو تسلیم کر لیا ہے اور آہٹیں میں ایک دفاعی معاہدہ کر لیا ہے لیکن حقیقت میں یہ بات صرف پورن کی حد تک صحیح تھی اس لئے کہ غور بند اور بیلوٹی پر جون کے اواخر میں قبضہ کیا گیا اور نومبر 1923ء میں عبدالودود نے کانڑا اور چکبیر پر قبضہ کا عزم کیا۔

علاقہ کی ایک بااثر شخصیت میر داد خان کے دوستانہ مشورہ پر عمل کرتے ہوئے سوات کے حکمران نے یہ ظاہر تو کانڑا کی طرف فوج روانہ کی لیکن فوج کی اصل منزل چکبیر تھا۔ اس کے لئے غور بند کا راستہ استعمال کیا گیا۔ سپہ سالار کے قیادت میں قریباً 4 ہزار افراد پر مشتمل یہ فوج یہ ظاہر کانڑا فتح کرنے کے لئے نکلی لیکن دراصل اسے چکبیر جانا تھا۔ یہ نکتہ عملی کارگر ثابت ہوئی۔ اچانک سواتی فوج اپنے سامنے پاکر یہ لوگ ششدر رہ گئے اور بغیر لڑنے ہتھیار ڈال دیئے۔

کانڑا نے بھی سوائے نوبت بھی کے جو کہ حکیم خان کا مرکز تھا اطاعت قبول کر لی لیکن اس علاقہ پر عمل فتح آسانی سے حاصل نہیں ہو سکی۔ اس کے لئے عبدالعظیم خان اور عبدالخلیل خان آف کانڑا نے حمہ ہو کر مزاحمت کی ضمان لی۔ سپہ سالار 14 نومبر کو چکبیر سے کانڑا روانہ ہوا اور اہل کے مقام پر ایک سخت لڑائی کے بعد بالآخر سوات کی فوج کا سیلاب ہو گئی۔ کانڑا اور چکبیر کے جرگوں نے سیدو جا کر باچا صاحب کی وفاداری کا حلف لیا۔ اس طرح دیر اور سب کی حملہ آور افواج کو نکال باہر کر کے سوات کے حکمران نے اپنی حکومت کو سوات خاص سے باہر بوتیر، سوات کوہستان کے نچلے حصہ اور غور بند، کانڑا، چکبیر اور پورن تک پھیلا لیا جو کہ سوات دائرہ شہد اور اباسین کے درمیان واقع ہے۔

دسمبر 1923ء میں مار تو گم پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے ایک لشکر روانہ کیا جس پر بڑی خیل اور نصرت خیل پٹنڑی قبائل نے حملہ کر کے قبضہ کر لیا تھا۔ لشکر نے صرف مار تو گم پر دوبارہ قبضہ نہیں کیا بلکہ اباسین کے کنارے تک کا پورا علاقہ تاراج کر دیا۔ 1923ء میں عبدالودود فقط بوتیر اور ہملہ پر قابض نہیں ہوا بلکہ سوات اور بوتیر کے قبائل کے قبضہ میں رادئی سوات سے اباسین تک کا پورا علاقہ اُس کے زیر نگیں آ گیا۔

میاں گل عبدالودود اپنی کامیابی پر نازاں تھا۔ اُس نے چکبیر اور کانڑا کی فتح پر اپنے سپہ سالار کو انعامات دیئے اور اپنی فوج کی خدمات اور بہادری کی تعریف کی۔ 8 فروری 1924ء کو سیدو میں منفقہ ایک پارٹی میں اُس نے پانچ مجبوروں کو کمانڈنگ افسر اور نو دیگر فوجیوں کو سبھر بنا دیا اور تمام فوجی افسران کو تحفے اور انعامات دیئے گئے۔ مارچ

1924ء میں چیکس کے دو چھوٹے قلعے گزمی جب اور گزمی دار ہلال سہارت کاری کے ذریعہ برادر خان آف ٹاکوٹ سے باجا آف سوات اسٹیٹ کو منتقل ہوئے۔

اُس سمت میں مزید توسیع 1930ء تک معطل رہی جب سوات کے حکمران نے ابا سین کے دائیں جانب بغر زئی علاقہ کے ایک چھوٹے سے کونے کو روند ڈالا، جو کہ اب تک آزاد چلا آ رہا تھا، اور برطانوی حکومت سے کئے جانے والے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حسن زئی علاقہ کے ایک حصہ پر بھی قبضہ کر لیا۔

### ابا سین کی دوسری جانب توسیع

میاں گل عبدالودود نے پولیٹیکل ایجنٹ کو یقین دہانی کرائی کہ اُس کا ابا سین کو عبور کرنے کا کوئی ارادہ نہیں لیکن پولیٹیکل ایجنٹ نے اُسے یاد دہانی کرانے کے لئے اس موضوع پر ایک اور خط بھیجا۔ اُسے 27 دسمبر 1923ء کو جواب آیا جس میں بیان کیا گیا تھا کہ عبدالودود کی فوج نے کسی خیل اور دیگر دشمن عناصر کو ابا سین کے اُس طرف تکمیل دیا ہے۔ ابا سین کے اُس پارہ صرف ٹاکوٹ خان برادر خان اور کاخرا سے بھاگے ہوئے مخالف گروہ کی موجودگی کی وجہ سے کچھ قدم لینے پر مجبور ہوا۔ برطانوی حکومت نے خطرہ محسوس کیا اور پولیٹیکل ایجنٹ نے سوات کے وزیر سے کہا کہ ہماری حکومت اپنے شمال میں ایک اور افغانستان بنانے کی اجازت نہیں دے گی۔ جس میں ابا سین کو عبور نہیں کرنا چاہئے اور واپس جانا چاہئے۔ اس طرح عبدالودود کو برطانوی حکومت نے صاف صاف حذب کر دیا تھا کہ اگر اُس نے ابا سین کو عبور کیا تو دوسری طرف اُسے برطانوی حکومت کے مقابل آنا پڑے گا۔ اس طرح یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی کہ اس سمت ابا سین ریاست سوات کی آخری حد ہے۔

### خدیو خیل اور امان زئی کی طرف توسیع

اگست 1924ء کو سوات کی افواج خدیو خیل، گدون اور امان زئی کی طرف بڑھیں۔ بہت سے خدیو خیل ضلع پشاور فرار ہو گئے اور جو باقی رہ گئے انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور سوات کا وزیر خدیو خیل سے اپنا لشکر سہارک خیل کی طرف لے گیا۔ اُس نے اسسٹنٹ کمشنر مردان کو جنگی اطلاع دیتے ہوئے خط لکھا اور اُسے اپنی مجوزہ کارروائی اور اُس کے مقاصد کے بارے میں آگاہ کیا اور اُسے یقین دہانی کرائی کہ لشکر بہت جلد واپس لوٹ آئے گا بشرط یہ کہ تناوی لشکر اس کے خلاف کوئی اقدام نہ کرے اور یہ کہ سواتی لشکر تناوی علاقہ کی حد عبور نہیں کرے گا۔

اس طرح خدیو خیل اور سورے امان زئی کو سوات کے قبضہ میں لایا گیا۔ 1926ء میں عبدالودود نے برطانوی

حکومت سے ہونے والے معاہدہ میں یہ مان لیا کہ

”مندرجہ ذیل علاقے اُس کے اور نواب سب کے درمیان قدرتی سرحد کے طور پر رہیں گے۔ سارا ایسوزنی علاقہ (مراٹھیل، حسن زئی، پاک زئی، پھانڈا کلا زئی، گدوہن اور اتھان زئی) کیا۔ کنکل)۔ اس طرح عبدالودود کی حکومت کی سرحدیں جنوب اور جنوب مشرق میں برطانوی سلطنت اور مندرجہ بالا فیوجیاب دارملاقہ سے جا لگیں اور ان حصوں میں اُس کی توپنی سرگرمیاں خود بخود ختم ہو گئیں۔“

## اباسین کو ہستان کی جانب توسیع

کاخرا پر قبضہ کے بعد سوات کے حکمران کا اباسین کو ہستان کے کوہستانوں سے آسا سامنا ہو گیا۔ مئی 1925ء میں اُس نے وادی کورنگ کے نقطہ آغا ز پر حملہ کر کے اُسے قبضہ کر لیا۔ 1926ء کے موسم گرما میں کوہستانی پھر پریشان کرنے لگے تھے۔ 31 اگست کو عبدالودود پولیٹیکل ایجنٹ سے ملنے ملا کھڑا گیا۔ اُس نے بتایا کہ اُس نے کوہستانوں کے خلاف فوج بھیجی اس لئے ضروری تھی، جو کہ کاخرا اور غور بند کے قریب شمال میں رہتے ہیں، تاکہ انہیں مسلسل ان علاقوں پر حملوں کی سزا دیں۔

اُس کی فوج نے سخت لڑائی کے بعد بٹام اور لاہور پر قبضہ کر لیا۔ یہ ہم اُسے بہت جھگی پڑی۔ اُس کا روڈوائی کے دوران اُس کی افواج کو خاصا نقصان اٹھانا پڑا۔ تقریباً 150 افراد ہلاک یا زخمی ہوئے۔ اس پر 20000 روپے سے زیادہ خرچ آیا اور تقریباً ایک لاکھ کارتوس بھی استعمال ہوئے۔ جب کہ معتبر ذرائع کے مطابق سواتیوں کا جانی نقصان تقریباً 500 ہلاک اور زخمی افراد پر مشتمل تھا۔ بہت سے لوگ اُن بھاری پتھروں اور گولہ باری کے تھوکوں کے نیچے آ کر زخمی اور ہلاک ہوئے جو کہ اُن کے اوپر گرائے گئے۔

چوں کہ اس کوہستانی علاقہ میں بہت نقصان اٹھانا پڑا، اس لئے مزید توسیع بہت احتیاط اور سلامتی ذرائع سے کی گئی۔ عبدالودود نے کوہستان کے اہم اور معزز ترین افراد کو مہمانوں کی حیثیت سے اپنے ہاں بلانا شروع کیا۔ اُن کا اچھا استقبال کیا جاتا تھا اور قیمتی تحائف دیا جاتا تھا۔ اس درباریوں سے کچھ لوگوں کی حمایت حاصل کرتی تھی لیکن بہت سے ایسے خدشات میں مبتلا تھے کہ کہیں الملاق سے اُن کی عزت و وقار میں کمی نہ آجائے۔ ان لوگوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کی ضمانت چاہتے ہوئے الملاق کی درخواست کی۔ باچا صاحب نے وہاں موجود اپنے کوہستانی دوستوں سے اس کی تصدیق کروائی اور پھر ایک مضبوط فوج بھیج کر دیر درانولیا اور بنگلوٹ پر قبضہ کر لیا گیا۔

لیکن کوہستانیوں کا اصل مرکز، دارالحکومت اور سب سے مضبوط قصبہ چنن ابھی تک فتح نہیں کیا جا سکا تھا اور جب تک یہ نہ ہو جاتا تو کوہستان پر قبضہ کی ضمانت نہیں دی جا سکتی تھی۔ یہ ایک مشکل کام تھا لیکن عبدالودود نے عزم



کر لیا تھا کہ ایسا کرنا ضروری ہے۔ اُس نے جن کے محدود سے چند دوستوں کے ہم راہ ایک نرہ دوست فوج روانہ کی۔ فوج اتنی تیزی سے منزل کی طرف بڑھی کہ اُس نے ذبح سوئیل کا کاغذ لپیٹی دشوار گزار پہاڑی راستوں سے چلتے ہوئے صرف تین دنوں میں پیدل طے کیا۔ ایک بھر پور ملکہ کے اسے جلد ہی فتح کر لیا گیا۔ جن کی فتح کو بہتانوں کی طاقت کا اختتام ثابت ہوئی اور اس کے ذریعے آتے ہی دیگر علاقے رضا کارانہ طور پر مدغم ہونے لگے۔ پہلے سیو شامل ہوا، پھر کند یا جس پر 1939ء میں قبضہ ہوا۔ اس طرح اباسین کے دائیں کنارے والا کوہستان ریاست سوات کا حصہ بن گیا۔

## تاکتیر اور الائی کی طرف توسیع

تاکتیر اور الائی کے لوگوں نے بھی الحاق کی درخواست کی لیکن انگریز حکومت نے اس کی اجازت نہیں دی۔ بعد میں گلگت میں تین تین پریلیمنٹری اجنٹ نے اس بات کی وکالت کی کہ تاکتیر اور الائی کا سوات سے الحاق برطانوی حکومت کے مفاد میں ہے لیکن اعلیٰ حکام نے اس بات سے اتفاق نہیں کیا۔ اس طرح اس سمت میں بھی ریاست سوات کی توسیعی حد قائم ہو گئی جس سے آگے جانا ممکن نہیں تھا۔

## کالام کی طرف توسیع

کالام کے معاملات بالکل مختلف ہیں۔ اوشہ، آتروز، کالام، اور اوز یا پنی یا گاڈری علاقہ کو سرکاری کانتھات میں کالام کا مشترک نام دیا گیا ہے۔ یہ علاقہ دریائے سوات کے بالائی تسلسل میں واقع ہے اور اس پر بہتر چترال، نواب دیر اور ریاست سوات کے باج کا دعویٰ تھا۔ یہاں کے باشندے آزاد تھے، کسی کو خسر نہیں دیتے تھے اور آزاد رہتا چاہتے تھے لیکن اُن کے باہمی جھگڑوں کی وجہ سے بعض اوقات کمزور فریق مندرجہ بالا تینوں دعوے داروں میں سے کسی ایک سے مدد کا طالب ہوتا جس سے اُس کو سازش کر کے اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کا موقع مل جاتا۔ ارادہ یہ ہوتا کہ کسی طرح اس پورے علاقہ کو زیرِ قلم کرے۔ اصل دل چسپی سب کو یہاں کے ابھی تک محفوظ رکھنے جنگلات سے تھی۔ چترال علاقہ پر اپنی ملکیت کا دعویٰ اس بنیاد پر کرتا تھا کہ چترالی حکمران یہاں پناہ لینے آتے تھے اور یہاں کے تقریباً چار سو گھرانے چترالی زبان بولتے تھے۔ دیگر یہ کہ چترالی ان سے سالانہ کچھ ٹنجر یہ طور خراج وصول کرتے تھے۔ نواب دیر کے دعویٰ کی بنیاد دیر کو بہتان اور یہاں کے لوگوں کی زبان کا ایک ہونا تھا جب کہ سوات کا دعویٰ صرف جغرافیائی بنیادوں پر تھا۔





## اُمورِ خارجہ

برطانوی راج کے دوران ہندوستانی مقامی ریاستوں کی حیثیت کا دارومدار اس بات پر تھا کہ ان کے حکمران برطانوی شہنشاہ کی بالادستی قبول کر لیں۔ یہ دراصل برطانوی قبضہ میں توسیع کے لئے ایک ایسی سیاسی حکمت عملی تھی جس کے تحت انتظامی اختیارات ریاستی حکمرانوں کے پاس رہتے تھے۔ 1857ء کی بغاوت کے بعد، جس کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب ایسٹ انڈیا کمپنی کی توسیع پسندانہ پالیسی اور مقامی ریاستوں کا انگریز حکومت میں الحاق کا عمل تھا، ملکہ وکٹوریہ نے یہ مشہور و معروف عہد کیا تھا کہ 'مقامی شہزادوں کے حقوق اور عزت و وقار کا خیال رکھا جائے گا۔'

عبدالجبار شاہ کے عہد میں ریاست سوات اور برطانوی حکومت کے درمیان تعلقات کا احاطہ چوتھے باب میں کر لیا گیا ہے۔ عبدالودود کے عہد میں اس تعلق کو اُس کے خاندانی رویوں اور حکمران بننے سے قبل برطانوی حکومت سے اُس کے روابط اور رفاقت کے تناظر میں جانچنے کی ضرورت ہے۔

سیدو بابا اور اُس کے بیٹوں کے انگریز حکومت سے خاصے بہتر تعلقات تھے اور اُس کے چاروں پوتوں نے ان سے پہلے رابطہ کی کوشش اُس وقت کی جب 1895ء کی ملاکنڈ خزا کے بعد انہوں نے ملاکنڈ کے پولیٹیکل ایجنٹ سے خط و کتابت شروع کی لیکن انگریز حکومت نے ان کو یہ ناکام جواب دے کر اس سلسلہ کو ختم کر دیا کہ وہ اُس وقت تک ان سے کوئی سروکار نہیں رکھے گی جب تک مقامی قبیلہ انہیں حکمران نہ تسلیم کر لے۔

میاں گل خانمان نے جولائی 1897ء میں سر تو رفقیر کولنڈا کے سے ہٹانے کی کوشش کی تا کہ انگریز حکومت کے لئے سوات کی سر زمین پر کوئی مصیبت کھڑی نہ ہو لیکن وہ اس کوشش میں ناکام رہے۔ نتیجتاً عبدالودود اپنے چچا سے بھائیوں کے ساتھ 1897ء کے جہاد میں شرکت پر مجبور ہوا۔ 'ور نہ تو اُسے کافر قرار دیا جاتا۔' لیکن وہ اس جہاد میں تاخیر سے یعنی 29 جولائی 1897ء کو شامل ہوا اور اصل میدان جنگ سے دور ہی رہا بلکہ حقیقت میں اُس نے لڑائی میں شرکت نہیں کی لیکن اتنی بات بھی انگریز حکومت کو شک میں مبتلا کرنے کیلئے کافی تھی۔ اس سے میاں گل خانمان کو

انہوں نے اپنے لئے قاعداں اور قواعد پر یا جس پر اس خاندان نے ان کو خط و لکھ کر اس کی خواہش اور اطاعت قبول کرنے کے لئے اپنی استدعا پیش کی۔ اس لئے جب اگست 1897ء میں انگریز حکومت کی طرف سے دہلی سوات کے خلاف تعزیری مشہور شروع کی گئی تو ان سے ہتھیار چھیننے کے لئے خصوصی طور پر کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ 24 جنوری 1897ء کو برطانوی حکومت سے معاہدہ کی اہمیت کو سمجھنے ہوئے عبدالودود سوات ہلالہ کے ایک جرگہ کے ساتھ پولیسنگھل ایجنٹ سے ملاقات کے لئے چک درو گیا۔ وہ اپنے ساتھ دوسرے کاروباری بندو قیس اور یغینت گریزی کو لے گیا جو کہ لوہاں گلی (سوئی ٹیل ملاقات) سوات میں دوران جنگ مارا گیا تھا۔

اس کے بعد والے مہینے وہ میاں گل خاندان کے دیگر افراد کو لے کر ملاکنڈ گیا اور سر قور فقیر کو نہ روک سکے اور بعض لوگوں کی جانب سے ان کے مہر کے علاوہ استعمال کی صفائی پیش کی۔ انہوں نے پولیسنگھل ایجنٹ کو اپنی طرف سے خیر خواہی کے جذبات کی یقین دہانی کرائی اور احماد کی بھائی کی خاطر بوئے نور کو مطیع فرمان بنانے کی پیش کش کی۔ ملاکنڈ سے واپسی پر وہ اس ہم پر بوئے نور گئے تاکہ وہاں کے لوگوں کو انگریز حکومت کی طرف سے عائد کردہ اس جرمانہ کی ادائیگی پر قائل کریں جو جہاد میں شرکت کی وجہ سے ان پر عائد کیا گیا تھا لیکن لوگوں نے انکار کر دیا۔

1902ء کے بعد سے میاں گل خاندان کے افراد کوئی کس سالانہ پانچ سو روپے کی رقم انگریز حکومت کی طرف سے خفیہ طور پر وقفہ وقفہ سے دی جاتی رہی۔ 1903ء میں عبدالودود نے چک درو سے چرائی گئی ایک رائٹل انگریز حکومت کو بلا معاوضہ واپس کی۔ اپریل 1905ء میں میاں گل خاندان کے ارکان نے باچا خان کو نواب دیر مقرر کرنے کے لئے چیف کسٹمر کے دربار منعقدہ بہ مقام چک درو میں شرکت کی۔ اپنے خاندانی اور قبائلی جھگڑوں کو سلجھانے کے لئے مختلف مواقع پر پولیسنگھل ایجنٹ کے پاس آنے جانے سے میاں گل خاندان کے ہارے میں انگریز حکام کے جذبات آہستہ آہستہ دوستانہ ہوتے چلے گئے۔

مارچ 1906ء میں عبدالودود نے ایک موٹر گاڑی خریدنے اور بیگورہ تک سڑک کی توسیع کے موضوع پر بات چیت کے لئے پولیسنگھل ایجنٹ سے ملاقات کی۔ اسی سال مئی کے مہینے میں پولیسنگھل ایجنٹ اپنی بیوی کے ہم راہ سوات کے دروہ پر گیا اور سیدو میں بطور مہمان اُس کے پاس قیام کیا۔ 1908ء میں سر قور فقیر نے ایک بار بھر قبائل کو ملاکنڈ پر حملے کے لئے اکسایا۔ عبدالودود نے سوات میں سے اس کے گزرنے کی مخالفت کی۔ اس پر اُسے اور اُس کے بھائی کو انگریز حکومت کی طرف سے 20 ہزار روپے دیئے گئے۔ پولیسنگھل ایجنٹ نے عبدالودود اور اُس کے بھائی شیرین جان کے درمیان ثالثی کرا کے معاہدہ کروایا۔ معاہدہ ٹوٹنے پر ملاکنڈ میں ان کی ملاقات کا انتقام کیا گیا جہاں پر تازہ عارضی طور پر عمل ہوا۔

جولائی 1913ء میں عبدالودود اور اُس کے بھائی نے انگریز حکومت کو اپنی طرف سے یہ پیغام پہنچایا کہ وہ

اپنے اثر و رسوخ کو ان کی مرضی کے مطابق استعمال کرنے کے لئے تیار ہیں۔ فروری 1914ء میں انہوں نے مزید باور کرایا کروہ بونیر میں بھی انگریز حکومت کے حق میں اپنا رسوخ استعمال کرنے کے لئے تیار ہیں۔ انہوں نے بونیر اور صوابلی میں انگریز حکومت کے مفاد کے لئے اثر و رسوخ استعمال کیا۔ جب پہلی جنگ عظیم چھڑی تو انہوں نے انگریز حکومت کی حمایت کا اظہار کیا اور انڈین ریلیف فنڈ میں چندہ دیا۔ جون 1915ء میں سوات ہلالا کے لوگوں نے سنڈاگنی بابا کے زیر اثر ادین زئی علاقہ پر قبضہ کی کوشش کی۔ انگریز حکومت نے اس کارروائی کی مخالفت کی۔ صورت حال نے ہازک رخ اختیار کیا۔ اس موقع پر میاں گل برادران نے انگریز حکومت کو پیش بہا امداد فراہم کی۔

جب عظیم اول کے دوران حامی صاحب آف ترنگزئی اور سنڈاگنی بابا سوات اور ملحقہ علاقوں میں انگریز مخالف کارروائیوں میں اضافہ کی کوشش میں سرگرم رہے۔ جب کہ میاں گل برادران اور ان کے ہم خیال پاستنی ملا (ایوبکر) نے انہیں ایسا کرنے سے روکا اور ان کے ایسے اقدامات کو اسلامی تعلیمات کے خلاف قرار دیا۔ سید بابا کی اولاد میں سے ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ ان کی اس بات کو اہمیت دیتے تھے۔

جب نومبر 1915ء میں عبدالجبار شاہ نے میاں گل برادران کو سوات سے نکال باہر کیا تو عبدالودود پوٹیلےکل ایجنٹ سے ملاقات کے لئے ملا کھڑا گیا۔ اسے قحانہ یاد بار چک درہ میں اپنی سیرتی اراضی پر قیام کی اجازت دے دی گئی۔ جب نومبر 1916ء میں میاں گل برادران اور سواتیوں کے درمیان معاہدہ امن کے لئے گفتگو جاری تھی تو عبدالودود نے سواتیوں سے کہا کہ وہ برطانوی حکومت سے بھی معاہدہ امن کر لیں۔

عبدالودود کی حکومت کے بائبل ابتدائی دنوں میں گائیڈ ز کیوری چک درہ کے دوسرا اپنی بندوقیں اور گولیاں لے کر فوج سے بھاگ گئے۔ عبدالودود نے ان میں سے ایک کو صرف گرفتار کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کی بندوق اور گولہ بارود کو بھی ملا کھڑے میں انگریز حکام کے پاس بھیج دیا۔ مارچ 1918ء میں عبدالودود اپنے دو ہزار آدمیوں کے ساتھ ادین زئی میں نمودار ہوا لیکن انگریز حکومت نے عبدالجبار شاہ کی طرح اسے ملا کھڑے چرال روڈ کی طرف آگے بڑھنے سے نہیں روکا۔ البتہ جب اس نے لنڈا کے کے مقام پر ایک چوکی بنانی چاہی تو اسے بتایا گیا کہ انگریز حکومت اس بات کی اجازت نہیں دے گی۔

جون 1918ء میں سنڈاگنی بابا سے ملنے کے لئے دو آدمی جو خود کو ترک کہتے تھے اور حامی صاحب ترنگزئی کی طرف سے کچھ لوگ سوات کو ہستان آئے تاکہ انہیں اس بات پر آمادہ کریں کہ لوگوں کو ایک بار پھر انگریزوں کے خلاف جہاد کے لئے تیار کریں۔ عبدالودود نے کہا کہ سوات انگریز حکومت سے لانے کا متحمل نہیں ہو سکتا بلکہ وہ تو انگریزوں کے ممنون ہیں کہ انہوں نے اقتصادی گھیراؤ ختم کر کے نقل و حمل کی اجازت دے دی ہے، جسے عبدالجبار شاہ کے مہد حکومت میں سواتیوں کی جانب سے انگریز حکومت کے خلاف یورش کی کوشش کے بعد 25 اگست 1915ء کو

1901ء کے ریگولیشن III کے تحت لاگو کیا گیا تھا۔ انگریزوں اور افغانستان کے درمیان لڑی جانے والی تیسری جنگ کے دوران سوات کے حکمران کی کاوشوں کے نتیجے میں یہاں کے لوگ اُس سے لاتعلقی رہے۔

جون 1921ء میں جب عبدالودود کے ایک وزیر نے سوات کے جنگلات کے باب میں بات چیت کے لئے پولیٹیکل ایجنٹ سے ملاقات کی تو برطانوی حکومت نے اچھی طرح اُس پر یہ بات واضح کر دی کہ چترال اور دیر سڑک، جس کا دس میل کا حصہ ریاست سوات کے حدود میں سے گزرتا تھا، پر پلٹے والی ٹریک سے چاہے دو لگی ہو یا سرکاری کسی قسم کی پیچھے چھماڑ کو ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا۔ اسی سال اکتوبر میں پولیٹیکل ایجنٹ ادین زئی کے دورہ پر گیا اور وہاں موجود سوات کے کمانڈر پر چترال روڈ اور پک دورہ کے قلعہ کے گرد و نواح کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لئے زور دیا۔ عبدالودود نے پولیٹیکل ایجنٹ کو صرف اس بات کی تحریری یقین دہانی نہیں کرائی بلکہ بذاتہ خود اُس کو باور کرایا کہ انگریز حکومت کے خلاف فٹا کوئی کام نہیں کیا جائے گا۔

1921ء ہی میں عبدالودود نے الزام لگایا کہ پولیٹیکل ایجنٹ نے سازش کر کے اُس کے مخالفین کا ایک اتحاد بنوایا ہے۔ اُس کا یہ الزام کسی حد تک سچی بر حقیقت لگتا ہے اس لئے کہ ٹیک پی ٹیل میں اپنے جن مخالفین کو عبدالودود نے قید کیا ہوا تھا انہیں قمانہ کے خان صاحب بہرام خان کی مداخلت پر آزاد کر دیا گیا جو انگریز حکومت کا اتحادی اور دست راست تھا۔ تاہم انگریز حکومت نے ادین زئی میں سوات اور دیر کی ریاستوں کے درمیان چھتری طویل (1918 تا 1922ء) جنگ میں یہ ظاہر دونوں میں سے کسی کا بھی ساتھ نہیں دیا۔ اُس وقت ان کی حکمت عملی سے لگتا ہے، یہ تھی کہ مقامی حکمران اپنے تنازعات خود حل کریں۔ اور شاید وہ باچا صاحب کی طاقت کا اندازہ بھی لگاتا چاہتے تھے۔ انہوں نے مداخلت اس وقت کی جب دونوں فریق طویل عرصہ تک اپنی اپنی افواج میں ان جنگ میں رکھنے کی اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے اس مہم کی تکمیل نامکامی کی آخری حد تک پہنچ گئے تھے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو باچا صاحب کا ادین زئی علاقہ پر قبضہ برقرار رہتا۔ چترال سڑک دس میل تک اسی علاقہ میں سے گزرتی تھی۔ چون کہ برطانوی حکومت اس سڑک کی حفاظت کی مد میں نواب دیر کو پہلے سے ایک رقم دینی تھی صورت حال میں تبدیلی اُس انتظام میں بے ربطی کا باعث ہو سکتی تھی۔

20 جون 1922ء کو برطانوی حکام نے دونوں فریقوں کے لئے ایک فرمان جاری کیا جسے ادین زئی معاہدہ کہا جاتا ہے۔ عبدالودود نے صوبہ سرحد اور سیاسی شعبہ کے اعلیٰ حکام کی مرضی کو مد نظر رکھتے ہوئے اس فرمان پر پوری طرح سے عمل درآمد کیا۔ اس سے اس پر برطانوی حکومت کے اعتماد میں اضافہ ہوا اور اُس کی عکرائی گوری طور پر تسلیم کرنے کی راہ ہموار ہوئی۔ میارہ جنوری 1923ء کو چیف کمشنر سے ملاقات کے لئے وہ پشاور گیا اور اُس کے ملائندہ کے دورہ کے موقع پر دوبارہ اُس سے ملاقات کی جس کے دوران بوئیر کے بارے میں اُس سے گفتگو ہوئی اور

برطانوی حکومت کی مختص معلوم کئے بغیر وہاں اپنے داخل ہونے کے معاملہ کی وضاحت پیش کی۔ اُس نے انہیں یقین دلایا کہ وہ بوئیر سے برطانوی حکومت کے علاقہ پر کسی حملہ کی اجازت نہیں دے گا اور اُن کے خلاف افغان سازشوں کو بھی روکے گا۔

22 مئی 1923ء کو سید میں عبدالودود کے ولی عہد کی دستار بندی کی تقریب کے ایک دن بعد ایک اجلاس منعقد کیا گیا۔ اس اجلاس میں وزیر حضرت علی نے عبدالودود کی جانب سے ایک تقریر پڑھ کر سنائی جس میں شمال مغربی سرحدی صوبہ کے چیف کمشنر اور ملاکنڈ کے پولیٹیکل ایجنٹ کی طرف سے بوئیر کی ہم کے دوران بالواسطہ امداد اور مہربانی کا انتہائی گرم جوشی سے شکریہ ادا کیا گیا۔ اُس نے تقریر میں مزید کہا کہ وہ برطانوی حکومت کا وفادار رہے گا اور حاضرین سے بھی کہا کہ وہ بھی انگریز حکومت کے وفادار ہیں، اُس کے خلاف کوئی سازش نہ کریں اور اُسے اپنا دوست گردانیں۔ اُس نے بالٹوئیکوں اور ان کے پردیگنڈے کی خدمت کی اور اسے اسلام کے خلاف قرار دیا۔ اس موقع پر موجود شرکاء نے وعدہ کیا کہ وہ برطانوی حکومت کے وفادار ہیں گے۔

بالٹوئیم کے ایک مشہور ایجنٹ مولوی عبدالعزیز نے وضاحت کی کہ

”بالٹوئیم اور اس کے مقاصد کیا ہیں۔ اُس نے کہا کہ اس کا انکار خدا کی مٹا کے مطابق ہے۔ اس تحریک کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے سارے بادشاہوں، دولت مندوں، بھگوانوں اور مذہبی پیشواؤں کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ ان سے اور عام لوگوں سے اُن کی ساری جائیداد چینی لی جائے اور پھر اسے لٹا دیا جائے۔ اُس نے اس تحریک سے تعلق رکھنے سے انکار کیا اور دوسروں کو بھی نصیحت کی کہ وہ خود کو اس لٹا تحریک سے دور رکھیں۔“

لیکن برطانوی حکام اب بھی عبدالودود اور سوات کے دیگر ممتاز لوگوں کو شک کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ وفاداری کے تمام اعلانات کے باوجود وہ بالٹوئیکوں سے کسی نہ کسی حد تک ربط و ضبط برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ پولیٹیکل ایجنٹ نے عبدالودود کے ہم اپنی ایک تحریر میں مولوی عبدالعزیز کے بارے میں اپنی بدگمانی کا اظہار کیا۔ جواب میں اُس نے اس امر کی پر زور الفاظ میں تردید کرتے ہوئے پولیٹیکل ایجنٹ کو یقین دلایا کہ مولوی عبدالعزیز کا بالٹوئیکوں سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔

جولائی 1923ء میں عبدالودود اپنے اور نواب سب کے درمیان ہونے والے واقعات کی رپورٹ روزانہ کی بنیاد پر پولیٹیکل ایجنٹ کو بھیجتا رہا اور اُس سے اس بات کا عہد کیا کہ کوسا ب ہونے کی صورت میں وہ اپاہن کو مجبور کر کے تبادلہ کی جاگیر میں داخل نہیں ہوگا، کسی بھی صورت حاتی صاحب آف ترکم زئی یا جاز سے امداد طلب نہیں کرے گا اور چنچی سے اولین زئی معاہدہ کا پابند رہے گا۔

جب 26 جولائی کو وہ بوئیر کے مسئلہ پر بات کرنے کے لئے پولیٹیکل ایجنٹ کے پاس گیا تو اُس نے اس شرط



پر بونیر سے انفلاء پر رضا سندی ظاہر کی کہ برطانوی حکومت اُس کے دیگر مقبوض علاقوں کی ضمانت دے۔ 27 جولائی کو برطانوی ہند کے کانڈرا چیف نے اُسے ملاقات کی اجازت دی اور اُس نے 18 ستمبر 1923ء کو کل رانی زئی میں واقع کیمپ میں پولیٹیکل ایجنٹ سے ملاقات کی اور ملاکنڈ اور رانی زئی پر اپنے مجوزہ حملہ کے اہرام کو اپنے دشمنوں کی نفرت اور دوستوں کے حسد کا نتیجہ قرار دیا۔ اُس کی بار بار کی یقین دہانی کے باوجود اُس کے پکیر اور کاروائی مہموں کے دوران پولیٹیکل ایجنٹ نے اُسے اپنے مساعداؤں کا پاس کرنے کے بارے میں لکھا۔ پولیٹیکل ایجنٹ کی خوشنودی کی خاطر اُس نے سید شریف کے اسکول میں تعینات ایڈمرالٹ اور ایڈمرالٹ کے ایک اسکول ٹیچر شمس الحق کو اس اہرام میں سوات بدر کر دیا کہ اُس کا رویہ انگریز حکومت سے غیر مفاہمانہ ہے۔

برطانوی حکومت سے اپنے تعلق کو مزید مستحکم کرنے کے لئے عبدالودود نے 9 فروری 1924ء کو اپنے وزیر کے ہم راہ ملاکنڈ میں جا کر پولیٹیکل ایجنٹ سے ملاقات کی اور پھر پشاور گیا۔ اُس نے انگریز حکام کے ہم راہ سوات اور بونیر کے علاقہ کا ہوائی جائزہ لیا۔ اُس کے دوستوں نے تو اسے ایک اعزاز مان کر اس پر خوشی کا اظہار کیا لیکن دوسروں نے اُسے انگریز حکومت کی ایک 'جان' آ۔ یا اور کہا کہ اُس کی خود نمائی کے جذبہ کو اس طرح تسکین دینے کی آواز میں یہ لوگ دراصل اس علاقہ کی تازہ و تھوڑی اور نئے بنانا چاہتے ہیں۔ اس وقت کی سیاسی ڈائری میں یہ تحریر ملتی ہے کہ جو لوگ ہوائی جہاز پر اعراض کرتے ہیں وہ درحقیقت دل میں انگریز حکومت کے دشمن ہیں۔ یہ اس بات کو جانچنے کا ایک اچھا پیمانہ ہے۔ اُس بات کا اندراج کیا گیا ہے کہ

”میاں گل نے انگریز حکومت سے اپنے دوستانہ تعلقات کو برقرار رکھا ہے اور ایک سے زیادہ مواقع پر برطانوی پالیسی کا حامی کرتے ہوئے اپنے اہلکاروں کو ملٹی جانہ پیمانے سے احتراز کیا ہے جیسے کہ کاوٹ کے ہاردرمان کی سربراہی کے لئے اہلکاروں کو مہور کرنے کی خواہش اور اسی طرح چھپے ہوئے اہلکاروں کی سیاسی ڈائری کو دوبارہ حاصل کرنے کی جستجو جس کا قبضہ 1922ء میں اُس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔“

عبدالودود نے بونیر کا سروے کرنے میں برطانوی حکومت سے مکمل تعاون کیا۔ پولیٹیکل ایجنٹ 10 مارچ 1926ء کو سید شریف آیا اور یہاں دورات قیام کیا۔ اُس نے اورل سٹائن کے تحفظ کے لئے بھی انتظامات کئے جو سوات کا سروے کرنے کے لئے یہاں کا دورہ کرنا چاہتا تھا۔ 16 مئی 1926ء کو ملاکنڈ واپسی پر اُس نے اپنے اس دورہ کو ہر لحاظ سے کامیاب قرار دیا۔

مئی 1926ء کو اینگلو۔ سوات تعلقات میں ایک اہم سنگ میل گروانا جاسکتا ہے جب برطانوی حکومت نے ریاست سوات اور میاں گل عبدالودود کو وہاں کا باقاعدہ حکمران تسلیم کر لیا۔ 3 مئی 1926ء کو کرنل کین، چیف کمشنر، شمال مغربی سرحدی صوبہ، جنرل آفیسر کانڈرا، ضلع پشاور، اور دیگر افسروں کے ہم راہ سید شریف آئے جہاں

ایک دربار کا انعقاد ہوا جس میں عبدالودود کو رسمی طور پر والئی سوات تسلیم کر لیا گیا۔ انعقاد دربار کے دوران ہی سوات ہلال پر دروازہ کرتے ہوئے پانچ جہازوں سے اُسے مبارکباد کے پیغامات گرائے گئے۔

”برطانوی ہند کی حکومت اور والی (عبدالودود) کے درمیان ایک باقاعدہ معاہدہ طے پایا جس کی رو سے سوات میں بڑا درو پے سالانہ کی ادائیگی رقم کے عوض والی نے برطانوی حکومت کا وکٹو در بنے، اپنی رعایا کو برطانوی ملاٹوں پر عمل نہ کرنے، انگریز ملاٹوں سے آئے ہوئے مجرموں کو پناہ دینے، بڑا در کی سرحد پر آباد قبائل کے معاملات میں دخل نہ دینے اور سوات کے جنگلات کے لئے انگریز حکومت کے لئے قابل قبول انتظامات کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔“

انتظامی رپورٹ اس ضمن میں رقم طراز ہے کہ اس معاہدہ پر عمل درآمد کے سلسلہ میں والئی سوات کا رویہ انتہائی اطمینان بخش رہا اور معاہدہ کی شرائط پر چوری طرح سے عمل پیرا ہونے کے لئے اُس نے بے حد معقولیت پسندی کا مظاہرہ کیا۔

31 اگست 1926ء کو والی نے پولیٹیکل ایجنٹ سے جا کر ملاقات کی اور کاٹرا انور بند کے شمال میں آباد کوہستانوں کے خلاف اپنی تعزیری مہمات کی وضاحت پیش کی۔ اُسے متنبہ کیا گیا کہ وہ اپنی اس قسم کی کارروائی کو انتہائی ضروری تعزیری مہموں تک محدود کر دے۔ 15 اکتوبر 1926ء کو ایک بار اور اُس نے بذات خود پولیٹیکل ایجنٹ کو باسین کوہستان کے حالات سے آگاہ کیا۔ دائسٹرائے لارڈ اربون نے اپنی بیگم کے ہمراہ 27 اکتوبر 1926ء کو ملاکنڈ کا دورہ کیا جہاں اُس کی سوات کے حکمران سے ملاقات ہوئی۔ 6 فروری 1927ء کو شمال مغربی سرحدی صوبہ کے چیف کمشنر نے عبدالودود کے مہمان کی حیثیت سے سوات ہلال کا دورہ کیا۔

فروری 1927ء کو کوئٹہ اور سڈم کے درمیان کے انتظامی سرحد کا پاجا سے وسیلہ کنڈو تک کا تعین کیا گیا۔ اس میں سوات کی طرف سے وزیر جب کہ انگریز حکومت کی طرف سے اسسٹنٹ کمشنر مردان کے علاوہ سٹارزئی اور نور پئی کے قبائلی جرگوں نے بھی حصہ لیا۔ اس میں عبدالودود کو کوئٹہ کے کچھ حصہ (ملندری علاقہ) سے اپنی مرضی کے خلاف دست بردار ہونا پڑا۔ سرحدی علاقہ میں حد فاصل کو ہموار کئے کے لئے ایسا لازم تھا۔

14 نومبر 1927ء کو عبدالودود ملاکنڈ گئے اور 15 اور 16 نومبر کو پولیٹیکل ایجنٹ سے ملاقات کی۔ سوات میں جنگلات کے انتظامات کے بارے میں بات کی اور کچھ بندوبست خریدنے کی اجازت کی اپنی درخواست کو دہرایا۔ اپنی رعایا کو غیر مسلح کرنے کی اپنی ہم کے خلاف بنادت کی صورت میں انگریز حکومت کی تائید و حمایت کی یقین دہانی چاہی۔ گفت گو کا ایک اور موضوع، جسے ایڈمن اسسٹنٹ کو ان کے سوات رخصت ہونے کے بعد ان کی جانب سے زیر بحث لانا تھا، والی کی جگہ پاجا بادشاہ کھلوانے کا اُس کے دیرینہ مطالبہ کو منوانا تھا۔ لگتا ہے کہ اس دورہ کا اصل مقصد یہی تھا۔

1927ء کے ماہ دسمبر کے دوران بت خلیفہ کے حاشیہ عرفان الدین کو گازی میں جاتے ہوئے سوات کے علاقہ میں قتل کر دیا گیا اور قاتل بھاگ کر برطانوی زیر انتظام علاقہ میں چلا گیا۔ عبدالودود نے پولیٹیکل ایجنٹ کو ملزم قاتل کی حواگی کے لئے کہا تا کہ اس پر مقدمہ چلایا جاسکے۔ اس نے اپنی تحریر میں کہا کہ مرحوم تمہاری رعایا میں سے تھا اور بہ وقت قتل وہ میرا مہمان تھا۔ اگر قاتل اس طرح فرار ہو کر آزاد گھومتا پھرے تو مجھے اس کا بہت افسوس ہوگا۔ پولیٹیکل ایجنٹ نے قاتل کی گرفتاری اور مقدمہ چلانے کے لئے مختلف اقدامات اور طریقے انگریز حکومت کو پیش کئے اور یہ بھی بتایا کہ سوائی حکمران اپنی سڑک پر اس جرم کے ارتکاب پر انتہائی برہم ہے (چونکہ مقتول اس کے زیر حفاظت مہاجر تھا) لیکن اس نے بہر حال مجرم کی واپسی سوات کو حوالہ کر دینے کی سفارش نہیں کی ایک اس لئے تا کہ اس طرح ایک غلط مثال قائم نہ ہو جائے اور دوسری بات یہ کہ آج تک واپسی سوات نے بھی برطانوی علاقوں سے فرار ہونے والوں کو پکڑ کر حوالہ کرنے کی کبھی کوئی کامیاب کوشش نہیں کی تھی۔

میاں گل عبدالودود نے ہر موقع پر برطانوی حکومت سے تعاون پر آمادگی کے اظہار کو کبھی چھپایا نہیں۔ 1930ء میں پشاور میں ہونے والی گڑبگڑ کی اطلاع ملنے ہی اس نے فوراً برطانوی حاکم کی حکومت سے رابطہ کر کے مدد کی پیش کش کی اور اپنے علاقے میں اس قسم کے واقعات کی روک تھام کے لئے ضروری اقدامات کئے۔ اس وقت کی سیاسی دائری میں اس بات کی طرف اشارہ کر کے کہا گیا ہے "شکر ہے کہ واپسی سوات کے مناسب اقدامات کی وجہ سے بونیر، مہملہ اور خدوخیل کا علاقہ ابھی تک کسی قسم کے سیاسی احتجاج سے محفوظ رہا ہے۔ 1930ء کی ایک اور سرکاری رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ عبدالودود نے برطانوی سفادات سے اپنی مکمل وفاداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے علاقہ میں احتجاج کی کوشش کرنے والوں کو سختی سے دبا دیا ہے۔

1931ء کے اگست اور ستمبر کے مہینوں میں گدون اور خدوخیل قبائل کے بارے میں یہ شک پیدا ہوا کہ وہ سرخ پوش تحریک میں حصہ لے رہے ہیں بلکہ ان کے بہت سے افراد کے بارے میں کہا گیا کہ وہ اس تحریک کے اجلاسوں میں شریک ہوتے ہیں۔ عبدالودود نے ان کو انگریز حکومت مخالف سرگرمیوں میں حصہ لینے سے روکنے کے لئے سخت اقدامات کئے اور تحریک کے ہمدردوں اور اس میں حصہ لینے والوں کے ساتھ انتہائی سخت رویہ اپنایا۔ طوطاٹنی (ریاست سوات) کے ایک رہائشی حضرت اللہ کو جسے زرد اللہ خان کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے، مصوابلی میں تحریک کے اجلاس میں شرکت کرنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس کے جسم کے ساتھ چتر باندھ کر اسے دکنی کے مقام پر دریاے سندھ میں پھینک دیا گیا۔ اس کی لاش پھر کبھی نہ مل سکی۔

اسی طرح چکمبر کے چھوٹے سے گاؤں کے ایک مذہبی شخص سنڈ بابا کو پہلے قید میں ڈالا گیا اور پھر اسے 1931ء میں ایک خشک کنوین میں پھینک دیا گیا۔ اس پر عبدالودود کے خلاف سازش کا الزام لگایا گیا۔ مذہبیوتہ رہے

(W.R. Hay) پرنٹنگل ایجنٹ، اس متوقفہ بنیاد کو سرخ پوش تحریک سے جوڑ کر عبدالودود کے اقتدات کو لاشعوری طور پر انگریز حکومت کے سرخ پوش تحریک کے خلاف ہم سے مربوط قرار دیتا ہے۔ میاں گل جہان زیب بہر حال پرنٹنگل ایجنٹ ہے (Hay) کی اس بات سے اتفاق نہیں کرتے۔

ایک انتہائی شائستہ، مقبول اور سوات کے سب سے تعلیم یافتہ اشخاص میں سے ایک، ریضول استاد کو غائبانہ 1932ء میں نواب دیر سے خفیہ رابطوں کے مجموعے اثبات لگا کر گولی مار دی گئی۔ دراصل اُس کی ڈکان میں سرخ پوشوں کا شائع کردہ رسالہ "پختون" ملا تھا۔ اُس کی لاش کو سیدو۔ بیگورہ روڈ پر تین دن کے لئے لٹکایا گیا۔

برطانوی حکومت کی طرف سے ریاست سوات کو باضابطہ تسلیم کئے جانے کے بعد پرنٹنگل ایجنٹ اور میاں گل عبدالودود نے باہمی ملاقاتوں کا تواتر سے ایک سلسلہ شروع کیا۔ یہ تعلقات دوستانہ سے کہیں بڑھ کر تھے۔ پشاور میں تعلیمات چیف کشر اگور نے بھی کئی مواقع پر ریاست کا دورہ کیا۔ اسی طرح عبدالودود بھی کئی بار پشاور گئے۔ اکتوبر 1929ء میں وائسرائے ہند لارڈ گوئشمن نے دیر، سوات اور چترال ایجنسی کے دورہ کے موقع پر عبدالودود سے ملاقات کی جب کہ 14 اپریل 1930ء کو وائسرائے اور گورنر جنرل لارڈ اروون نے سید وشریف میں ایک ریکی دورہ کے موقع پر آپ کو سر کے خطاب سے نوازا۔ یہ خطاب انہیں جنوری 1930ء میں برطانوی بادشاہ کی جانب سے عطا ہوا تھا۔

عبدالودود نے انگریز حکومت کو مشترکہ باہمی مفاد کو بنیاد بنا کر قائل کیا کہ اس طرح انگریز سلطنت کی ریاست سوات سے نکلنے والی سرحدیں محفوظ ہوں گی۔ جہاں ان کی طرف سے ریاستی معاملات میں مداخلت نہیں ہوگی۔ یہاں کے صوبائی گورنر نے 1933ء میں اپنے مقاصد کی روشنی میں ریاست سوات کی اہمیت کے بارے میں اپنے موقف کی یوں وضاحت کی کہ دیر اور سوات میں موجود صورت حال کا برقرار رہنا ہمارے لئے اتنا اہم ہے کہ میرے خیال میں ہمارے لئے اس حقیقت کو سمجھنا لازم ہے اور مزید یہ کہ ہم کسی حد تک اس کو جوں کاتوں رکھنے پر مجبور ہیں۔

عبدالودود جب بطور عکران سامنے آیا تو اُسے برطانوی حکومت کی باقاعدہ سرپرستی حاصل تھی۔ اس کے اقتدار کے حصول کے معاملہ کے فوائد و نقصانات کی مکمل جانچ پڑتال صوبائی چیف کشر نے کی تھی۔ یوں بھی وہ 1897ء کے بعد سے برطانوی مفادات کے لئے کام کرتا رہا تھا۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ فریقین کا باہمی مفاد اس بات سے وابستہ تھا... کہ عوامی تحریک اور... انقلابی کنزرویٹو رہنما ہاتھ سے نہ نکل جائیں۔ اُس کے باوجود برطانوی حکام اُسے تسلیم کرنے میں تاخیر کرتے رہے۔ جب 3 مئی 1926ء میں اُسے بطور والی تسلیم کیا گیا تو خاصی دیر ہو گئی تھی اور یہ خطاب اُس کی پسند اور خواہش کے مطابق بھی نہیں تھا۔ وہ تو خود کو چاچا کہلوانا چاہتا تھا۔

عبدالودود سے برطانوی حکومت کے اس برتاؤ کے کئی مقاصد تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ اُس سے مزید وقاداری

کے خواہاں تھے تاکہ اس پر ان کے اعتماد کا واضح جواز موجود ہو۔ جنرول کے مہراخان کی مثال ان کے سامنے تھی۔ پھر اُسے یہ بھی ثابت کرنا تھا کہ وہ اقتدار پر اپنی گرفت مضبوط رکھ سکتا ہے، ریاست میں استحکام لاسکتا ہے اور برطانیہ مخالف عناصر جیسے کہ سنڈاگنی باپا سے ہٹنے کی واقعہ خواہش رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اُسے یہ بھی دکھانا تھا کہ ہاشوکیوں سے اُسے کوئی بھدروں نہیں ہے اور یہ کہ وہ اُن سے سختی کے ساتھ نمٹ سکتا ہے۔ اس لئے کہ 1917ء کے ہاشوکیک انقلاب کے بعد روس کے زاروں کی پرانی توسع پسندانہ پالیسی میں نظر پاتی معالو گئے سے مزید تیزی آگئی تھی۔ سوات نرویر پاتی لحاظ سے اُس اہم ترین فوجی ہلال میں واقع تھا جو کہ صوبہ سرحد کے قبائلی علاقہ تری، اہران اور افغانستان پر مشتمل تھا اور جس سے روس گھرا ہوا تھا۔ علاوہ ازیں برطانوی حکومت اپنے کچھ خاص مقاصد کے تحت سوات کو اپنے زیرِ نگیں لانے کا بھی ایک خیال رکھتی تھی۔ اس بات کا اندازہ اس سے لگا یا جاسکتا ہے کہ انہوں نے خفیہ طور پر یہاں سے حاصل ہونے والی آمدنی کا تخمینہ لگایا تھا جو یہاں قبضہ کی صورت میں انہیں حاصل ہوتا۔

مزید برآں عبدالودود کے ایک قریبی ساتھی مولوی عبدالعزیز پر (جس نے اُسے سوات کا حکمران بنانے میں ایک کردار ادا کیا تھا اور جو سید و شریف میں رہائش پذیر تھا) برطانیہ مخالف شورش پکارتے اور ایک نئی جماعت جمعیت عسکر یہ بند بنانے کا اہتمام تھا جس کا مقصد یہاں ایک ہاشوکیک مرکز قائم کر کے قریبی برطانوی علاقوں میں بارود ٹوک پر دینے کا تھا۔ برطانوی حکام کو یہ بھی شک تھا کہ عبدالودود کے باجوڑ کے ملاؤں سے رابطے ہیں اور انگریز مخالف حاجی صاحب آف ترنگرئی اور مولوی عبدالعزیز سے بھی اس نے ساز باز کر رکھی ہے۔ انہیں شک تھا کہ وہ امیر افغانستان کی جانب سے باجوڑ سے الائی تک کے علاقہ کا گورنر بننے کا خواہش مند ہے جہاں ہاشوکیک نظریات کی پرچار کے لئے اسکول قائم کر سکے۔

اسی وجہ سے ریاست کا باقاعدہ حکمران تسلیم کرنے کے معاملہ کو اُس وقت تک خطہ التوا میں رکھا گیا جب تک مولوی عبدالعزیز کا انتقال نہ ہو گیا، عبدالودود نے سنڈاگنی باپا سے کھل ہاتھ نہ توڑ لیا، اپنی حیثیت پوری طرح مستحکم نہ کر لی اور مختلف مواقع پر انگریزوں سے اپنی وفاداری کو ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ثابت کر لیا۔ اس لئے جب صوبائی گورنر رالف گرنفٹھ نے اُس سے پوچھا کہ آپ اپنی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ کس بات کو سمجھتے ہیں؟ تو بغیر کسی چٹکچٹاہٹ کے عبدالودود نے جواب دیا کہ انگریز حکومت سے دوستانہ مراسم قائم کرنا میرا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

انگریزوں کی پشت پناہی کا حصول اُس کی مجبوری تھی، انتخاب نہیں تھا۔ اُسے اپنے حریفوں کے مقابلہ میں اپنی پوزیشن مستحکم کرنی تھی جن میں فیروز زئی اور مذہبی دونوں قسم کے لوگ شامل تھے۔ اسی طرح دیر اور سب کے جھگڑالو پڑوسیوں سے ہر وقت برسرِ پیکار ہونے کے خدشات تھے۔ ایشیا، ضروریہ اور سامان حرب و ضرب کی فراہمی





مختصر نظر نگہداری کی یقین دہانی کرائی۔

عبدالہبیب شاہ کے عہد میں دیر اور سوات ریاستوں کے تعلقات کا جائزہ اس کتاب کے چوتھے باب میں لیا جا چکا ہے۔ دریا کے دائیں جانب کے علاقوں پر قبضہ کے لئے دونوں ریاستوں کے درمیان کشمکش کا آغاز نظری و حقیقی تھا۔ نواب دیر کے خلاف اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے لئے عبدالوہود نے نیک پل خیل میں گاڑو۔ ڈاکے اور ہاؤزی میں بمبئی گرام کے مقام پر قلعے تعمیر کرائے۔ اس طرح دریا کے دونوں جانب حفاظتی تدابیر اختیار کی گئیں۔ اس اثنا میں عمر خان آف جنڈول کے بیٹے عبدالستین خان اور نواب دیر کے درمیان عداوت کی خبریں سوات پہنچیں۔ عبدالوہود نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کھانی اور اپنے سپہ سالار کے ذریعہ کمان شوزئی کے محاذ پر لشکر بھیجا جس نے تیزی سے آگے بڑھ کر تیرگ اور زرہ جیلہ کے قلعوں پر 10 جنوری 1917ء کو قبضہ کر لیا۔ اسی ہفتہ بعد میں چنگئی کے قلعہ پر قبضہ کر کے دیر کی انونج کوشوزئی علاقہ سے نکال دیا گیا۔ وہ ادین زئی علاقہ میں راموڑ تک پیچھے ہٹ گئے۔

سواتی لشکر ادین زئی علاقہ میں پیش قدمی میں مصروف تھا کہ نواب کی جانب سے عبدالستین خان کو شکست دینے کی خبر آئی جس پر سواتی لشکر نے کسی مناسب موقع کے انتظار میں پیش قدمی روک دی اور فریقین اتحادی محاذ بنانے کی جگہ دو میں لگ گئے۔ دیر کا ایک جرگہ نواب دیر اور خان آف خارا کا اتحاد بنانے کے لئے خار گیا۔ دوسری جانب عبدالستین خان نے عبدالوہود کو یقین دلایا کہ باجوڑ کے ملا صاحب اس کا ساتھ دیں گے۔ اس لئے وہ ادین زئی پر حملہ کرے اور وہ خود جنڈول پر حملہ کر دے گا۔ نواب دیر نے عبدالستین خان کے ساتھ معاہدہ کر کے اسے سوات کے خلاف ملانے کی کوشش کی۔ ناکامی کی صورت میں وہ اس پر حملہ آور ہو گیا۔

نواب کے باجوڑ میں مصروف ہونے کا فائدہ اٹھانے اور اس طرح اس کے مخالف عبدالستین خان کی مدد کی خاطر عبدالوہود نے 24 مارچ کو دو ہزار افراد پر مشتمل فوج کی مدد سے ادین زئی علاقہ پر چڑھائی کر دی اور پورے علاقہ کو تاراج کر دیا۔ 28 مارچ کو اس نے نواب کے شوالقہ پر حملہ کا قصد کیا لیکن دریں اثنا نواب کے لشکر سے اپنے پہنائی کے واسطے کونخترہ میں جان کر اس نے اپنے بڑھتے قدم روک دیئے اور سیدو شریف لوٹ گیا۔ سوات کا ایک جرگہ دیر کے خنڈرہ سے نمنے کے لیے سنڈاگنی بابا کی مدد حاصل کرنے اس کے پاس گیا۔ وہ شامیزئی علاقہ میں آیا اور اس کی کوششوں سے سوات کے سب مختلف انخیال گردو نواب دیر کے خلاف متحد ہو گئے۔ یوں عبدالوہود اور سنڈاگنی بابا میں بھی مفاہمت ہو گئی۔ عبدالستین خان نے بعد از مدید جنگ چیمبر نے کے بارے میں اطلاع دی۔

نواب نے عبدالستین سے نمنے کے لیے جنگی اقدامات کئے بلکہ وہ سوات کے خلاف ایک اتحاد بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ سوات کے کچھ خواتین بھی اس کے ساتھ مل گئے۔ نواب اور عبدالوہود دونوں نے اپنے اپنے لشکر اکٹھے کئے۔ نواب کی فوج پوری طاقت سے سامنے آئی۔ خار، جنڈول، سیند، میدان، براول، ملار زئی، اور راموڑ لشکر بھی اس



کے ساتھ مل گئے۔

11 اگست 1918ء کو دیر کا لشکر شوزئی کی طرف بڑھا۔ اس نے اس چھوٹے قلعہ پر قبضہ کر لیا جس کی حفاظت پر چار باغ کے نظر خان کی قیادت میں 26 افراد جھنڈے تھے۔ وہ بے جگرئی سے لڑے اور سب کے سب مارے گئے۔ اس کے بعد انہوں نے گرمی، خزانہ کے قلعہ پر حملہ کیا جہاں میاں گل شیرین جان، شاد، مارسیاں، ۱۱ میاں، عبدالرحیم خان آف پارزئی 80 افراد کی نظری کے ساتھ موجود تھے۔ لڑاکو قلعہ کے دروازے تک پہنچنے کے بعد بری فوج نے اسے آگ لگا دی۔ جب دروازے کھلے، سب لوگ باہر آئے۔ میاں گل شیرین جان کو پیچھے سے گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ دیگر قائدین بھی مارے گئے۔ دیر کی فوج کے دو سوار فرائزئی یا مارے گئے جب کہ سوات کے سوار فرائزئی آئے۔ میاں گل شیرین جان کی موت کی خبر ہر طرف ڈکھ کا باعث بنی۔

میاں گل شیرین جان کی موت سے طیش میں آکر باجوڑ کے ملاؤں نے باجوڑ ہلاکی قیادت میں انتقام کا نعروں لگایا۔ باجوڑ سے خطرہ محسوس کرتے ہوئے خاں، جنرول اور میدان کے لشکر سوات سے چلے گئے۔ سینڈ اور برالوں کے لشکر شوزئی سے پیچھے ہٹ کر ادرین زئی میں اونچے چلے گئے جب کہ سوات کے لشکر بھی منتشر ہو گئے۔ نواب کی فوج باجوڑ کے ملاؤں سے خشنے جنرول، چلی گئی جہاں انہوں نے خان آف خاں کے خلاف شدید جنگ شروع کر دی تھی۔

اگرچہ ملاؤں کو جانی نقصان اٹھانا پڑا لیکن ان کا مزاج معصوم تھا۔ حاجی صاحب آف ترنگزئی نے بھی گندب کا دورہ کیا اور میاں گل شیرین جان کے خون میں آلودہ کپڑے دکھائے۔ مہمند اور ملیم زئی قبائل نے بھی خان آف خاں کے خلاف لڑنے کا فیصلہ کیا۔ اُس نے اس دوران باجوڑ ہلاکے پاس اپنی ماں دو بہن اور کچھ کے مطابق اپنی بیوی کو بھی میاں گان کے ایک بڑے وفد کے ساتھ بھیجا۔ اُس نے اس وفد سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ خان کے خلاف ماسوند قبائل کا لشکر تشکیل دینے کی سعی کرتا رہا جب کہ حاجی صاحب ترنگزئی نے مہمند قبائل کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی لیکن یہ تحریک ناکام رہی۔

سوات میں عبدالودود نے شوزئی علاقہ کا قبضہ ختم کرانے کے لئے سواتی لشکروں کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی لیکن سوات میں مطلوبہ جوش و خروش کی کمی تھی۔ سنڈاگلی بابا نے غضب ناک ہو کر دھمکی دی کہ اگر لوگ میاں گل شیرین جان کا نظام لینے کے لئے باہر نہ نکلے تو وہ ان سے ناطہ توڑ کر باجوڑ چلے جائیں گے۔ کچھ قہور سے بہت لوگ نکلے۔ شوزئی پہنچ کر وہ نواب کے آدمیوں کو وہاں سے نکال باہر کرنا چاہتے تھے کہ باجوڑ میں ملاؤں کی فوج کے تتر بتر ہونے کی خبر آئی۔ یہ سن کر یہ لوگ بھی واپس گھروں کو لوٹ آئے۔

سوات کے حکمران کا گھیراؤ کرنے کے لئے نواب دیر نے سوات کے سابق حکمران عبدالجبار شاہ کے ساتھ ساز باز شروع کی لیکن اُس کے مطالبات نواب کی مجوزہ رعایات سے کہیں زیادہ تھے، اس لئے یہ نیشنل منڈھ نہ تھی۔

سکی جناب اور باچا دونوں ہی اپنے خواتین اور ملاؤں سے نئے اہتمام پر دان چڑھانے کے لئے کوشاں رہے تاکہ آئے والے مذہبھیڑوں کے لئے ان کی پوزیشن مضبوط ہو سکے۔

13 اپریل 1919ء کو نواب نے سوات پر حملے کے لئے اپنی افواج کو پیش قدمی کا حکم دیا۔ اس حملے کی پیش بندی کے لئے سواتیوں نے پہلے ہی نہاگ دروہ کی راہ میں واقع گاؤں شور پر قبضہ کر لیا جو کہ اب سہ تحصیل کا حصہ ہے۔ 22 اپریل کو نواب کا لشکر سر بالا کے راستے صدر بخان کی قیادت میں تو تانوا نوبانڈی پر حملہ آور ہوا۔ سواتی لشکر نے حملہ آوروں کو پیچھے دھکیل دیا۔ نیک پٹی خیل کے لئے سیو جی علاقہ سے پھینچنے والی تازہ دم لگ نے سواتیوں کی پوزیشن مزید مستحکم کر دی۔ اسی اثنا میں جب نیک پٹی خیل میں نواب کے لشکروں کو شدید مزاحمت کر کے پہنچا ہونے پر مجبور کیا جا رہا تھا عبدالودود خود نواب کے ساتھ دجل و فریب میں مصروف تھا۔

ملاں کو نواب کے لشکر نیک پٹی خیل میں شکست سے دوچار تھے لیکن وہ تلاش میں پندرہ سو کی فوجی کے ساتھ موجود تھا۔ جب کہ بارہ سو افراد پر مشتمل اُس کا ایک اور دستہ ادین زئی علاقہ میں موجود تھا۔ سواتی افواج بھی نور بند اور کاخرا سے تازہ دم لگ کے ساتھ صف آرا تھیں۔ اس سے سواتیوں کے عزم اور سخت رویہ میں مزید شدت پیدا ہوئی۔ حتیٰ کہ عبدالودود نے جو کہ نواب کے ساتھ کسی معاہدہ پر خاصا مائل تھا، اُسے کھلا بھیجا کہ وہ سواتیوں کے عزم مصعظ کو آزمانے کی جرأت نہ کرے۔ نواب نے اس دوران حال ہی میں سواتیوں سے چھینے گئے شہزادی علاقہ پر اپنا قبضہ برقرار رکھا۔

اگست 1919ء میں دیر کی افواج نہاگ دروہ کے راستے وادی سوات میں ایک بار پھر داخل ہوئیں۔ اس وقت سوات میں موجود نواب کے ڈلہ (دھڑا) کے لوگ بھی ان کے ہم راہ تھے۔ کئی گاؤں اُن کے قبضہ میں چلے گئے۔ وہ سوات بالا سہ کے علاقہ میں تو کچھ تک پہنچ گئے۔ اس دوران باچا کی باجوڑ پالیسی کامیاب ہوئی جس کے نتیجے میں عبدالستین خان نے جندول پر حملہ کر کے بازو (موجودہ شرباغ) پر قبضہ کر لیا اور نواب کو اپنی افواج سوات سے واپس بلا ڈیا۔ سوات بالا میں موجود اُس کی افواج کو حکم ہوا کہ:

”18/17/1919ء کی درمیانی شب آدمی رات کے وقت واپس شروع کریں۔ سواتیوں کو اس بات کی سن گن ہو گئی اور انہوں نے پہنچا ہوتی فوج کے راستے میں جگہ جگہ واپس اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں۔ نواب کی افواج کو ایسی ذک اٹھانی پڑی جس کی مثال تباہی جنگوں میں ملتی مشکل ہے۔ باچا سوات سے ایک بڑا ترسک اُڑوا رہے گئے۔ آخوند بندو قیس اور دوسو چھاس گھوڑے بھی چھن گئے۔“

باچا صاحب نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا کہ:

”نواب تارے باقموں سے بال بال بھاگ کر بھاگے میں کامیاب ہوا لیکن بہت ہی بری حالت میں۔ سواتیوں نے دشمنوں کا ہر جگہ پیچھا کیا۔ سارے چھینے گئے علاقے واپس لے لئے۔ ہم نے شہزادی اور ادین زئی پر قبضہ کر لیا اور مزید آگے بڑھنے کی

تیاری کر رہے تھے کہ نواب کے ہاتھوں باجوڑ میں مہدائتین خان کی شکست کی خبر آئی۔ ہم نے اپنی اپنی تہذیبی روک ٹوک اور اپنی موجودہ کارروائیوں پر مطمئن ہو گئے۔"

عملی شکست کے باوجود نواب دیر سواتی حکمران کو ادین زئی پر آسانی سے قابض ہونے کی اجازت دینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اکتوبر 1920ء میں سواتیوں نے محسوس کیا کہ نواب ادین زئی پر حملہ کی تیاری کر رہا ہے۔ انہوں نے اپنی دفاعی پوزیشن کو مزید مستحکم کیا۔ باچا کا ایک آلکار باجوڑ میں موجود تھا کہ نواب کے حملہ کی صورت میں خان آف خاں، ملاؤں اور حاجی صاحب آف ترنگڑ کی مدد سے حاصل ہو سکے۔ نومبر 1920ء میں دیر کی فوج نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ اوج کے مقام پر پوزیشن سنبھالی۔ 21 نومبر سے اکا دکا حملے شروع ہوئے۔ سنڈاگلی ہانے جدول کارخ بھیجنے کے لئے ایک تدبیر کی۔

"عالم زیب خان کی قیادت میں جدول دستہ نے بہاری سے پیش قدمی کر کے کاشمیر کے قدم اکھاڑا لیکن دیر کی فوج کو سواتیوں سے تیز تر کر کے 13 اور 14 اپریل پر بھی کے عالم میں 14 شہادتیں ملی۔"

نواب نے ایک بار پھر عبدالجبار شاہ کو دور یائے سوات کا پورا ہاؤس کنارہ دینے کی شرط پر اتحاد کے لئے آمادہ کرنے کی ساز باز کی جو کہ اُس کا دیرینہ مطالبہ تھا۔ عبدالجبار شاہ نے چکیسری کی طرف سے پیش قدمی کی کوشش کی لیکن اس دوران نواب بیماری کی وجہ سے اپنی فوج کو حرکت میں نہ لاسکا۔ باچا صاحب نے آسانی سے اس کوشش کو ناکام بنا دیا۔ جولائی 1921ء میں نواب نے سلطنت خان آف جرہ (جو بعد میں خان بہادر کہلا گیا) کو دو سو افراد کے ہمراہ ایک ہراول دستہ کی شکل میں ٹیک ٹیک پر وھلا دیوں کر اس پر قبضہ کے لئے بھیجا۔ سلطنت خان نے اپنی وقاداری بدلتے ہوئے باچا کے ساتھ مطابقت کر لی اور دیر سے ساتھ آئے ہوئے نواب کے آدمیوں کو واپس اپنے گھروں کو بھیج دیا۔ لیکن

"جہاں لشکر ہراور ہے وہاں سازشوں کو کامیابی نصیب ہوئی۔ اس دوران میاں گل (مہدائتین) کے خلاف سوات کے اکثر علاقوں میں پھجوری پک رہی تھی۔ کئی قبائلی گھانڈین علاقہ چھوڑ کر نواب کے ساتھ ساز باز میں مصروف تھے۔ خیر (1921ء) میں ادین زئی علاقہ نے میاں گل سے آزادی کا اعلان کر دیا۔ نواب نے دوبارہ اپنی افواہ کو چوکس کر دیا۔"

اندرونی عداوت اور عدم اطمینان کی وجہ سے باچا صاحب کی پوزیشن اس وقت خاصی کمزور تھی۔ لشکر کی چوکسی کے لیے اُس کے احکامات نظر انداز کئے جا رہے تھے۔

دسمبر 1921ء میں جہانین ادین زئی کے مقام پر مورچہ بند ہو کر ایک دوسرے کے آنے سائے آگئے۔ اپریل 1922ء میں تین ماہ کے لئے عارضی جنگ بندی ہوئی لیکن سازشوں کا سلسلہ جاری رہا۔ یونین اور سوات کوہستان میں ہونے والی شورش کی وجہ سے باچا صاحب کی پوزیشن خاصی کمزور تھی لیکن اُس نے اپنی عکسب عملی کی بدولت اس سب پر قابو پایا اور کامیاب رہا۔ اس دوران برطانوی حکومت نے فیصلہ کیا کہ جہاں مرکز کے علاقہ میں

اس جنگی صورت حال کی اجازت نہیں دی جا سکتی اس لئے 20 جون 1922ء کو پولیٹیکل ایجنٹ ملاکنڈ نے نواب دیر اور باچا صاحب کو لکھا کہ

”اورین زئی میں سوات اور دیر کی افواج کے درمیان یہ تناقض برطانوی مفادات اور جہازل مرکز پر اس زمانہ کی صورت حال کے لئے شعور ہے اس وجہ سے حکومت کا فیصلہ ہے کہ اسے نئی افورمٹم کیا جائے۔ چیف کسٹمر کی جانب سے مجھے دونوں فریقوں کو مندرجہ ذیل ہدایات جاری کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔“

فریقین اپنے مفتوحہ علاقے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے لیکن انہیں اس فرمان کو تسلیم کرنا پڑا جسے اورین زئی معاہدہ کہا جاتا ہے۔ باچا صاحب کو 15 جولائی سے پہلے اورین زئی سے اخلا کے لئے کہا گیا جب کہ نواب کو بھی مذاہلوں کے تحت پابند کیا گیا۔ اس معاہدہ کی شق 4، 5 اور 6 میں کہا گیا ہے۔

”1۔ فریقین 15 جولائی سے قبل اپنی افواج اس علاقہ سے ہٹائیں اور آئندہ ان میں سے کوئی بھی اس علاقہ کی طرف اپنی فوج نہ بھیجے۔

4۔ نواب مستقبل میں دریائے سوات کے دائیں اور مغربی جانب کے تہاگل، شامبھری، نیگی ٹیل، سیوہنی اور شہزادی تہاگل کے خلاف اس وقت تک کوئی فوج کشی نہ کرے جب تک ان تہاگل کی اکثریت اس کی حکومت قبول کرنے کیلئے از خود تیار نہ ہو۔

5۔ اگر ایسا ہو جائے تب بھی وہ کوئی لشکر بھیجے سے قبل ملاکنڈ کے پولیٹیکل ایجنٹ سے پیشگی تحریری اجازت حاصل کرے۔“

اس معاہدہ کے ذریعہ سوات اور دیر کے درمیان جنگوں کا لامتناہی سلسلہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد چھوٹی سونی سردی جھڑپوں کے علاوہ کوئی باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی تاہم اس سے عمل ہم آہنگی کی اخفا قائم نہ ہو سکی۔ اس کی شق چار نے مستقبل میں نواب کی جانب سے سازشوں کا دروازہ کھلا رکھا۔ آنے والے ہر نواب دیر نے ان تہاگل کی حمایت حاصل کرنے کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ دیر، سوات و دشمن سازشوں کا مرکز بنار ہا اور باچا صاحب کے مخالفین کے لئے ایک محفوظ پناہ گاہ کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ اس کے جواب میں باچا صاحب نے بھی باجوڑ اور دیر میں نواب کے مخالفین سے ساز باز کا سلسلہ جاری رکھا۔

شروع میں جب سوات کی فوجیں یونیر کی جانب بڑھیں تو نواب دیر نے سوات مخالف اتحاد کی امید پر عبدالجبار شاہ سے خط و کتابت کی۔ تاہم پولیٹیکل ایجنٹ کی جانب سے خط کے جواب میں نواب نے اسے یقین دہانی کرائی کہ وہ اورین زئی معاہدہ پر عمل درآمد کرتے ہوئے میاں گل کے خلاف کسی قسم کا کوئی لشکر نہیں بھیجے گا اس لئے عبدالجبار شاہ اور نواب سب کی طرف سے مسلسل لشکر کشی کے لئے ترفیہ اور اپنے بہت سے شیروں کی جانب سے اورین زئی معاہدہ سے علیحدہ ہو جانے کے دباؤ کو اس نے نظر انداز کیا۔ صرف لشکر بھیجنے کے جھوٹے وعدوں پر انہیں ترغاب

رہا اور نواب سب کوڑے رہنے کی تاکید کرتا رہا۔

جب فروری 1924ء میں باچا اپنے وزیر کے ہم راہ پشاور گیا تو نواب نے معاملات کی سن سن لینے کے لئے اوپنری کے تحصیل دار کو ان کے پیچھے بھیجا۔ سوات اور بونیر کا جب انگریزوں کی مدد سے چلنے پھرنے کا بندوبست ہو گیا تو نواب دیر کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور نواب نے اپنے تحصیل دار کو بھیج کر اس معاملہ کی ساری تفصیلات معلوم کیں۔

1925ء میں نواب اور ملک زب خان (جسے بالعموم بادشاہ خان کے لقب سے جانا جاتا تھا) کی موت کے بعد اس کا بیٹا شاہ جہان خان تخت نشین ہوا۔ باچا نے اس کے بھائی عالم زب خان کی امداد و حمایت کی کوشش کی تو برطانوی حکومت نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔ جب عالم زب خان پر عبدالحق خان نے حملہ کر دیا تو باچا نے فوراً اس کی مدد کے لئے پولیسٹیکل ایجنٹ سے درخواست کی۔ اس کی ساری فکرمندی کے باوجود اسے ریاست دیر میں ہونے والی کسی لڑائی میں حصہ لینے سے منع کر دیا گیا۔

عبدالودود دیرین زنی معاہدے کی سیاسی مشقوں سے خوش نہیں تھا، اس لئے اس نے اس میں کچھ ترہیم تجویز کیں۔ اسے ملائکہ بلایا گیا تاکہ وہ اس ضمن میں نئے نواب دیر کے ساتھ مذاکرات کر سکے۔ کچھ پیچیدہ مسائل فیصلہ طلب تھے۔ عداوت و دشمنی کے عملی اقدامات سے دست کشی کی صورت میں دونوں ریاستوں کے درمیان ایک دوستانہ معاہدہ طے پا سکتا تھا۔ 14 مارچ 1925ء کو دونوں ریاستوں کے نمائندے ایک دوسرے سے ملے۔ امید کی جا رہی تھی کہ دونوں حکمران دیرین زنی معاملہ کے علاوہ اپنے دیگر سارے جھگڑوں کو فراموش کر کے ایک قلمی معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور اس طرح باہمی تناؤ کا خاتمہ ہو جائے گا لیکن تناؤ کی کیفیت برقرار رہی۔ اس لئے اکتوبر 1925ء میں باچا نے 'ٹیک اپنا خیل میں اپنے تحصیل دار کو بھیج کر اس امر کا پابند کیا کہ وہ دیر جانے والے سب راستوں کی کڑی نگرانی رکھے تاکہ سوات کا کوئی باشندہ نواب دیر سے کسی قسم کی کوئی سلسلہ جہانی نہ کر سکے۔'

سنڈاکنی بابا (جسے عبدالودود نے سوات سے چال بازی سے نکال دیا تھا) نواب دیر کو سوات پر حملہ کے لئے مسلسل اکسار رہا تھا۔ نواب نے اپنے قبیلہ پانڈہ خیل کو سوات پر کسی حملہ میں شرکت سے منع کر دیا تھا۔ نواب نہ تو خود اس معاملہ میں دل چسپی لے رہا تھا اور نہ ہی اپنی رعایا کو اس بات کی اجازت دینے کے لئے تیار تھا لیکن دو سنڈاکنی بابا کو کوئی واضح جواب بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ اسے یوں ہی لٹکائے رکھنا چاہتا تھا اس لئے اس کی موت تک مختلف ہند تریش کر اسے مطمئن کرتا رہا۔ اس کی سابقہ دیر مخالف سرگرمیوں کی یاد بھی نواب کے ذہن سے محو نہیں ہوئی تھی۔ چوں کہ دیر میں اس کی موجودگی سوات کے حکمران کو مسلسل مشتعل رکھنے کا باعث تھی، اس لئے نواب اسے دیر سے نکالنے پر آمادہ نہیں تھا۔

جوائی 1927ء میں نواب نے پولیٹیکل ایجنٹ سے احتجاج کیا کہ والی (عبدالودود) نے نیک پٹی خیل علاقہ میں واقع قلعے اور سر ہالا کے لوگوں سے عٹرا رکھا کیا ہے جب کہ ہاپانے شکایت کی کہ نواب کے افسران نے ادرین زئی سے نڈرتے ہوئے اُس تک چھپکے دار کا نمک ضبط کر لیا ہے (جس کو ریاست میں نمک کی فراہمی کا عمل ٹھیکہ دیا گیا تھا) جو کہ دریائے سوات کے دائیں جانب کے علاقہ کا قصد کئے ہوئے تھا۔ سیاسی حکام نے نواب پر واضح کر دیا کہ قلعے اُس کی حدود سے باہر ہے۔ پھر انہوں نے فریقین سے کہا کہ وہ اپنے نمائندہ سے ملا کھنڈ بھجج دیں تاکہ نمک اور سر ہالا میں سرحدوں کی صحیح حد بندی کے سلسلہ میں معاملات طے کئے جاسکیں۔ بالآخر سر ہالا کو سوات کے حوالہ کر دیا گیا۔

1928ء میں ہاپانے تحریری ضمانت دی کہ اُس کی ریاست میں سرحدوں کے قریب مقیم کوئی پٹا گزریں اور علاقہ دیر میں جا کر کسی جرم کا مرتکب ہو تو اُسے سرحد سے بنالیا جائے گا۔ اسی قسم کی تحریری ضمانت نواب دیر نے بھی کی۔ صورت حال نے اُس وقت ایک نازک سوز لیا جب جنرل میں عالم زیب خان کے ساتھ لڑائی شروع ہوئی۔ وہ نواب دیر کا بھائی اور ہاجا کا اتحادی تھا۔ ہاپانے نیک پٹی خیل میں تو تانوا باغی کے مقام پر اپنی افواج جمع کیں۔ وہ سطل پولیٹیکل ایجنٹ سے عالم زیب خان کی مدد کی خاطر ادرین زئی پر حملہ کی اجازت مانگتا رہا۔ پولیٹیکل ایجنٹ نے تو عہد تک اس بات کی سفارش کی کہ ہاجا کو ایسا کرنے دیا جائے تاکہ نواب اپنے بھائی سے کئے گئے معاہدہ کی پاسداری پر مجبور ہو جائے، لیکن اعلیٰ برطانوی حکام نے اُسے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ جب کہ اس دوران نواب نے سوات سے حملہ کے خدشہ کے پیش نظر ادرین زئی میں اپنی پوزیشن مستحکم کر لی۔

13 ستمبر 1928ء کو میاں دم خان نے دارمشی خان کے بیٹوں اور تقریباً 500 افراد پر مشتمل حاسیوں کے ایک بڑے گروہ کے ہم راہم کوٹ کے مقام پر دیر کی سرحد عبور کی۔ ایسا انہوں نے ہاجا پر ایک ناکام شب خون مارنے کے بعد کیا۔ بیٹی سزک کی خیر کے موقع پر ہتھی (مٹ پور) میں اُس کے مجوزہ دورہ کے موقع پر کیا گیا۔ 11 ستمبر 1928ء کو چک دروہ کے مقام پر نواب دیر کی جانب سے کیا گیا یہ سوال کہ کیا میاں دم خان آگے ہیں اس بات کا آغاز ہے کہ یہ سارا منصوبہ اُس کے مشورہ سے بنایا گیا تھا۔

ناب نواب نے اپنے مہمانوں سے کہا کہ وہ ابھی سال ڈیڑھ سال کے لئے سوات پر حملہ کے لئے تیار نہیں ہے اس لئے کہ وہ جنرل میں بری طرح الجھا ہوا ہے۔ اُس کے مہمان اس پہلو تہی والے جواب سے بہت جربز ہوئے۔ درحقیقت نواب کو برطانوی حکام سے سخت بیخام مل چکا تھا کہ سوات سے آنے والے یہ لوگ اُس کی سر زمین کو سوات مخالف سرگرمیوں اور سازشوں کے لئے استعمال نہ کر سکیں۔ کہا جاتا ہے کہ ستمبر 1928ء میں نواب دیر کو ایک غیر دستخط شدہ خط ملا (جو بظاہر اہالیان سوات کی جانب سے تھا)، جس میں اُس سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ آکر سوات کو والی کے قبضہ سے چھڑالے، اس لئے کہ لوگ اُس کی سخت گیری سے بچ گئے ہیں۔ اُسے پیش کش کی گئی تھی کہ

دریائے سوات کے دائیں کنارے کے لوگ اُس کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں :

نواب کو یقین تھا کہ یہ صرف روپیہ، اطلہ اور گولہ بارود جھپانے کے لئے والی حکومت سے ناراض لوگوں کا ایک حربہ ہے۔ تاہم اُس نے اپنے رضامی بھائی اور اُس کے باپ کو سوات کی سرحد پر واقع سم کوٹ بھیجا تا کہ وہ وہاں ایک قلعہ تعمیر کر لیں اور نیک لی ٹیل کے لوگوں کو باپا کے خلاف بغاوت پر اُکسائیں۔

1929ء میں سوات میں موٹھی چرانے کا ایک معمولی واقعہ بھی اختلاف کا باعث بنا جب سر ہاٹا آئے ہوئے دیری زائرین کو حراست میں لے لیا گیا۔ برطانوی حکام نے دونوں حکمرانوں کو ایسے جرائم کی حوصلہ شکنی اور اپنے دیگر دیرینہ تنازعات حل کرنے کے لئے کہا۔ حالات کو معمول پر لانے کے لئے برطانوی حکومت نے دسمبر 1930ء میں ایک فرمان جاری کیا جس میں نواب دیر اور والی (مبدالود) کو باہمی دشمنی بلکہ ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرنے سے بھی منع کیا گیا۔ نواب نے تو مختلف وجوہات کو بہانہ بنا کر 1932ء تک اس پر عمل درآمد سے انکار کیا لیکن والی نے اسے فی الفور تسلیم کر لیا :

سواتی حکمران کے لئے یہ فرمان میرے شکل قبر ثابت ہوا۔ حالاں کہ ان احکامات کے تحت اُس کی پوزیشن زیادہ نازک نظر آتی تھی اس کی جانب سے اسے فوری تسلیم کرنے کی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ اس سے وہ مضبوط ہوا اور اُس کی پوزیشن مستحکم ہو گئی۔ اس سے درحقیقت ادرین زئی معاہدہ میں سوات کے مفادات کے خلاف باتوں کا ازالہ ہو گیا۔ سوائے ادرین زئی پودیر کے قبضہ کے باقی ہر لحاظ سے والی اور نواب کی پوزیشن یکساں ہو گئی۔

اس فرمان کے اجرا اور تسلیم کئے جانے کے باوجود نہ تو دونوں ریاستوں کے درمیان ٹھوک و شبہات کی فضا ختم ہوئی اور نہ ان میں دوستانہ تعلقات قائم ہو سکے۔ بہر حال عداوتوں اور سازشوں کا سلسلہ کچھ وقت کے لئے ضرور ٹل گیا۔ تعلقات آخر دم تک غیر دوستانہ اور تناؤ کا شکار رہے لیکن پھر کبھی مکلی جگ تک بات نہیں پہنچی۔ انگریزوں کی تسبیح و تواریز والی پالیسی دونوں ریاستوں کے باشندوں کے لئے کسی نعمت سے کم نہیں تھی۔ اس سے وہ مسلسل کشمکش، ہجرشوں، ہلاکتوں اور لوٹ مار کے عذاب سے بچ گئے۔ 1969ء میں ادغام تک دونوں ریاستوں میں حالات جوں کے توں رہے۔

### ریاست امب سے تعلقات

ریاست امب موجودہ صوبہ خیبر پختون خوا میں 15°-34' اور 23°-34' شمال اور 72°-52' اور 10°-73' شرقاً واقع ہے۔ یہ ریاست اہلسن کے کنارے 225 مربع میل کے علاقہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ اسے مغرب

میں اتمان زئی، جردون، امام زئی اور مدائیل کے آزاد قبائل کے پہاڑوں نے گھیرا ہوا تھا۔ اس کے شمال مشرق میں تحصیل ہانسہو (اب ضلع ہانسہو) شمال مغرب میں حسن زئی، نصرت نیل، بسی نیل، اکانڈی اور سورتی قبائل، یاٹئی (غیر) علاقہ، جب کہ جنوب میں تحصیل ایبٹ آباد (اب ضلع) ہے۔

ایک طویل عرصہ تک سب کو ایک نیم خود مختار ریاست کی حیثیت حاصل تھی۔ اس کے سربراہ محمد اکرم خان کو 1868ء میں انگریز نے نواب کے خطاب سے نوازا۔ اس کا سبب 'کچھ تو اس کے باپ کی جانب سے (1857ء) کی جنگ میں (انگریزوں کے لئے) جوش کردہ خدمات تھیں اور کسی حد تک 1868ء میں ہزارہ مہم کے دوران اس کی اپنی حوصلہ مندی اور وقاداری کا اعتراف سمجھا جاسکتا ہے۔' 1907ء میں محمد اکرم خان کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا خان زمان خان تخت نشین ہوا۔

خان زمان خان کو برطانوی راج میں ایک بے نظیر حیثیت حاصل تھی۔ ایک جانب وہ اپنے علاقہ کا خود مختار حکمران تھا جب کہ دوسری جانب تناول جاگیر دار تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ہری پور تحصیل ضلع ہزارہ میں واقع جاگیر اور وسیع زمینوں کا مالک ہونے کی وجہ سے برطانوی رعیت میں شامل تھا۔ جنوری 1919ء میں ریاست سب کی سربراہی کی بدولت اسے (وقاداری اور اریحہ برتاؤ کی شرط پر) نواب کا موروثی خطاب دیا گیا۔

درمیان میں واقع خدوخیل، بونیر اور امام زئی علاقوں کی وجہ سے سوات اور سب ریاستوں کے بیچ دوستانہ اور معاندانہ دونوں قسم کے تعلقات موجود نہیں تھے۔ نواب دیر نے سابقہ سواتی حکمران عبدالجبار شاہ (حالیہ مہتمم ستانہ) سے ساز باز کر کے سوات کے خلاف اتحاد بنانے کی کوشش کی۔ عبدالجبار شاہ کی سوات مخالف سرگرمیوں اور سوات و سب ریاستوں کی جانب سے بونیر پر قبضہ کی کوششوں سے دونوں ریاستوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔

نومبر 1918ء میں نواب دیر نے عبدالجبار شاہ کو سوات پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے مدد کی ترغیب دی لیکن اس وقت شرائط پر مفاہمت نہ ہونے کی وجہ سے بات آگے نہ بڑھ سکی۔ فروری 1921ء میں نواب نے دوبارہ عبدالجبار شاہ کو یک وقت سوات پر حملہ کرنے کی دعوت دی اور دریائے سوات کے بائیں جانب کے علاقہ پر اسے عمل اقتدار کی یقین دہانی کرائی۔ اس دعوت کے دو ماہ بعد عبدالجبار شاہ نے نواب سے کہا کہ حملہ کا مناسب وقت آپہنچا ہے۔

16 اپریل کو عبدالجبار شاہ نے پکیر سے اپنی مہم کا آغاز کیا اور بہ راستہ عزلی خیل سوات پر حملہ کر کے نواب سے دریائے دوسری جانب سے حملہ کے لئے کہا جیسا کہ ان کے درمیان معاہدہ ہوا تھا۔ یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی لیکن عبدالجبار شاہ نے نواب کو بتادیا کہ وہ اپنی فوج ایک بار پھر آگے لے آئے گا اگر اسے معلوم ہوا کہ نواب نے سوات پر چڑھائی کر دی ہے۔ ریاست سوات کے خلاف دیر اور سب کی ریاستوں کے درمیان سازشوں کا سلسلہ جاری رہا جس



کے نتیجے میں دونوں نے مل کر سواتی عسکران کے خلاف ایک متحدہ کوشش کی جو ناکامی پر منتج ہوئی (پانچواں باب دیکھ لیں)۔ ستمبر 1922ء میں نواب سب نے سواتی عسکران کو نکال باہر کرنے کے لئے اپنا لشکر بھیجا جس نے اپنی پوزیشن اور مقبوضات کی حفاظت کے لئے اپنی پوری طاقت استعمال کی۔ اس کے ساتھ بوئیر پر اپنی عمل داری قائم کرنے کے لئے بھی دو کوشاں رہا جہاں 1920ء میں سر سرداری کے سیاسی مزاحمتی قیادت میں ایک چھوٹے سے دستے نے بوئیر کی طرف واقع ٹھیل باغڑہ پر قبضہ کر لیا تھا۔

فروری 1923ء میں حسن زئی قبیلے کے تقریباً سو افراد سوات آئے۔ دو سواتی باجاء کے ساتھ نواب سب کے خلاف اتحاد بنانا چاہتے تھے۔ اس سے نواب کو پریشانی لاحق ہوئی اور اُس نے فی الفور مدافیل جر کر طلب کیا تاکہ اپنے خلاف کسی اتحاد کی صورت میں اُس کا توڑ کیا جاسکے۔ نواب سب بوئیر پر سواتی حملے سے ٹپس میں تھا اس لئے اُس نے مہدالہبار شاہ کے ساتھ اتحاد بنانے کی بات کی۔ مہدالہبار شاہ اُس کا وزیر بن گیا۔ اُس نے نواب کو تجویز پیش کی کہ ہانگی (بوئیر) میں شاہ جہان خان کی مدد کے لئے ایک دستہ روانہ کیا جائے تاکہ سوات سے حملے کے خطرہ کو کم کیا جاسکے۔

حسن زئی اور خدو ٹھیل جرگوں نے آ کر ایک بار پھر نواب سب کے خلاف مدد کی درخواست کی۔ باجاء صاحب نے بوئیر ایک لشکر بھیج کر اس پر قبضہ کر لیا۔ جب کہ اسی دوران اُس نے ٹاکنڈ کے پٹیلنگل ایجنٹ سے شکایت کی کہ نواب سب نے خدو ٹھیل اپنی فوج بھیجی ہے جس نے جملہ کے مقام پر اُس کے آدمیوں پر نائننگ کی ہے۔ اب وہ جوابی اقدام کرے گا جس کی ساری ذمہ داری نواب پر ہوگی۔ مئی 1923ء میں اُس نے پٹیلنگل ایجنٹ کو لکھا کہ اُس کی معلومات کے مطابق نواب بوئیر میں اُس پر حملہ کرنے والا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو وہ ابا سین پارتال پر حملہ کرنے میں خود کو آزاد سمجھے گا۔

جولائی 1923ء میں نواب سب نے اپنی ساری بے قاعدہ فوج کے ہمراہ دہلیٹی کے مقام سے کوچ کیا تاکہ جملہ پر قبضہ کے لئے سواتی فوج سے دوردو ہاتھ کرے۔ سواتی افواج وزیر حضرت علی کی زیر قیادت آگے بڑھیں۔ ڈگر پہنچ کر انہیں پتہ چلا کہ سب کا ایک لشکر ہانگی پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس دوران وزیر اور نواب سب کو حزیہ کنگ پہنچ گئی۔ 19 جولائی کو مہدالہبار شاہ کی زیر قیادت سب لشکر نے ہانگی پر حملہ کر دیا۔ مہمان کی جگہ چھڑ گئی۔ 20 جولائی کو جگہ رک گئی اور دونوں فریق اپنے اپنے دستوں کو مضبوط بنانے میں لگے رہے۔ 26 جولائی کو باجاء نے پٹیلنگل ایجنٹ کو مطلع کیا کہ اگر اُس کے دیگر زیر قبضہ علاقوں کی حفاظت کی ضمانت دی جائے تو وہ بوئیر سے ہٹا ہونے کے لئے تیار ہے۔

سواتی لشکر نے 17 اگست کو سب فوج پر حملہ کیا اور انہیں اپنے ٹھکانوں سے نکال باہر کیا۔ باجاء نے پٹیلنگل

ابنت کو لکھا کہ اُس کی فوجوں نے 18 تاریخ کو سب کے نواب کی فوج کو گلستہ دے دی ہے اور انہیں بونیر سے نکال دیا ہے۔ اور وہ واپس دیر لئی چلی گئی ہے۔ نواب سب کی فوج کی گلستہ کی ایک وجہ اُس کے افسران کے درمیان حسد کا جذبہ تھا۔ دوسری وجہ میاں گل کے وزیر کی جنگی نکتہ عملی تھی جس کے تحت اُس نے اُن کے رسد کا راستہ مسدود کر دیا تھا۔ سواتیوں کی یہ فتح نواب سب کے لئے کاری ضرب ثابت ہوئی اور سوات کے خلاف اُس کی مہم جوئی کا خاتمہ ہو گیا۔ اس جنگ میں جانی نقصان بہت زیادہ ہوا۔ اس کا سبب بونیر میں سواتیوں کا دھوکہ سے کیا گیا قتل عام تھا جب وہ محاذ پر جا رہے تھے اور پھر اس کے رد عمل میں ہونے والی جوانی کا رد والی تھی۔

نواب سب کی مدد کرنے میں ناکامی کی وضاحت کرتے ہوئے نواب دیر نے اُسے لکھا کہ وہ اپنی فوج کو پیش قدمی کے لئے تیار رکھے تاکہ جب دیر کے لشکر میدان میں آجائیں تو وہ بھی ساتھ دینے کے لئے آجائے۔ نواب سب نے یوں تو اس تجویز کی حمایت کا اظہار کیا لیکن اُس پر وہ اپنا ایک آدمی میاں گل (سواتی عکران) کے پاس معاہدہ امن کی شرائط کے بارے میں معلومات کے لئے بھیجا۔ خدا کرات شروع ہوئے۔ باجانے تجویز پیش کی کہ خود خیل، امانزی اور آس پاس کے دیگر قبائل (جو کہ دونوں حکمرانوں کے زیر اثر ہیں) دونوں ریاستوں کے ماتحت نہ رہیں اور اس پورے علاقہ کو تصادم روک علاقہ قرار دے دیا جائے لیکن نواب سب ان قبائل کو پہلے کی طرح اپنے ماتحت رکھنا چاہتا تھا۔

نواب دیر نے نواب سب اور عبدالجبار شاہ کے ساتھ سلسلہ جنابانی کی۔ نواب سب نے پیش قدمی کا ارادہ پاندھا جو کہ بے نتیجہ رہا۔ ڈپٹی کمشنر ہزارو نے

”اُسے مشورہ دیا کہ وہ بونیر میں ایسی کسی مہم جوئی سے احتراز کرے بلکہ میاں گل سے گفتگو کا آغاز کرنے کی کوئی سہیل پیدا کرے۔ دونوں کے درمیان کم از کم عارضی نہاہ کی کوئی صورت نکالے اور پھر بونیر اور قریبی قبائل کے ضمن میں باہمی حد بندی کا انتظام کرے۔“

اگست 1924ء میں سواتی باجانے خود خیل اور امانزی علاقہ میں پیش قدمی کی۔ شب کیا جا رہا تھا کہ وہ سستان اور سب پر اچانک حملہ کرنے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ نواب سب شیرگاہ چھوڑ کر در بند آ گیا تاکہ ایسے کسی حملہ کی مزاحمت کی جائے۔ باجانے خود خیل اور سر سے امانزی کو زیرِ تھمیں کر لیا۔ جولائی 1925ء میں نہا جا رہا تھا کہ باجا اور نواب فوری طور پر سرحدوں کی حد بندی کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہ کچھ سواتی حکام کو اُس غرض کے لئے گفت و شنید کی خاطر بھیجا گیا لیکن وہ ناکام لوٹ آئے۔ تاہم برطانوی حکومت سے معاہدہ کے بعد باجانے اپنے اور نواب سب کی ریاستوں کے درمیان ایک غیر جانبدار علاقہ تسلیم کر لیا۔ ایسا انگریزوں کی جانب سے اُسے والی تسلیم کئے جانے کے موقع پر کیا گیا۔

اس طرح برطانوی حکومت کی مداخلت اور دونوں ریاستوں کے درمیان حد بندی کرنے سے آئندہ ان کے درمیان جنگ کا خطرہ ختم کیا لیکن ان کے درمیان تعلقات خراب ہی رہے۔

1930ء میں نواب سب نے برطانوی حکومت کے حضور اپنی کئی خوبیوں کا حوالہ دیتے ہوئے سوات کے ساتھ طے پانے والے تعین پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ملکنسی دعویٰ کو دھرایا۔ اُس نے لکھا۔  
 ”مجھے کسی جنگ میں شکت نہیں ہوتی بلکہ جی سے ملانی مگر یہ حکومت کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے جو کہ جولائی 1923ء میں ہونے والی ملکہ کی جنگ سے نقل جھٹک پہنچائی گئی تھی، میں نے خاموشی اختیار کئے رکھی اس خیال سے کہ ریاست سوات اور سب کے درمیان حدود کا صحیح تعین کر دیا جائے گا۔ لیکن میری اس اطاعت شعاری کا بدلہ میری تمام توقعات کے برخلاف انتہائی افسوس ناک شکل میں مجھے دیا گیا۔ مجھے اپنے اُن ملاؤں سے محروم کر دیا گیا۔ جو گزشتہ پچاس سالوں سے میرے ہاتھ میں تھے۔“

لیکن برطانوی حکومت کی ترجیحات مختلف تھیں۔ جس کا اظہار یوں کیا گیا کہ ریاست سب اور سوات کے درمیان بسنے والے قبائل کے بارے میں نواب سب پر بھی وہی سوات جیسی پابندیوں کا اندازہ لازم ہے۔ برطانوی حکومت نے اگرچہ مکمل کھلا دالی کی حمایت و حفاظت کی پالیسی اختیار نہیں کی لیکن ہمیں پروردہ اس خیال سے اُس کا خیال رکھتے رہے کہ صرف یہ نہیں کہ اُس کی مضبوط حکومت اُن کے مفاد میں ہے بلکہ ہر برس موقع پر اُس نے اُن سے تعاون کر کے اپنی لازوال وفاداری کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اُس لئے ریاست سوات کو مستحکم کرنا مگر یوں کے بہترین مفاد میں تھا۔

## پاکستان سے تعلقات

ریاست سوات ہندوستان میں موجود قریباً 562 نوآبادی ریاستوں میں سے ایک تھی۔ ان ریاستوں کی حیثیت اور مستقبل کے بارے میں آل انڈیا کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے نقطہ نظر میں نمایاں فرق تھا۔ کانگریس کے اکثر رہنما بالخصوص اُس کے صدر جواہر لال نہرو ملک میں موجود ان علاقہ واکائیوں کے خلاف تھے، اس لئے مستقبل میں ہندوستان اور پاکستان کی آزاد مملکتوں کے قیام کے بعد ان کے وجود کے بارے میں نہرو اپنی مخالفانہ رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ شخصی حکومت کا مکمل خاتمہ ہونا چاہئے اور یہ کہ کسی کے لئے بھی چاہے وہ جتنے بھی اونچے مقام پر فائز ہو یہ کہنا انتہائی نرسواکن بات ہے کہ آج کے دور میں اُسے دوسرے انسانوں پر انوکھی اختیار حاصل ہے۔  
 کانگریس کی ان ریاستوں کے بارے میں سرکاری پالیسی یہ تھی کہ انہیں آزاد ہندوستان کا جزو نہ بننے ہو کہ رہنا ہوگا۔ اقتدار اعلیٰ یقیناً وجود میں آنے والی نئی مملکتوں کو حاصل ہوگا۔ مسلم لیگ کا نقطہ نظر مختلف تھا۔ 1940ء میں محمد

ملی جناح نے قرارداد پاکستان کے پاس ہونے کے موقع پر ایک بیان جاری کیا جس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ شمال مغربی علاقہ میں موجود ریاستوں کو مسلمانوں کے وطن کے دفاع میں شامل ہونے پر خوش آمدیہ کہا جائے گا۔ انہوں نے باقاعدہ اعلان کیا کہ لیگ کا ان ریاستوں کو مجبور کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس مسئلہ پر کچھ نہیں کہا۔

ہندوستانی نوابی ریاستوں کے بارے میں 3 جون 1947ء کے پالیسی بیان میں کہا گیا کہ 'شہنشاہ معظم کی حکومت اس بات کی وضاحت کرنا چاہتی ہے کہ ہندوستانی ریاستوں کے بارے میں ان کی جو پالیسی 12 مئی 1946ء کی کینٹ مشن رپورٹ میں بیان کی گئی ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی گئی ہے۔ 3 جون کے منصوبہ کے اعلان کے بعد نہرو نے 'کانگریس کی مقرر کردہ پالیسی کے مطابق کہا کہ آنے والی کوئی سی بھی ہندوستانی حکومت انگریزوں سے انتقال اقتدار کے بعد اقتدار اعلیٰ کی حق دار ہوگی۔ اس نے انتہائی شدت سے اس بات سے انکار کیا کہ ریاستوں کو خود کو آزاد قرار دینے کا کوئی اختیار حاصل ہے۔ اس نے دعوئی کیا کہ کینٹ مشن کے رپورٹ میں اس قسم کی کوئی بات موجود نہیں ہے۔'

جب کہ محمد علی جناح نے کہا کہ ان کے خیال میں ریاستوں کو اس بات کا مکمل حق حاصل ہے کہ وہ دونوں میں سے کسی بھی اسٹیبل کا حصہ بننے سے انکار کر دیں۔ ہر ہندوستانی ریاست اپنی حیثیت میں اقتدار اعلیٰ رکھتی ہے۔ ان ریاستوں کی آزاد حیثیت کی وکالت کرتے ہوئے جناح اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے۔ اس سلسلہ میں اپنے دلائل دیتے ہوئے وہ کہتے ہیں۔

"کینٹ مشن نے اس قسم کا کوئی اصول طے نہیں کیا کہ ہر ریاست کو ضرور دونوں میں سے کسی ایک اسٹیبل کا حصہ بننا پڑے۔ انہیں فیصلہ کرنے کی آزادی حاصل ہے لیکن اس ضمن میں کئی معاملات طے ہوا بھی باقی ہیں۔ یہ کام شاہی نمائندہ ہی کر سکتا ہے جب تک وہ ہے۔ مسلم لیگ اور کانگریس دونوں کا نمائندہ ہی میں ہے کہ یہ معاملات طے ہو جائیں۔"

بعد میں انہوں نے 'علاقہ کے منصوبہ کے بارے میں اپنے اعتراض اور پاکستان کے ساتھ آنے والی ریاستوں کی آزادی کی ضمانت کی فراہمی کے بارے میں اپنے ارادے کا اعلان کیا۔'

تیزی سے بدلتے منظر میں شمال مغربی سرحدی ریاستوں کی حیثیت قدرتی طور پر ہندوستان میں موجود دیگر ریاستوں سے مختلف تھی۔ ان ریاستوں کے حکمران نوجو جمیر آف پرنسز کے ارکان تھے اور نہ ہی ریاستوں کے بارے میں گفت و شنید کرنے والی کئی میں ان کو کوئی نمائندگی حاصل تھی۔ ان کا مستقبل قبائلی علاقوں سے بندھا ہوا تھا۔ اولف کیرو نے مارچ 1947ء میں کہا کہ دیا تھا کہ اگر ہندوستان کے شمالی سرحد کو محفوظ رکھنا ہے تو اس کے لئے ان ریاستوں میں استحکام برقرار رکھنا لازم ہے۔ اس سے ان ریاستوں کی ترقی و ترقی اور ان کو باقی رکھنے کی ضرورت کا

اٹھارہ ہوتا ہے۔

ان ریاستوں کے مسائل داخلی سے زیادہ خارجی تھے۔ ان کے مستقبل کے بارے میں نور و خورشید شمال مغربی سرحدی قبائلی علاقہ کے تناظر میں کیا جاتا تھا۔ یہ ہندوستان کے دیگر تمام علاقوں سے مختلف صورت حال کی حامل تھیں۔ ان کا مستقبل اُس علاقہ سے مربوط تھا جو کہ پورٹ بلائٹ اور ہندوستانی انتظامی مشینری کے تحت علاقوں کے درمیان واقع ہے۔

ان باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے پاکستان کے خارجہ امور اور دولت مشترکہ تعلقات کے شعبہ نے پٹاوار میں نارویف کو لکھا۔

”برائے مہربانی تمام متعلقہ حکمرانوں کو ذرا مطلع کرو (اگر ضروری خیال کرو تو) سچی بات یہ ہے کہ میں کو شہید کروں گا کہ کوئی نئی لکھاؤ سے انہیں آزاد ہو جائے گا اختیار حاصل ہے پاکستان کی عارضی حکومت ان سے دوستانہ تعلقات کی خواہشمند ہے اور چاہتی ہے کہ انہیں وہی جانے والی اندامی قوم، موجودہ انتظامات اور معاہدوں کو جن میں انھوں نے راجہ اور سلطنتی فراموشی وغیرہ شامل ہے برقرار رکھا جائے۔“

اگر یہ ریاستیں چاہیں تو اُس وقت تک موجودہ انتظامات کو جاری رکھا جائے گا جب تک کہ حکومت پاکستان اور متعلقہ ریاستوں کے درمیان متبادل انتظامات کے لئے نئے معاہدے نہ ہو جائیں۔

میاں گل عابد اللہ کو برطانوی حکومت کے انضمام کے بعد پاکستان سے معاہدہ طے کرنے کے لئے اپنا کوئی نمائندہ مقرر کرنے میں تاخیر تھا لیکن وہ خود اس پر دھنخا کرنے کے لئے تیار تھا۔ بعد میں اُس نے اپنے ولی مہد کو یہ معاہدہ (جب اور جہاں اس کی ضرورت پڑے) طے کرنے کا اختیار دے دیا۔ یہ اعلان کیا گیا کہ سرحدی ریاستوں کے لئے اپنے نمائندے ہیڈ کوارٹر بھیجنا نہ تو لازم ہے اور نہ مطلوب اُس لئے کہ یہ سارے معاملات مقامی طور پر نٹائے جائیں گے۔ 13 اگست 1947ء کو بتایا گیا کہ سوائی حکمران نے موجودہ معاہدوں کو 15 اگست سے حکومت پاکستان کے ساتھ جوں کے توں جاری رکھنے پر رضامندی ظاہر کر دی ہے۔

وزیر اعظم پاکستان نے شمال مغربی سرحدی صوبہ کی حکومت کو 12 اکتوبر 1947ء میں راولپنڈی میں فرینچیز پولیسی کے بارے میں منعقدہ ایک کانفرنس میں ہدایت کی کہ سرحد پر واقع ریاستوں کے ساتھ حکومت پاکستان اور ان کے درمیان مستقبل کے معاہدوں کے سلسلہ میں بات کی جائے۔ مقصد اس کا یہ تھا کہ ان تمام ریاستوں کو الحاق کے اُس ضابطہ کو تسلیم کرنا چاہئے جس پر ریاست جو ناگزیر نے دھنخا کئے تھے۔ مجوزہ دستاویز الحاق کا نمونہ یہ تھا:

”اگر جس کا اس ضابطہ کے تفصیلی لائحہ عمل میں اظہار کیا گیا ہے اُس کے مطابق حکومت پاکستان قانون سازی اور پولیسی سازی کی مجاز ہوگی اور یہ کہ ریاست کا حکمران اس ضابطہ کو اپنی حد تک کو کو کرنے پر تیار ہے۔ جب کہ حکمران کے موجودہ لائحہ عمل سے اسے حاصل نہیں ہے تو اس کے سامنے ان کا جن کا ضابطہ کے تفصیلی لائحہ عمل میں ذکر کیا گیا ہے۔“

پرنسپل ایجنٹ نے بتایا کہ ریاستوں کے حکمران اس الحاقی ضابطہ کی طوالت اور پیچیدگی کی وجہ سے مددشات کا شکار نظر آتے ہیں۔ صوبائی گورنر نے پرنسپل ایجنٹ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے سرحدی ریاستوں کے مخصوص حالات کی وجہ سے مختصر معاہدہ تجویز کیا۔ اس نے تجویز پیش کی کہ

”میں حکومت پاکستان کی جانب سے ان حکمرانوں کو کھڑے کرناؤں کا حکومت پاکستان کی مذکورہ تین امور کے بارے میں ریاستوں کے ساتھ پالیسی یا اصول نامی مخطوطہ پر استوار ہوگی جن پر حکومت برطانیہ اور ان ریاستوں کے درمیان پہلے سے معاملات چلنے رہے تھے۔ ہرے خیال میں اس سے ان کی تسلی ہو جائے گی۔ میں انہیں یہ بھی بتاؤں گا کہ ان کی امدادی رقم و فائداری اور دیگر عمومی شرائط کے ساتھ جاری رہیں گی۔“

وزیراعظم پاکستان نے 30 اکتوبر 1947ء کو ضابطہ الحاق کا ترمیم شدہ حتمی مسودہ، صوبہ سرحد کے گورنر کو سونپا۔ تاہم تفصیلی لائحہ عمل کے ساتھ منسلک ایک ضمنی تحریر میں اس بات کی وضاحت کی گئی کہ ان ریاستی حکمرانوں کو تحریراً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مذکورہ تین امور کے بارے میں ریاستوں کے ساتھ حکومت پاکستان کی پالیسی ان عمومی خطوط پر استوار ہوگی جن پر برطانوی حکومت کی پالیسی استوار رہی ہے۔ البتہ امدادی رقم کی یقین دہانی ان کو دے دی جائے۔

طویل طور پر عرض کے بعد 3 نومبر 1947ء کو ریاست سوات نے پاکستان کے ساتھ الحاق کیا اور 24 نومبر 1947ء کو ساہتہ برطانوی حکومت کے ساتھ موجودہ شرائط پر اس الحاق کو تسلیم کر لیا گیا۔ اسے اس طرح جیسی رقم طراز ہے:

”برطانوی دور کے وہ مختلف معاہدے جن کی بعد میں حکومت پاکستان نے بھی توثیق کی ان میں ریاستی حکمرانوں کے لئے جنرل داہنی سوات، شرائط و ضوابط اور حقوق و ذرائع کی پوری وضاحت موجود ہے۔ ان کے مطابق تمام امور جیسے دفاع، خارجہ امور، بی اس اور دیگر امور ملاحظہ مرکزی حکومت کے تحت آئیں گے۔“

’دینی امور‘ کا ذکر ضابطہ الحاق یا منسلک تفصیلی لائحہ عمل میں نہیں ہے بلکہ خارجہ امور، دفاع اور مواصلات سے متعلق حکومت پاکستان کے قانونی اور انتظامی انصرام کے حق کو تسلیم کر لیا گیا تھا۔ 1954ء کے ضمنی ضابطہ الحاق میں دینی اور کرنسی سے متعلق امور بھی شامل کر لئے گئے۔

میاں گل عبدالودود کا دعویٰ ہے کہ ریاستی حکمرانوں میں پاکستان سے الحاق کرنے والے وہ پہلے حکمران ہیں۔ حقیقت میں یہ اعزاز، اگر اسے اعزاز سمجھا جائے، ریاست جوہا گڑھ کو ملنا چاہئے، جس نے اگست 1947ء کے اوائل میں (قبل از تقسیم) پاکستان سے الحاق کے ارادے کا اعلان کر دیا تھا۔ اس نے 14 ستمبر 1947ء کو پاکستان سے الحاق کیا تھا اور گورنر جنرل پاکستان نے 15 ستمبر 1947ء کو اس پر دستخط کر دیئے تھے۔ بہاولپور اور خیر پور کی ریاستوں نے ضابطہ الحاق کو 13 اکتوبر 1947ء کو عملی جامہ پہنایا اور اسے 15 اکتوبر 1947ء کو منظور کر لیا گیا۔ چترال اور دیر کی ریاستوں نے بالترتیب 6 اکتوبر اور 8 نومبر 1947ء کو اسے عملی جامہ پہنایا جسے بالترتیب 18 اور 8

فروری 1948ء کو منظور ہوئی تھی۔ پاکستان سے الحاق کے بارے میں عبدالودود اور میاں گل جہان زیب دونوں نے بیانات غلط دیے۔ آخر فرخزاد کے مطابق چترال نے الحاق میں سب سے پہلے کی، پھر اور اور تیسرے نمبر پر سوات نے اسے مل لی جاسا۔ پتا چلا۔

تقسیم ہند سے قبل میاں گل عبدالودود نے آل انڈیا مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی حتی المقدور مدد کی۔ بالخصوص صوبہ سرحد میں ہونے والے ریفرنڈم کے موقع پر ان کی خدمات نمایاں رہیں۔ ریفرنڈم کے اخراجات میں مدد کے لئے انہوں نے مسلم لیگ کو ایک لاکھ دس ہزار روپے دیئے اور اُس کے ساتھ ساتھ ریفرنڈم میں پاکستان کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے ایسے واقع اصطلاح میں اپنے لوگ بھیجے۔

انہوں نے قائد اعظم ریلیف فنڈ میں دو لاکھ روپے دیئے۔ اس طرح موقع پر موقع مختلف قسم کے پاکستانی فنڈوں کے سلسلہ میں کل آٹھ لاکھ روپے دیئے۔ انہوں نے سیکرٹری ذرائع استخرد مرزا کے کہنے پر حکومت پاکستان کے لئے ایک فیوری لڑاکا جہاز ایک لاکھ پچیس ہزار روپے میں خریدی تھی۔ ولی مہد سوات جہان زیب کا نام دیا گیا۔ اسی طرح وہ اپنے سالانہ وظیفہ سے بھی ہمیشہ کے لئے دست بردار ہو گئے۔

جب 1948ء میں کشمیر میں جنگ چھڑی تو انہوں نے بارہ مولا میں پاکستان کو پہنچنے والے ابتدائی دھچکے کے بعد اپنی ریاستی ملیشیا کو کشمیر بھیج دی۔ سواتی فوج نے محاذ پر پہنچنے ہی ایک گھنٹہ کے اندر ہارنگ کے قبضہ پر قبضہ کر لیا۔ اُنہیں بارہ روک ٹوک آگے بڑھنے دیا جاتا تو وہ پونچھ پر قبضہ کر لیتی۔ دوسرے پتھر کے مضامعات میں پہنچ کر اُس پر قبضہ کرنے والی تھی کہ پاکستانی حکام نے انہیں پسپا ہونے کے لئے کہا۔ بعد ازاں ہر دوسرے سینے سواتی فوج کا تازہ دم دستہ ریاستی گاڑیوں میں پہنچ کر اپنے ساتھیوں کی جگہ لیتا رہا حتیٰ کہ قائد ہندی کا اعلان ہو گیا۔ 1965ء کی جنگ کے دوران بھی سواتی ملیشیا کو کشمیر کے محاذ پر بھیجا گیا۔ دوران جنگ ایک دستہ محاذ پر موجود رہا، وقت مضیفہ پر تازہ دم دستہ اُس کی جگہ لیتا رہا۔ اس بار بھی محاذ پر سواتی ملیشیا نے بہت اہم کردار ادا کیا اور بڑی کامیابی حاصل کی لیکن پاکستانی افسران کی اعلیٰ کی وجہ سے متبوض علاقوں سے ہاتھ دھوئے پڑے اور پیش قدمی کر کے فوجی مکتبہ عملی سے اہم مقامات قبضہ میں لینے کے مواقع کھو گئے۔

تقسیم ہند کا عمل 15 اگست 1947ء کو پایہ تکمیل کو پہنچا اور اسی دن پاکستان معرض وجود میں آیا۔ 14 اگست کو جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے۔ ریاست سوات اندرونی طور پر خود مختار رہی، حالانکہ تکنیکی لحاظ سے اس نے پاکستان کے ساتھ الحاق کر لیا تھا۔ کلام کا مسئلہ (جس پر سوات نے 14 اور 15 اگست کی رات کو قبضہ کر لیا تھا) فریقین میں ہجرت زاع بنا رہا اس لئے کہ حکومت پاکستان اس قبضہ کو قانونی طور پر صحیح تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ یہ مسئلہ 1954ء تک برقرار رہا جب 12 فروری 1954ء کو والی صاحب نے حکومت پاکستان کے ساتھ سوات

کے پہلے آئین اور سوات کو ہستان (کالام، اوشو، اتروز کے ملائے) کے انتظام کے بارے میں معاہدے پر دستخط کئے۔ 'خفت سے بچنے کی ایک تدبیر کے طور پر' اس بات پر مصالحت کی گئی کہ یہ علاقہ سوات کے علاقوں کی طرح کے اختیارات کے ساتھ والی کے ماتحت رہے گا لیکن اسے تنظیم کالام کہا جائے گا اور یہاں کا انتظام چلانے کے عوض اسے سالانہ چوبیس ہزار روپے الاؤنس دیا جائے گا۔ سوات کی ریاستی حکومت کا خیال تھا کہ کالام اس کا حصہ ہے جب کہ حکومت پاکستان کے خیال میں اسے عارضی طور پر ریاست سوات کے زیر انتظام دے دیا گیا ہے۔ ڈیوڈ ڈشٹر اس پر یوں اپنی رائے دیتا ہے۔

"تازہ کالام سے یہ فوری سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرکزی حکومت اس ریاست کے علاوہ جو کہ یوں برداشت کر رہی ہے۔ اس سوال کی جواب دینے چاہتے ہیں جس سب سے مناسب جواب والی کے چیف سیکریٹری کا لگتا ہے جس نے کہا کہ سوات کا راجہ موجودہ صورت حال کے مقابلہ میں مرکزی حکومت کے لئے کبھی زیادہ مسائل اور پریشانیوں کا سبب بنے گا۔"

پاکستان بننے کے بعد شمال میں کچھ زیادہ نہیں بدلا۔ وجہ یہ تھی کہ حکومت پاکستان نے ان سرحدی ریاستوں کے بارے میں خاصا نرم رویہ رکھا۔ مرکزی حکومت نے سوات کی سیاست میں کوئی مداخلت نہیں کی۔ صوبہ سرحد کے گورنر نے وہاں کا دورہ کیا اور 17-18 نومبر 1947ء کی رات سید شریف میں گذاری۔ مارچ 1949ء میں گورنر جنرل آف پاکستان خواجہ ناظم الدین نے صوبائی گورنر اور پٹیٹیکل ریزینٹ کے ہمراہ سوات کا دورہ کیا۔ 12 دسمبر 1949ء کو وزیراعظم پاکستان لیاقت علی خان نے سید شریف میں منعقدہ ایک دورہ میں شرکت کی جس میں انہوں نے والی صاحب کی اپنے ہاتھوں سے دستار بندی کی۔ اپنے خطاب میں انہوں نے فرمایا کہ 'میں والی صاحب کو اس بات کی یقین دہانی کرانا چاہتا ہوں کہ میری حکومت یہاں کے لوگوں کی اقتصادی اور تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہر ممکن مدد فراہم کرنے کی خواہاں ہے۔' سات سال تک حکومت پاکستان نے ریاست سوات کی سیاست میں کوئی مداخلت نہیں کی۔

"جب بھی اس کا کوئی افسر یہاں آیا تو دشمن امتیاز کو قہا سے رکھا۔ 1954ء کے سیاسی تقصیر سے مرکزی حکومت کی سیاسی نہیں صرف آئینی یکسانیت کی خراشیں مچاں ہے۔ 1954ء کا سوات موری آئینی ایکٹ اور ضمنی ضابطہ الحاق اس ریاست کو آئندہ کے لئے وفاقی پاکستان کا حصہ گرا رہا ہے۔"

بہاولپور، خیر پور اور بلوچستان کی ریاستوں کے حکمران اب صرف آئینی سربراہان تھے۔ ان کے سارے اختیارات دوزرائے اعلیٰ کو منتقل ہو گئے تھے۔ جب کہ سوات میں کسی وزیر اعلیٰ کا تقرر نہیں کیا گیا۔ والی ہی کونسل کا صدر، وزیر اعلیٰ اور حکمران تھا۔ یہ بات بھی دل چسپی سے خالی نہیں کہ نواب دیر نے ضمنی ضابطہ الحاق پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا اس لئے ریاستی حکمرانوں میں اس کی حیثیت سب سے جدا تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت پاکستان نے اس کے خلاف کارروائی کی اور اسے معزول کر دیا گیا۔



پاکستان کے مغربی بازو میں دن چوٹ کی تشکیل کے وقت خدشہ تھا کہ قبائلی علاقے اور نورپل ریاستوں کو اس نئے صوبہ میں مدغم کر دیا جائے گا۔ اس طرح ان کی علاحدہ حیثیت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ بہادرپور کی منتقلی برطانیہ کی اس قسم کی کارروائی کی تشبیہ سمجھا گیا۔ اس لئے والی نے ریاست کی مشاورتی کونسل کے لئے انتہا بات کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد سوات کو مغربی پاکستان میں مدغم کرنے کے بارے میں مزید کوئی بات نہیں کی گئی۔ 14 دسمبر (1954ء) کو ایک سرکاری اخباری اطلاع میں ریاستی خود مختاری کے سلسلے کی تصدیق کرتے ہوئے کہا گیا کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی ریاستوں کو مجوزہ مغربی پاکستان میں مدغم نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کو خصوصی علاقوں کا درجہ حاصل رہے گا۔

جب ایوب خان برسرِ اقتدار آیا تو حکومت پاکستان اور ریاست سوات کے درمیان تعلقات میں سرد پاکستان کی دو بیٹیوں کی والی کے دو بیٹوں کے ساتھ شادی نے مزید گرم جوشی پیدا کر دی۔ تاہم بعض معاملات جیسے بجرسوں کی ایک دوسرے کو خواہگی وغیرہ کے بارے میں اختلافات برقرار رہے۔

کچھ پاکستانی حکام ذاتی طور پر والی کے ہم درو تھے اور اُس کی حمایت کرتے تھے۔ شمال کے طور پر پلٹھنکل ایجنٹ گلگت سید فرید اللہ شاہ نے اپنے ایک انتہائی خفیہ خط میں دیر سوات اور چترال کے پلٹھنکل ایجنٹ کو لکھا کہ والی صاحب ان کے مشترک دوست ہیں اور وہ حتیٰ الوسع ان کی عزت و وقار والی حیثیت برقرار رکھنے کے لئے کوشاں رہیں گے۔

جولائی 1951ء میں کہا گیا کہ علاقہ میں ایک عام خیال ہے کہ وائسی سوات نے... نواب دیر کے ساتھ ایک خفیہ معاہدہ کر لیا ہے کہ وہ دونوں افغان حکومت سے ملی بھگت کر کے پاکستان پر حملہ کر دیں۔ لیکن جہاں تک والی صاحب کا تعلق ہے تو وہ پاکستان کے وفادار رہے ہیں اور اُس کے لئے کسی قسم کے مسائل پیدا کرنے سے ہمیشہ احتراز کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے پاکستانی حکومت کے خدشات کے جواب میں ملاکنڈ میں پلٹھنکل ایجنٹ کو واضح طور پر بیان دیا کہ جیسا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میری ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ حکومت پاکستان سے تعاون کرتا رہوں اور اس کی مدد کرتا رہوں نہ کہ اُس کے لئے مشکلات پیدا کروں۔ اُس نے نہ صرف یہ کہ سید فرید اللہ شاہ کا شکر یہ ادا کیا کہ وہ اس پر اعتماد کرتا ہے بلکہ اسے اور حکومت پاکستان کو یقین دلایا کہ میں حکومت پاکستان کے لئے کسی قسم کی کوئی مشکل کھڑی کرنے والا آخری آدمی ہوں گا۔ میں یہ بات لکھ کر دیتا ہوں کہ میرا یہی مطلب ہے۔ والی صاحب نے بعض سوائی باشندوں سے ضمانتیں لیں کہ وہ پاکستان کے خلاف کوئی پروپیگنڈہ نہیں کریں گے۔

کمزور داخلی اصلاحات، ہماری شاہانہ ذاتی اخراجات اور کالام پر جائز ناجائز قبضہ سے حکومت پاکستان کا صرف نظر اس بات کا نماز ہے کہ حکومت ان کا کتنا لحاظ کرتی تھی اور یہ کہ باہمی معاملات میں ان کی حیثیت کتنی مستحکم

تھی۔ علاوہ ازیں پاکستانی انتظامیہ نے (جو کہ جدید طرز زندگی کی دلدادہ تھی) انگریزوں کے نقش قدم پر چلنے ہوئے سوات کی ترقی پسند حکومت کی دیگر پس ماندہ ریاستوں کے مقابلہ میں زیادہ حمایت و تائید برقرار رکھی۔ مہینہ مارچ 1969ء میں ایوب خان کی حکومت سے دست برداری کے بعد تعلقات اسنے دوستانہ نہیں رہے اور فوج کے اقتدار میں آنے کے بعد کچھ پاکستانی حکام نے (جن کے سوات کے حکمرانوں سے ذاتی عداوہ والے تعلقات تھے) سوات کے پاکستان کے ساتھ تعلقات کی بیج کو بالکل بدل ڈالا۔

## انتظام و انصرام

ریاست سوات بہت سی چیزوں کے لئے پہلے برطانوی اور بعد میں پاکستانی حکومت پر انحصار کرتی تھی۔ جیسے کرنسی، ڈاک و تار، خادجہ امور اور بجلی۔ تاہم داخلی طور پر یہ خود مختار تھی۔ اس کے اپنے قوانین تھے، اپنا نظام انصاف، اپنی فوج، پولیس، انتظامیہ، بجٹ اور نظام محصولات تھا۔ حتیٰ کہ اپنا مجنڈا تھا: ہر سے پس منظر میں ایک شیر اقلند۔ ریاست سوات ہندوستانی ریاستوں میں سب سے نوخیز تھی۔ یہ شاید دنیا کی واحد ایسی حکومتی مشین تھی جو کانڈ کے فالتو استعمال کے بغیر چل رہی تھی۔ حالاں کہ اس انتظامی نظام کا بانی اس کا پہلا حکمران عبدالجبار شاہ تھا (جسے اس کے بعد میں آنے والوں نے ترقی دی) لیکن یہ کتاب میاں گل عبدالودود اور میاں گل جہان زیب کے اوپر حکومت (1917ء تا 1969ء) میں روپ عمل حکم حکومت سے متعلق ہے۔ جب یہ ہے کہ عبدالجبار شاہ کے عہد (1915ء تا 1917ء) کے انتظام حکومت کے بارے میں تفصیلی معلومات موجود نہیں ہیں۔

### سول انتظامیہ

اس ریاست کی بنیاد ایک محدود مائٹمن کے جرگہ نے رکھی جسے حکمرانوں کے تقرر اور برطانی کا اختیار حاصل تھا۔ جرگہ نے عبدالجبار شاہ کے تقرر اور برطانی اور اسی طرح میاں گل عبدالودود کے تقرر میں اپنے اس اختیار کو استعمال کیا۔ تاہم میاں گل عبدالودود نے رفتہ رفتہ ایک مطلق العنان حکمران کی حیثیت اختیار کر لی اور پھر اسے موروثی طرز حکمرانی میں بدل ڈالا۔

اس انتظامی ڈھانچہ میں چوٹی پر حکمران اور سب سے نیچے تحصیل دار ہوتے تھے۔ حکمران منتظم اعلیٰ ہوتا تھا بلکہ حقیقت میں وہی سب محکموں کا سربراہ تھا۔ ضمنی شاہد المائق جس پر 1954ء میں وائی نے دستخط کئے تھے اور حکومت سوات (مہوری آئین) ایکٹ 1954ء دونوں کے مطابق حکمران ایک مشاورتی کونسل بنانے کا پابند تھا، جس کے

پندرہ اراکان منتخب اور دس عسکران کے عاجز کر دئے تھے لیکن بہاولپور، خیرپور، اور بلوچستان کی ریاستوں کی طرح یہاں کسی وزیر اعلیٰ کو نہیں تھوپا گیا۔<sup>1</sup> والی خود ہی اس کے اپنے الفاظ میں کونسل کا صدر، وزیر اعلیٰ اور عسکران تھا۔ میاں گل جہاں زیب کہتے ہیں۔

”در حقیقت ان کے قائم کردہ اس نظام سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ اس کونسل کے پاس کوئی طاقت نہیں تھی۔ میں انیس سال میں دو پارٹیز کر رہا اور انیس سال تک کیا کر رہا ہے۔ ان میں سے بعض کو تھوڑا بڑھوٹا کرتے جن کی اہمیت صرف ان کے گاؤں کے لئے ہوتی۔ میں آپ عموماً انداز میں کہتا ٹھیک ہے یہ میں کروں گا اور ان سے ہمیشہ کیا کرنا کہ انہیں ریاست کے اہتمامی مفاد اور ضرورت کے لئے کیا ضرورت ہے۔ جب کہ دوسرے ہمیشہ میری تعریف کرتے آپ سب کو خود ہی تو کرتے ہیں ہمیں مشورہ دینے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر جن میں میں بجنٹ پیش کر رہا اور ان کے ساتھ اس پر تبادلہ خیال کرتا۔“

1954ء سے قبل تو یہ کچھ پہلی مشاورتی کونسل بھی موجود نہیں تھی اور عسکران کی من مرضی ہی سب کچھ تھی۔ مثلاً تو ضمنی مشاہدہ اہل حق کے بعد بھی اس کے اختیارات اور حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ شروع میں عسکران کے لئے عام لوگوں کے مفاد کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں تھا، اس لئے کہ حکومت کے لئے اسے ان لوگوں پر انحصار کرنا پڑتا تھا جن کی مدد سے اسے اقتدار ملا تھا لیکن رفتہ رفتہ میاں گل عبدالودود کے عہد میں حکومت نے عملی ہادشاہت کی شکل اختیار کر لی، جس میں عسکران کی مرضی ہی قانون تھی۔ اس کے اختیارات اور طاقت لامحدود تھی اور اہل طاقتوں کے نفسی ہادشاہ کی طرح وہ خود ہر ضابطہ اور قانون سے مرافقا۔ وہ جرموں کے بنائے ہوئے مروج قوانین کو ختم کر سکتا تھا اور ان کی جگہ اپنے قوانین لاسکتا تھا۔ وہ بڑے چھوٹے ہر قسم کے حکام کا تفرقہ اور برطرفی کر سکتا تھا۔ ریاستی ملازمین صرف اس کے سامنے جواب دہ تھے۔ ریاست میں اس کے اختیارات کا مواخذہ نہیں ہو سکتا تھا اور 1954ء تک وہ پاکستانی حکام کی طرف سے اس پر مسلط کی گئی مشاورتی کونسل کے سامنے بھی جواب دہ نہیں تھا۔ ریاست کے اندر ہر معاملہ میں اس کا فیصلہ حتمی ہوتا تھا۔

مثال کے طور پر والی کا ایک فرمان یہ تھا کہ اس کی اجازت کے بغیر اسٹامپ پیپر (جائیداد کی ٹین دین دین والی قانونی دستاویز) کو ضبط نہیں کیا جاسکتا تھا۔ کوئی مقدمہ جس کا فیصلہ شرعی قوانین کے تحت کیا گیا ہو، سزا پر نظر ثانی یا خاتمہ کے لئے اس کی اجازت کے بغیر کسی اور قاضی کے سامنے پیش نہیں کیا جاسکتا تھا۔ کوئی افسر اس کے حکم کے برعکس حکم نہیں دے سکتا تھا۔ مزید یہ کہ اس کے کسی حکم کو اس کی اجازت کے بغیر ختم نہیں کیا جاسکتا تھا۔ خلاف ورزی کرنے والے کی نوکری ختم کی جاسکتی تھی۔

سات کو ایک عمل مطلق العنان ریاست میں تبدیل کرنے کے بعد عسکرانوں نے مرکزیت پر مبنی نظام ریاست کو برقرار رکھا۔ درجہ بہ درجہ اختیار و اقتدار کا کوئی مقامی نظام تشکیل دینے میں کوئی دل چسپی نہیں لی۔ مسلسل نیلی

فون والوں کے ذریعے وہ کسی علاقہ میں تعینات افسروں کے درمیان خلقت کے توازن کو برقرار رکھتے تھے۔ جب کہ تو کوئی ایسا ادارہ تھا اور نہ فرد جو حکمران کے اختیار کو متوازن رکھنے یا محدود کرنے میں کسی قسم کا کوئی کردار ادا کر سکے۔ اکبر ایس احساس کا مشاہدہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

”دیگر مشرقی مطلق العنان آمرانوں سے اس کا عمل ماکم و مقوم کی نصرت کے تاثر میں کیا جا سکتا ہے۔ سوئی عدالتوں میں اور مغربی دور کی عدالتوں والی قواعد و اصول کی رنگی باندھی اور جوائی مٹائی سے دور کی کا مقام بھی حاصل نہ ہو۔ ان افسانہ بادشاہ صاحب کی حد تک لاجبائی تحریک کا عمل رسائی اور بہت نکھڑانے والی شخصیت تھی۔“

یاد رہے کہ سوئی معاشرہ ہندوستان اور ایران کے دیگر معاشروں سے مختلف تھا۔ سوات کی ریاست اور معاشرہ کی تشکیل ایک تازہ واردات تھی۔ سوات کے باپا صاحب کی بے حد متحرک، کاہل رسائی اور برجہ نظر نے والی شخصیت کے پیچھے دراصل اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل یکساں سوئی معاشرہ میں انہیں اپنی جگہ کا سوال درپیش تھا۔ جیسے جیسے ان کی پوزیشن مستحکم ہوتی گئی، ویسے ویسے برجہ پنپنے کی ان کی عادت میں کمی آتی گئی۔ سوات کی یکساں خصوصیت اور اس کی سیاسی قیادت ہی نے حاکم اور رعایا کے درمیان تعلق کو ایک خاص روپ دیا تھا۔

عبدالودود کے عہد میں گوشوہ میں تو ایسا کوئی انتظام نہیں تھا لیکن بعد میں برطانوی حکومت سے خط و کتابت کی ذمہ داری ایک سیکرٹری کو سونپ دی گئی۔ اس کے علاوہ بھی حکمران کی جانب سے جو کام اس کے حوالے کیا جاتا وہ اسے سرانجام دیتا۔ بعد میں حکمران کی طرف سے ایک چیف سیکرٹری اور پرائیویٹ سیکرٹری کا تقرر ہوا۔ چیف سیکرٹری پہلے برطانوی حکومت اور بعد میں حکومت پاکستان سے رابطے استوار رکھتا اور دیگر معاملات بھی دیکھتا جو اس کے حوالے کئے جاتے۔ پرائیویٹ سیکرٹری حکمران کی ذاتی خط و کتابت کا کام سنبھالتا اور مزید جو بھی اُسے کرنے کو کہا جاتا۔

جہاں زریب کے عہد میں ڈپٹی سیکرٹری اور اسسٹنٹ سیکرٹری مع افسر اطلاعات کے نئے عہدے بنائے گئے۔ ان کا کام پرائیویٹ سیکرٹری کو کئی خط و کتابت سنبھالنے، تعلیم، صحت اور ذاتی ملکیت سوات ہونٹل کے معاملات میں مدد فراہم کرنا تھی۔ مزید برآں ان سب کے ذریعہ حکمران گاڑیوں کو انسپشن کے اجراء اور جسریشن کرنے والے اداروں کی نگرانی بھی کرتا۔ حکمران شعبہ اطلاعات پر اسسٹنٹ سیکرٹری مع افسر اطلاعات کے ذریعہ نظر رکھتا۔ چیف سیکرٹری کی مدد کے لئے بھی اس کے دفتر میں ایک نائب سیکرٹری کا تقرر کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ سیکرٹریٹ میں گلہ انصاف کا ایک سربراہ ہوتا تھا۔ شروع میں یہ عہدہ حاکم اعلیٰ پھر حاکم اعلیٰ دفتر حضور، بعد میں اس کو شیر کے عہدہ پر ترقی دے دی گئی۔

حزب کی بات یہ ہے کہ تجزیہ کا کوئی باقاعدہ خفیہ ادارہ موجود نہیں تھا۔ اس کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی

لیکن عبدالودود اور جہان زیب کے کچھ بھڑے بہر حال تھے، جن کی بااعوم نہ تو شہرت اچھی تھی اور نہ ہی خاص ملتوں تک ان کو کوئی رسائی حاصل تھی۔

بادشاہت کا تم ہونے کے بعد ایک ولی عہد مقرر کیا گیا۔ 1923ء میں اُس نے اپنے بڑے بیٹے جہان زیب کو ولی عہد مقرر کیا۔ جب 1949ء میں جہان زیب والی بنا تو اُس نے اپنے بڑے بیٹے میاں گل اورنگ زیب کو ولی عہد مقرر کیا۔

ولی عہد عکران کی غیر موجودگی میں اُس کے فرائض سرانجام دیتا۔ ریاست میں اُس کی حیثیت عکران کے نائب کی سی تھی۔ اُسے انتظامی امور کا تجربہ دلانے کے لئے نیک پلی ٹیل اور شوزئی علاقہ کے انتظامی معاملات سپرد کر دیئے گئے۔ دارالحکومت میں اُس کا علاحدہ دفتر اور محلہ تھا، جہاں وہ اپنے دائرہ اختیار میں لوگوں کی دادرسی کرتا اور مختلف تحصیل دار یا حاکم کے فیصلوں کے خلاف اپیلوں کی سماعت کرتا۔ حتیٰ فیصلہ کا اختیار اُسے حاصل نہیں تھا۔ اُس کے فیصلوں کے خلاف اپیل کرنے کا حق ہر فریق کو حاصل تھا۔ حتیٰ فیصلہ عکران ہی کا ہوتا تھا۔ کسی سرکاری ملازم کو برطرف کرنے کا اختیار بھی اُسے حاصل نہیں تھا۔ ایسا صرف اس صورت میں کر سکتا تھا جب وہ عکران کی غیر موجودگی میں اُس کے فرائض منصبی انجام دے رہا ہوتا۔ اس سلسلہ میں سوات زیریں کے شیر تاج محمد خان زیب سرکی مثال موجود ہے۔ اُسے کسی کے تقرر کا اختیار حاصل نہیں تھا۔ موجودہ مصلوات کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ عکران اور ولی عہد کے درمیان امور مملکت چلانے کے سلسلہ میں تعلقات کبھی اچھے نہ رہے۔ میاں گل اورنگ زیب یوں تو ان افواہوں کی تردید کرتے ہیں اور اپنے معاملہ میں وہ کہتے ہیں: نہیں نہیں، یہ سچ نہیں ہے، لیکن ان کی اس بات سے اس خیال کو تقویت بھی ملتی ہے کہ اختلاف رائے تو بہر حال ہوتا ہی ہے۔

## انتظامی حکام

نظام حکومت سنبھالنے کے بعد عبدالودود نے حضرت علی کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ ابتدائی طور پر ان مرکزی حکام میں سب سے اعلیٰ مرتبہ حضرت علی (وزیر) اور سپہ سالار (کمانڈر این چیف) احمد علی (حضرت علی کے بھائی) کا تھا۔ 1940ء میں اُس وقت حضرت علی کو وزیر اعظم اور احمد علی کو وزیر بنا دیا گیا جب کہ کمانڈر این چیف کا عہدہ ولی عہد کو سونپا گیا۔

1943ء میں وزیر برادران کے استعفیوں کے بعد وزیر اعظم کا عہدہ ختم کر دیا گیا اور نبی اسامیاں اور عبد —  
بتائے گئے جو یہ تھے۔ وزیر ملک (وزیر مملکت)، وزیر مال (وزیر خزانہ) اور سپہ سالار۔ یہ حکام ریاست کے انتظامی

اسور میں بھکران کی مدد کرتے تھے اور یہ اپنے اپنے نکلوس کے سربراہ تھے۔ انہیں مختلف سب ڈویژنوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی سونپی گئی تھی اور یہ اپنے متعلقہ انتظامی ملاکوں کے انچارج ہوتے تھے تاکہ انتظامی امور کو جلدی اور اچھی طرح سے نٹایا جاسکے۔

انتظامی عہدے مستقل نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کا دار و مدار بھکران کی سوابدیت پر تھا۔ اور وہ مسلسل ان میں تبدیلیاں کرتا رہتا تھا۔ مثال کے طور پر میاں گل جہان زریب نے

”مشیر ملک (انتظامی مشیر) اور مشیر مال (مشیر مالیات) کے عہدے کاٹے۔ بھران آفس کو پانچویں ڈویژن ملک (وزیر مملکت) اور وزیر مال (وزیر خزانہ) کے عہدوں سے دہیے۔ بھران میں پہلے کوٹخ کے تین ماہر مشیر مقرر کئے گئے۔ کچھ عرصہ تک یہ عہدے برقرار رہے۔ بھران کی جگہ ڈویژن نے لی۔ ان کے علاوہ 1957ء میں دہلی کی مد کے لئے دو نائب وزیر (ذہنی مشیر) مقرر ہوئے۔“

1960ء کے ایک شاعری فرمان پر دو نائب وزیروں، سپہ سالار اور وزیر ملک کے دستخط موجود ہیں، جو کہ ریاست کے سرکاری ریکارڈ کا حصہ ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ کوئی وزیر ایک دن میں دو سے زیادہ معاملات میرے سامنے پیش نہیں کرے گا۔ حکم عدولی کی صورت میں اگر میں اسے جرمات کروں تو وہ اسے بہت زیادہ محسوس نہیں کرے گا۔

1966ء میں ایک نئے وزیر یعنی وزیر صنعتان، تین مشیروں اور وزیر مال اور وزیر ملک کا ذکر ہے۔ ان کے

دائرہ اختیار میں آنے والے علاقے مندرجہ ذیل ہیں۔

- 1 وزیر صنعتان: حاکی پٹیکس، حاکی پورن۔
- 2 وزیر مال: چارباغ، برکت
- 3 وزیر ملک: حاکی بکرین، حاکی بجن۔
- 4 محمد مجید خان مشیر: اکاسرواف، ہائی ٹیل، بنگلی خیل، مزی خیل، فتح پور، شونڈی۔
- 5 کشور خان مشیر: حاکی سوات، بالا، حاکی انہورٹی۔
- 6 تاج محمد خان مشیر: حاکی بوئیر، طوطا خانی، ہائی ٹیل، نارت خیل۔

59-1958ء میں اعلیٰ عہدوں پر یہ حتمکن تھے: وزیر ملک، سپہ سالار، وزیر مال اور دو نائب وزیر (ایک سینئر

نائب وزیر اور دوسرا جونیئر نائب وزیر کہلاتا تھا)۔ ان کے دائرہ اختیار میں آنے والے علاقے درج ذیل ہیں۔

- 1 وزیر ملک: برکت، بوئیر، جگ شونڈی، کرنگ، کدیا بنگلی خیل، بجن، رانولیا، سیوا، شونڈی کی تحصیلیں۔
- 2 سپہ سالار: سوات، بالا، بیٹام، پٹیکس، مادرتو محمد، بکرین کی تحصیلیں۔
- 3 سینئر نائب وزیر: ہلز، ہلز، چارباغ، ڈاکر، گرجی، گاگرہ، اور سلازنی کی تحصیلیں۔
- 4 جونیئر نائب وزیر: انہورٹی، بکرین، کاکام، کاکرا، انڈر ٹریل، لیلاوتی، مدین، فتح پور، سیدو شریف اور طوطا خانی۔

وزیر مال کے دائرہ اختیار کے علاقوں کا کوئی ذکر موجود نہیں۔

ضلعی محافظ خانہ میں اُس دور کے محفوظ رجسٹروں میں مندرجہ ذیل اسٹامپ موجود ہیں۔ بانی ریاست سوات :  
عمران ریاست سوات : ذوقی مہد ریاست سوات : فاتح الملک خان بہادر وزیر اعظم ریاست سوات : وزیر ملک ریاست  
سوات : وزیر مال ریاست سوات : سپہ سالار ریاست سوات : وزیر متعلقان ریاست سوات : نائب وزیر ریاست سوات :  
مشیر ملک ریاست سوات : مشیر مال ریاست سوات : نائب سالار ریاست سوات : مشیر ریاست سوات : مشیر سوات :  
مشیر برسات : مشیر کوز سوات : نائب مشیر ریاست سوات : نائب مشیر دفتر بزبانی نس عمران سوات : نائب مشیر باہو زنی  
سوات : حاکم اعلیٰ دفتر حضور : حاکم اعلیٰ تحصیل باہو زنی : حاکم کوز سوات : حاکم اعلیٰ کمل نیک پل خیل۔

بعض اوقات ایک ہی شخص کے مختلف القاب والے اسٹامپوں پر دستخط ہوتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ  
ذمہ داریاں اور القاب مسلسل بدلتے رہتے تھے۔ حکام کی تعداد موجود اسٹامپوں سے کہیں کم تھی۔ جس سے معلوم ہوتا  
ہے کہ مستقل مہد نہیں ہوتے تھے بلکہ ہر چیز کا دارہ اور عمران کی خواہش اور ترنگ پر تھا۔

ریاست کے اعلیٰ مناصب پر قانز حکام کو ریاست کے مختلف علاقے سونپے گئے تھے۔ ان سب کے دفاتر  
پدر شریف میں تھے اور یہ سب عمران اور ذوقی مہد کے ماتحت تھے لیکن دوسرے عمران کے آگے جواب دہ تھے۔ ان  
ابتدائی اور مراد دائرہ اختیار عمران کے ماتحت تھا۔

## انتظامی تقسیم

عبدالودود کے دور حکومت کے شروع میں سوات انتظامی لحاظ سے پانچ اضلاع میں تقسیم تھا (جنہیں حاکی کہا  
جاتا تھا) اور ہر ضلع ایک حاکم کے ماتحت تھا۔ ریاست میں 25 تحصیلیں تھیں اور ہر تحصیل تحصیل دار کے ماتحت ہوتا  
تھا۔ یہ انتظامی تقسیم بالعموم قبائلی بنیادوں پر تھی اور اسے مرکز سے حاکیوں اور تحصیل داروں کے ذریعے چلایا جاتا تھا۔  
حاکیوں کی تعداد سات، آٹھ، نو، دس اور گیارہ بتائی گئی ہے۔ جب کہ تحصیلوں کی تعداد عمران کے ایک فرمان کے  
مطابق 30 بتائی گئی ہے۔ تاہم مختلف مصنفوں نے اسے 33، 35 اور 32 بھی بتایا ہے۔

تحصیل کا حاکم اعلیٰ یا تو تحصیل دار ہوتا تھا یا حاکم۔ ریاست کی سب سے چھوٹی کاٹی تحصیل ہوتی تھی اور تحصیل  
دار اس کا انتظامی معہد اعلیٰ مع عمل درآہ کا ضامن اور افسر مالیات ہوتا تھا۔ حاکی ایک بڑی ذاتی ہوتی تھی اور حاکم  
ن کا انتظامی معہد اعلیٰ مع عمل درآہ کا ضامن اور افسر مالیات ہوتا تھا۔ حاکم کاربہ تحصیل دار سے بڑا ہوتا تھا۔

دستِ اربہ تحصیل جیسے کمل پ تحصیل دار کی جگہ حاکم کا تقرر کیا جاتا تھا۔ اس صورت میں اُس تحصیل کو حاکی کہا



جاتا تھا۔ یا اُسے کسی چھوٹی تحصیل میں تعینات کر دیا جاتا جہاں کا وہ انچارج ہوتا اور اُس کی حاکمی میں شامل دیکھ۔  
 تحصیلوں اور تحصیل داروں کے لئے دو ترقی پزیر ترین افسرانہی کے فرائض سرانجام دیتا۔ ایسا حال جس کے دائرہ اختیار  
 میں ایک سے زیادہ تحصیلیں ہوتی تھیں تو وہاں دو اُن تحصیل داروں کے فیصلوں کے خلاف اپیلوں کی سماعت بھی کرتا جو  
 اُس کے دائرہ اختیار میں آتے تھے۔

حاکم اعلیٰ دفتر حضور کا حوالہ بھی ملتا ہے۔ دو سرگرمی نیکر ٹریٹ میں غلط عمل کا سربراہ ہوتا تھا۔ دانی نے یہ  
 فرماں کے مطابق سیف السلوک حاکم اعلیٰ کا تقرر کر کے (جو کہ حاکم اعلیٰ دفتر حضور تھا) اُن چو افسران میں شامل کیا یہ  
 جو کہ دانی کی غیر موجودگی میں مقدمات کا فیصلہ کر سکتے تھے۔ ایسے ہی حوالے حاکم اعلیٰ یا ہونڈی اور حاکم اعلیٰ کیل ایک  
 پٹی خیل کے بارے میں بھی ملتے ہیں۔ تمام دیگر حکام کی طرح تحصیل دار اور حاکم کا تقرر بھی عکمران کرتا تھا۔ دوسرے  
 اُس کے سامنے جواب دہ تھے اور عکمران کی تائید و مرضی پر اُن کے عہدوں کا دار و مدار تھا اور اکثر اُن کا تدارک ہوتا رہتا  
 تھا۔

عکمران ہی کی طرح تحصیل دار اور حاکم کی اپنے دائرہ اختیار میں مختلف النوع ذمہ داریاں تھیں۔ انتظامی،  
 عدالتی اور مالی قسم کے امور انہیں سنبھالنے پڑتے تھے۔ ان کے فرائض منصبی میں یہ شامل تھا کہ وہ عکمران اور دیگر حکام ہاٹا  
 سے فرامین پر عمل عمل درآمد کو یقینی بنائیں۔ قوانین کی پاسداری کرائیں اور عکمران خاندان کے خلاف کسی سرگرمی یا  
 سازش کا بروقت سدباب کریں۔ وہ اپنے دائرہ اختیار میں لوگوں کے دیوانی اور فوجداری دونوں قسم کے مقدمات سننے  
 کے مجاز تھے۔ وہ ریاستی محصولات جیسے عشر جمع کرنے کا کام بذریعہ بیلائی کسی کو تقرر دیتے کرتے۔ پھر اس بات کو یقینی  
 بناتے کہ عشر کو صحیح طریقے سے جمع کیا گیا ہے اور اُس کی پوری صحیح مقدار ریاست کے خزانہ میں جمع کر دی گئی ہے۔ اس  
 طرح اپنے دائرہ اختیار میں شامل سرکاری ملازمین جیسے اساتذہ، ڈاکٹروں اور فوجیوں کو تنخواہیں دیتے اور آمدنی اور  
 ادائیگیوں کا حساب کتاب رکھتے۔

دو ذریعہ تعمیر سرکاری کاموں و منصوبوں جیسے پلوں اور سرکاری عمارتوں کا معائنہ کرتے۔ اگر وہ جگہ تحصیل بینہ  
 کارڈ سے دو میل تک کے فاصلہ پر ہوتی تو اُن پر اُس کا روزانہ معائنہ لازم تھا۔ اگر پانچ میل تک کا فاصلہ ہوتا تو ہفت  
 وار معائنہ اُن پر لازم تھا تا کہ اس بات کو یقینی بنایا جاسکے کہ کام صحیح طریقہ سے ہو رہا ہے۔ کسی قسم کے نقص اور خرابی کا ذمہ  
 دار تحصیل دار اور حاکم، نائب سالار اور ناخو و کپتان ہوتا تھا۔ جائیداد کے لین دین کے کاغذات اور نکاح ناموں پر  
 دیکھنا کہ اور اُن کا ریکارڈ رکھنا بھی اُن کے فرائض میں شامل تھا۔ عکمران کے فرامین کی تعمیل اُن پر ہرگز نہیں لازمی تھی۔

انتظامی عہدوں کے لئے بالعموم مشہور، بااثر اور دکھدار خاندانوں کے افراد کو چنا جاتا تھا کہ عام لوگ اُن کی  
 عزت کریں۔ دانی کے اپنے الفاظ میں یہ سارے عہدے سیاسی نوعیت کے تھے اس لئے اُن تقرر یوں میں سیاسی

حوالہ کو نظر رکھنا لازم تھا۔ عکراں کی جانب سے برطرف کئے جانے کا خطرہ ہر وقت اُن پر منڈلاتا رہتا تھا۔ اس بات کا دعویٰ کیا جاتا ہے کہ تحصیل دار اور حاکم رشوت لینے یا منسوختہ تحائف قبول کرنے یا کسی جرم کے الزام میں برطرف کر دیئے جاتے ہیں۔ بہر صورت رشوت ستانی عام تھی، جس کا خوردہ والی کو بھی قسم تھا۔ جس کا خود اُس نے بھی اعتراف کیا ہے بشرطیہ کہ آدی بین السطور میں موجود حقیقت پر زور ملتا ہو۔

1960ء سے قبل سرکاری ملازمین کو کسی قسم کا صلہ خدمات یا پنشن وغیرہ نہیں ملتی تھی لیکن جون 1960ء میں اعلان کیا گیا کہ آئندہ آئٹم سے سرکاری ملازمین کو یہ سہولت دے دی جائے گی۔ چند سال تک ملازمت کرنے والے اس اسکیم سے مستفید ہونے کے حق دار ہوں گے۔ انہیں ہر سال پرایک بنیادی تنخواہ کے مساوی رقم دی جائے گی لیکن اس ضمن میں دی جانے والی رقم 20 مہینوں کی بنیادی تنخواہ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ وہ لوگ جو چند سال ملازمت کے باوجود اس کے حق دار نہیں ہوں گے اُن کے نام بھی دیئے ہوئے ہیں۔

## جیل

ریاست میں سید و شریف کے مقام پر ایک مرکزی جیل تھی اور ہر تحصیل، قلعہ اور قحانہ میں بھی ایک جیل ہوتی تھی۔ جیلوں کے حالات بدترین ہوتے تھے۔ ظرمان کے ساتھ انتہائی برا سلوک ہوتا۔ خوراک کم مقدار اور کم معیار جب کہ غسل خانہ کی سہولت نہ ہونے کے برابر تھی۔ ابتدائی زمانے میں قیدیوں کے ساتھ ایک انتہائی غیر انسانی سلوک یہ بھی کیا جاتا کہ اُن کا ایک پاؤں کسی بڑی گلڑی میں سوراخ کر کے اُس میں بند کر دیا جاتا۔ زیادہ سخت مجرموں اور اسی طرح سیاسی مجرموں کے دونوں پاؤں میں بیڑیاں ڈال جاتیں۔ اسے ٹوٹا نہ کہا جاتا۔

ایک بار جیل معائنہ کے دوران نیک پی نیشنل شاؤ ڈھیرٹی کے ایک قیدی قاضی مرتضیٰ نے جیل کے برے حالات اور خراب خوراک کے بارے میں والی سے شکایت کی جرأت کی۔ والی نے اُسے بری طرح مارا جیسا لیکن بعد میں کسی حد تک ان شکایات کا ازالہ کر دیا گیا۔ 1966ء میں گلڑی کے علی حیدر نے جیل کی خوراک کے بدترین معیار، غسل خانوں، ٹائلٹ اور صحت سے متعلق سہولتوں کی کمی کے بارے میں جیل سے خط لکھا۔ اس کے بعد حالات کو بہتر بنانے کے سلسلہ میں تھوڑی بہت کوشش کی گئی۔ قحانہ اور قلعہ جیلوں میں قیدی ملزموں کی خوراک کا انتظام اُن لوگوں کو کرنا پڑتا تھا جن کی شکایت پر انہیں قید کیا گیا تھا۔

مجرموں سے جیل کے باہر جسمانی مشقت کرائی جاتی تھی، لیکن مراعات یافتہ خاندانوں کے افراد سے صرف اسپتالوں یا سرکاری جگہوں کی مفتائی سہولتوں کا کام لیا جاتا تھا جب کہ عام مجرموں سے چھڑھوٹے جیسا سخت کام لیا جاتا

تھایا ان سے پھروں کی کان کنی کرائی جاتی۔ میاں گل جہاں زیب نے سید شریف میں ٹیل کی ایک نئی مہارت بنوائی اور کچھ اصلاحات متعارف کرائے۔ یہ فرمان جاری کیا گیا کہ قیدی کو ایک ہفتے سے زیادہ قہانہ میں نہیں رکھا جاسکتا تھا اور جسے ایک ہفتے سے زیادہ قید کی سزا ہو جاتی اُسے مرکزی ٹیل منتقل کرنا لازمی تھا۔ نومبر 1964ء کے بعد سے قیدیوں کو بحرانی ذقید (تخفیف قید) کے نام سے 40 روپے ماہانہ دیئے جاتے تھے۔

## فوجی انتظامیہ

کسی ریاست کے دفاع اور استحکام کے لئے فوج کا ہونا ضروری ہے۔ ریاست سوات اس ضرورت سے مستثنیٰ نہیں تھی۔ گردو پیش میں دشمنوں اور اندرون خانہ مضبوط ناراض عناصر کی وجہ سے ریاست سوات کی صورت حال اس ضمن میں زیادہ نازک تھی۔ اس کے لئے اچھی فوج رکھنا لازماً تھا۔

ریاست سوات کی تشکیل کا فوری سبب نواب دیر کی ظالمانہ حکمرانی سے نجات حاصل کرنے کی شدہ خواہش تھی۔ بیرونی دشمنوں کے ہتھیاروں کی توڑ کرنے اور داخلی ناراض عناصر کو قابو میں رکھنے کے لئے ایک بڑی مضبوط فوج کی تشکیل ضروری تھی۔ رواجی قسم کے لشکر ایک منظم مضبوط فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم اُس وقت کی فوری ضروریات پوری کرنے کے لئے ریاستی فوج کے ساتھ ساتھ اس رواجی نظام کو بھی جاری رکھا گیا۔ آخری داخلی سوات نے اس سلسلہ میں کہا۔

”دیر اور سب سے جنگوں کے لئے لوگوں کے لشکر بٹا اور اُس کے ساتھ ساتھ مشرہ اور ضروری تھا کہ۔ ریاست اور اسی کی ملیٹیا کی مدد کی جاسکے۔ زمین کے ہر دو حصوں کے بدل میں آپس اپنے خان کی قیادت میں لڑنے کے لئے ایک سب آؤں میا کر رہتا تھا۔ جب وہ جنگ کے لئے کسی لشکر کا حصہ بناتا تو اسے ٹوراک اور کاتو سوں کے اثرات خود پرہے کرنے پڑتے۔ جب لشکر حرکت میں نہ ہوتا تو وہ خان یا ملک کے رحم و کرم پر ہوتا۔ اس لئے میرے باپ نے اس حکام کو ختم کر کے ملیٹیا کی تعداد میں اضافہ کا فیصلہ کیا۔ یہ ایک قسم کا پیراچری مشقت تھی۔ جب لوگوں میں درجی اور جنگی ختم ہوئی تو وہ لشکروں میں شامل ہونے سے سزوانے لگے۔ پیراچری تھا کہ ان افراد کا اختیار ریاست کی جگہ ملک کے پاس ہوتا تھا۔“

اسی لئے آہستہ آہستہ لشکر کا نظام ترک کر کے فوج کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔

## تنظیمی ڈھانچہ

سلخ انواج کا سالار اعظم تو عسکران خود ہوتا تھا لیکن انواج کی فوری کمان سپہ سالار کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ اُسے عدالتی اور انتظامی فرمائشوں سے بھی عہدہ برآ ہوتا ہوتا تھا۔ اقدار میں آنے کے فوراً بعد تو عبدالودود نے اپنے نانی

شیرین جان کو سپہ سالار بنایا لیکن 1918ء میں اُس کی موت کے بعد شہری اور فوجی انتظامیہ دونوں کا سربراہ وزیر حضرت علی کو بنایا گیا۔ پھر فوجی انتظامیہ کی از سر نو تنظیم اور اصلاح کے مد نظر وزیر کے بھائی احمد علی کو سپہ سالار مقرر کیا گیا۔

سلخ افواج کی تنظیم یوں کی گئی تھی۔ ہر پندرہ سپاہیوں کے اوپر ایک افسر ہوتا تھا جسے جعدار کہتے تھے۔ پانچ جعداروں کے اوپر ایک صوبیدار ہوتا تھا۔ 5 صوبیدار ایک صوبیدار-بجبر کے ماتحت ہوتے تھے۔ دو صوبیدار-بجبروں کے اوپر ایک کپتان ہوتا تھا۔ 1957ء سے پہلے کپتان کو کمان افسر کہا جاتا تھا۔ ہر چودہ فوجیوں کے اوپر ایک حوالدار بھی ہوتا تھا جو جعدار کے ماتحت ہوتا۔ ان کے بعد دو نائب سالار اور ایک سپہ سالار ہوتا جس کی حیثیت ایک وزیر دفاع اور کمانڈر ان چیف جیسی ہوتی۔ یہ سب کے سب عسکران کے ماتحت ہوتے تھے جس کی حیثیت ایک سالار اعظم کی تھی اور صرف وہ افواج کو جو کس ہونے کا حکم دے سکتا تھا۔

سپاہی سے لے کر سپہ سالار تک ترقی اور برطرفی کا اختیار صرف عسکران کے پاس تھا۔ اس کا انحصار اُس کی صوابدہ پر تھا۔ 1958ء میں سلطان ہوا کہ جس کسی نے اپنے موجودہ عہدہ میں دو سال نہ گزارے ہوں اُسے ترقی کے لئے عسکران کے پاس پیش نہ کیا جائے۔ عبدالغفور قاسمی کا کہنا ہے کہ ہر پلانوں میں آٹھ سو سپاہی، چالیس حوالدار، چالیس جعدار، آٹھ صوبیدار اور دو صوبیدار-بجبر ہوتے تھے۔ پلانوں کا سب سے اعلیٰ افسر کمان افسر (کمانڈنگ افسر) کہلاتا تھا۔ بعد میں اُسے کپتان کہا جانے لگا۔

شروع میں جعدار کے تحت 17 سپاہی ہوتے تھے۔ اُن میں سڑھواں حوالدار ہوتا تھا۔ اور اس اکائی کو سو گئی کہا جاتا تھا۔ بعد میں اس کی تعداد میں کمی کر کے اسے 16 کر دیا گیا۔ سولہواں جعدار اور چند سڑھواں حوالدار ہوتا تھا باقی عام سپاہی ہوتے تھے۔

## سلخ افواج

سلخ افواج میں دو قسم کے فوجی ہوتے تھے۔ ایک باقاعدہ اور ایک ریزرو (آنکھ دیکھی مقصد کے لئے محاذ سے دور رکھی گئی فوج)۔ باقاعدہ فوج کو آجرت ملتی تھی لیکن ریزرو فوجیوں کو کچھ نہیں ملتا تھا، اس وقت بھی جب وہ مثلاً بینک میں شامل ہوتے تھے۔ ان کے اہم ریاست کے پاس لکھے ہوتے تھے اور نامگاہنی کی صورت میں انہیں طلب کیا جاتا تھا۔ ان کی کل تعداد پندرہ سو کے لگ بھگ تھی۔ اُن میں سب سے بڑا افسر صوبیدار ہوتا تھا۔ وہ باقاعدہ فوج کے سپہ سالار کے تحت خدمات انجام دیتے تھے۔ وہی ان کی بھرتی اور ان کے طرز عمل کے قواعد و ضوابط بناتا تھا۔ طلب کے

جانے پر ان کا واحد کام ریاست کے دفاع کے لئے جنگ میں شریک ہونا تھا۔ اپنے لئے اسلحہ اور گولہ بارود خود خریدتے تھے، البتہ انہیں دوران جنگ راشن دیا جاتا تھا۔ نمایاں کارکردگی پر انعام میں انہیں رائل گنٹی تھی اور ہاتھوہ فوج کے برعکس دو جسمانی مشقت سے مستثنیٰ ہوتے تھے۔

شروع میں ہاتھوہ فوج صرف پیادہ اور سوار دستوں پر مشتمل تھی لیکن بعد میں توپ خانہ، مشین گن، ہتھیار، رجمنٹ اور سکران کے لئے ذاتی حفاظتی دستہ کو بھی اس کا حصہ بنا دیا گیا۔ ابتدائی برسوں میں محض سوار دستوں کو اپنی صلاحیت اور سرعۃ الحركت ہونے کی وجہ سے سب سے مؤثر اور اہم سمجھا جاتا تھا۔ اس کو ترقی دینی تھی اور اس کی تعداد میں اتنی جلد اضافہ کیا گیا کہ مہاراجہ کے اقتدار کے دوسرے سال میں ان کی تعداد 700 تک پہنچی گئی۔ جب پڑوسی ریاستوں اور اندرونی مخالفین سے خطرہ کم ہو گیا اور سڑکوں کی حالت بہتر ہوئی تو ان کی اہمیت کم ہوتی چلی گئی۔ شروع میں ان کی تعداد کم کر دی گئی اور پھر آخری دہائی کے عہد میں 1950ء کی دہائی میں انہیں بالکل ختم کر دیا گیا۔

ہاتھوہ فوج میں تین سو فوجیوں پر مشتمل ایک دستہ کو بہار دل کہا جاتا تھا۔ اس دستہ اور عام فوجیوں میں یہ فرق تھا کہ انہیں 303 رائل گنٹی دی جاتی تھی، جب کہ عام فوجیوں کو سوآئی رائل گنٹس دی جاتی تھیں جو زیادہ قابل اعتماد نہیں تھیں۔ توپ خانہ چند بندھنوں، فرسودہ توپوں اور چوڑے دہانے والی چند چھوٹی توپوں پر مشتمل تھا۔ سید شریف میں صرف چند مشین گنیں تھیں اور ان کی حفاظت اور استعمال کے لئے خاص تربیت یافتہ لوگ رکھے گئے تھے۔ ہتھیاروں کی حفاظت کیا جاتا تھا۔ تربیت یافتہ اور تجربہ کار لوگ اس رجمنٹ میں خدمات انجام دیتے تھے۔ یہ مختلف مہموں میں فوج کے ساتھ ہوتے تھے۔

100 یا اس کے قریب افراد پر مشتمل دہائی کے ذاتی حفاظتی دستہ کو اردل حضور کہا جاتا تھا۔ باری باری آدو دستہ بنتے دارڈیوٹی دیتا تھا۔ ان کے اپنے جعدار، صوبیدار اور دو کپتان تھے۔ کپتانوں کی بھی باری باری بنتے دارڈیوٹی ہوتی۔ دور ریاست کے اندر اور باہر دہائی کے سہرا رہتے۔ حضور اردل یا اردل حضور کے فرمائش میں دہائی کی رہائش گاہ اور دفاتر کی حفاظت کرتے بھی تھے۔ ہاتھوہ فوج کے برخلاف انہیں ریاست سے یونیفارم، جوڑے اور پکا ہوا کھانا ملتا تھا۔ چون کہ دہائی کے حفاظتی دستہ میں شمولیت کو اعزاز سمجھا جاتا تھا، اس لئے معزز خاندانوں سے افراد کو اس میں بھرتی کیا جاتا تھا۔

ابتدا میں ریاستی افواج کا کوئی مخصوص یونیفارم نہیں تھا۔ 1940ء میں ولی عہد نے خاکی یونیفارم اور چٹا دھاری چمبل کو یونیفارم بنا دیا۔ بعد میں اسے فائنٹنی کر دیا گیا۔ نومبر 1960ء میں مدیٹھا اور پولیس میں شامل سب پر یہ لازم کر دیا گیا کہ وہ پڑوسی کی مخصوص چال میں چلنا سیکھیں ورنہ انہیں نوکری سے برخواستہ کر دیا جائے گا۔

## مصلح افواج کے فرائض

افواج کا اصل فریضہ تو ریاست کا دفاع کرنا تھا لیکن زمانہ امن میں انہیں صرف روٹیاں توڑنے کی جگہ دیگر کاموں جیسے سڑکوں، اسکولوں اور بیلوں کی تعمیر پر لگا دیا جاتا تھا۔ اس کے پیچھے خیال یہ تھا کہ بے کار بیٹوں کو ان کی سخت جانی میں کمی آجائے گی۔ ان کے لئے یہ عوامی بھلائی کے کام زیادہ مشقت طلب نہیں تھے۔ سال میں صرف دو مہینے انہیں دینے پڑتے تھے۔ یہ ایک وقت انہیں صرف دس دن کام کرنا پڑتا تھا۔ اس طرح انہیں اپنی زمینوں کی دیکھ بھال اور دیگر خانگی کاموں کے لئے بھی پورا وقت مل جاتا تھا اور ان کے گھر والوں کو بھی طویل وقفوں کے لئے ان کی دوری کا غراب نہیں جھیلنا پڑتا تھا۔ علاوہ ازیں انہیں اپنے افسروں کی معیت میں کام کرنے کی وجہ سے نظم و نسق کا سبق یاد رہتا تھا۔

اپنے ایک فرمان میں والی نے عام سپاہیوں اور حوالداروں کو دکان داری کرنے، بیسی چلانے اور تانے چلانے کی اجازت دے دی تھی۔ جمعدار اور اس سے اوپر کے افسران کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں تھی تا کہ ان کا رعب و دبدبہ برقرار رہے۔ وہ ان تمام چیزوں کے مالک ہو سکتے تھے لیکن انہیں خود چلانا نہیں سکتے تھے۔ وہ اجرت پر کسی اور کی خدمات حاصل کر سکتے تھے۔

## تختواہیں اور اجرتیں

ابتداء میں فوج کو تختواہ سال میں دو بار بڑی فصلوں کے موقع پر جنس کی شکل میں ملتی تھی۔ سپاہی کو 14 من بھٹی اور 4 من گندم، حوالدار کو 16 من بھٹی اور 5 من گندم، جمعدار کو 20 من بھٹی اور 6 من گندم، صوبیدار کو 40 من بھٹی اور 10 من گندم، صوبیدار-بجھر کو 80 من بھٹی اور 20 من گندم اور کمان افسر کو 120 من بھٹی اور 30 من گندم بطور تختواہ ملتی تھی۔ بعد میں عام سپاہیوں، حوالداروں، جمعداروں اور صوبیداروں کو تختواہ دینے کا یہی طریقہ کار جاری رہا جب کہ صوبیدار سے اوپر کے افسران کو ماہانہ بنیادوں پر رقم کی شکل میں تختواہ ملنے لگی۔ بعض صوبیداروں کو بھی ماہانہ تختواہ دی جانے لگی۔

1950ء کی دہائی میں سپاہی کو سالانہ 18 من، جمعدار کو 25 من اور صوبیدار کو 50 من غلہ دیا جاتا تھا۔ موسم گرما کی فصل کے مقابلہ میں موسم سرما کی فصل میں سے زیادہ حصہ ملتا تھا۔ صوبیدار-بجھر کو 120 روپے، کپتان کو 180 روپے، نائب سالار کو 400 روپے اور سپہ سالار کو 750 روپے ماہانہ تختواہ ملتی تھی۔ بعد میں ان میں اضافہ کیا گیا۔ ایسین کو بہتان سے قتل رکھنے والے فوجیوں کو وہاں موسم گرما کی فصل نہ ہونے کی وجہ سے موسم گرما میں کچھ نہیں

ہوا تھا۔ اس کی مقامی موسم سرما کی فصل کے موقع پر کردی جاتی تھی۔ والی کے ایک فرمان کے مطابق یکم جنوری 1962ء سے پاکستان کو 230 روپے اور صوبہ اریسبھر کو 135 روپے ماہانہ تنخواہ ملا کر سگی۔ 1960ء تک مسلح افواج کو مسلح خدمات یا پٹیشن دینے کی کوئی روایت موجود نہیں تھی۔ البتہ ریٹائر ہونے والے کا ۴۴ حزر کرد کوئی قرعہ شیڈوارا میں کی جگہ سکران کی صوابہ پر پریکسی ملٹیپلٹا میں بھرتی کر لیا جاتا۔ ۲۲ جنوری کے مطابق 1960ء سے بعد 20 ماہ کی تنخواہ سے برابر رقم (آخری تین سالوں کی اوسط تنخواہ سے حساب سے) ریٹائرمنٹ پر ادا کردی جاتی ہے شرط یہ کہ ان کی ملازمت کا دورانیہ کم از کم پندرہ سال ہو۔ اسے کبھی کہا جاتا تھا۔ جن لوگ اس فرمان کے اجراء سے دو سال قبل ریٹائر ہوئے تھے انہیں بھی یہ سہولت دے دی گئی۔

والی نے اس بات کی پوری طرح صراحت کر دی تھی کہ فوج میں جس نے 20 سال یا اس سے زائد وقت کے لئے خدمات دی ہوں، جس نے 15 سے 19 سال ملازمت کی ہو اور جس نے پندرہ سال سے کم وقت کی ملازمت کی ہو ان کو بااقترب اس شرح سے ادائیگی کی جائے گی: 400 روپے، 300 روپے اور 20 روپے۔ جس کی مدت ملازمت 15 سال سے کم ہو اور اس نے رضا کارانہ طور پر ریٹائرمنٹ لی ہو اسے کچھ بھی نہیں دیا جائے گا۔ بعد میں اس میں کچھ ترمیم کی گئی جب کہ پستانوں، مصوبید اریسبھروں، مصوبید اریوں، جمعداروں اور حوالداروں کے لئے پوری ادائیگی اور ایک چھوٹی سی رقم کے حساب سے کبھی دیا منظور ہوا۔ اس کا انحصار اس بات پر تھا کہ اس کی ریٹائرمنٹ کے وقت اس کے بچے کو کس منصب پر ترقی دی جائے گی۔

باقاعدہ افواج کا سال میں دو بار معائنہ کیا جاتا تھا۔ چند ایک استثنائی صورتوں کے علاوہ فوج کے سارے افسروں کو اپنے اپنے گھروں میں رہنے تھے۔ بلاوے پر دو مقررہ وقت اور مقررہ جگہ پر پہنچنا پڑتا تھا۔ ان کی رہائش کے لئے نئی تعمیر کی گئی تھیں اور نئی کوئی چھاؤنی۔

## مسلح افواج کی تعداد

میاں گل عبدالودود ایک بڑی اور مشہور فوج کی اہمیت سے واقف نہیں تھا اس لئے ایک مشہور محترم سوار دستہ کی تشکیل کے لئے اس نے قرض لینے سے اجازت نہیں لیا تاکہ وہ اس کے مشہور محترم سوار دستہ کا زبانی کی بنیاد پر مقابلہ کر سکے۔ 1918ء میں نواب دیر سے ہونے والی دوسری جنگ میں اس نے پاس صرف 60 افراد پر مشتمل سوار دستہ تھا۔ اسے امین زئی اور شوزئی علاقوں پر دو بار قبضہ کے بعد بڑھا کر 700 افراد پر مشتمل دستہ بنا دیا گیا۔ اکتوبر 1923ء کے ایک برطانوی سیاسی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ میاں گل (عبدالودود) نے حالیہ دنوں

میں اپنے نظامی لشکر میں اضافہ کر کے اس کی تعداد چھ ہزار تک پہنچا دی ہے۔ اور بتایا جاتا ہے کہ دو پورن، چلیسیر اور بونیر کے علاقوں سے تین ہزار اور سوات کوہستان سے ایک ہزار مزید افراد بھرتی کرنا چاہتا ہے۔ یہاں گل مہد اور دو نے پہلے نکل ایجنٹ کے نام پر ایک طویل خط میں اس اضافہ کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا کہ وزیر اور ملاب ریاستوں کی جانب سے دو ہرے خطرہ کی وجہ سے اس کے لئے ایسا کرنا ضروری ہو گیا ہے۔

برطرح کی ریاستی افواج (گمڑ سوار اور پیادہ) میں اضافہ کا یہ عمل جاری رہا۔ اس نئے جب دسمبر 1949ء میں میاں گل مہد اور دو نے اقتدار میں گل جہان زیب کو سونپا تو اس وقت ریاستی افواج کی تعداد تیرہ ہزار تھی۔ اس میں مشین گن کینی توپ خانہ، گمڑ سوار سے شامل تھے... اس کے علاوہ بڑے روغن بھی موجود تھی۔

جب بیرونی خطرات ٹل گئے تو گمڑ سوار دستہ ختم کر دیا گیا اور دیگر شعبوں کی تعداد میں کمی کر کے (مختلف بیانات کے مطابق) کل تعداد 9500 تقریباً 10000، 8000، تقریباً 8500 اور 6000 کر دی گئی۔ پاکستان میں اوجام کے وقت افواج سے متعلق افراد کی کل تعداد 6126 بیان کی جاتی ہے۔ بیرونی خطرات نہ ہونے کے باوجود روغن رکھنے کی توجیہ آخری دائمی سوات نے یہ بیان کی ہے کہ اس طرح لوگوں کو ایک قسم کی ملازمت فراہم کرنا ایک دانش مندانہ فیصلہ تھا۔ اس کو وہ اپنی عزت افزائی سمجھتے تھے۔ اور اس طرح ریاست کو مفت میں کام کرنے والوں کی اتنی بڑی تعداد میسر تھی۔ جہاں تک انٹر طبقہ کا تعلق ہے تو دراصل لوگ جمہدار اور صوبیدار بننا اپنی بڑی عزت افزائی گردانتے تھے۔ فوجین، سیدوں اور میاں برادری سے تعلق رکھنے والوں کو خندانہ رکھنے کا بھی یہ ایک کارگر طریقہ تھا۔ علاوہ ازیں ان کے ہتھیار رکھنے کی وجہ سے کاری ملازمت تھی اور یوں اختیارات کا نشہ بھی پورا ہو جاتا تھا۔ اس معاملہ کا ایک اور اہم پہلو بھی ہے جسے دانی نے نظر انداز کیا ہے۔ وہ یہ کہ روغن حکومت کی طاقت کا مظہر تھی۔ عوام کو عوام بنانے رکھنے کے لئے بر ریاست کو اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی بھی اندرونی غلطکار یا عسکران کے خلاف بنائے کی سرکوبی کی یہی اہم ضمانت تھی۔

سرخ افواج کو جدید ترین ہتھیاروں سے لیس کرنے کے لئے عسکرانوں نے ہر ضروری قدم اٹھایا اور حتیٰ الامکان اسلحہ بھی ذخیرہ کرتے رہے۔ مہد اور دو کو تو اقتدار حاصل کرنے سے قبل ہی اس بات کا یہ خوبی اندازہ تھا کہ اپنا اسلحہ خانہ لازمی چیز ہے۔ اس نے کا صاحب زیارت کے صاحب شاد اور اس کے بیٹے معرفت شاد کو اس مقصد کے لئے ملازمت دی کہ وہ اس کے لئے اسلحہ بنائیں گے۔ برطانوی حکومت کے ایک ویسی نائب نے یہ کارخانہ جون 1912ء میں دیکھا۔ اس کی موجودگی میں بد نئی ہٹری رائفل کا کار توں بنایا گیا جس کے خول کو آٹھ بار بھرا جاسکتا تھا۔ اپریل 1923ء میں بتایا گیا کہ

”یہاں گل (مہد اور دو) کی سیدوش نام اسلحہ ساز فیکٹری کے بارے میں ایک مختصر نوٹ دل چھی سے خالی نہیں ہوگا۔ یہاں



بارہنئی بھری کاروس کی روزانہ پیداوار 500 ہے۔ کئی لاکھ کاروس اس نے افیرو کر رکھے ہیں۔ وہ اپنا سواد رتک بارہن  
 پاؤڑ بنا رہا ہے۔ اور اسی وہی رانکوں کے لئے سفید پاؤڑ بھی۔ اس کا ایک نمونہ تجربے کے لئے راولپنڈی اعلیٰ نصابی سکول  
 گا۔ اسے قریح ہے کہ ایک ماہ کے اندر اوپر بیان کردہ بندوق کی طرح ایک اور بندوق تیار کرنی چاہئے گی۔ اس کی کئی افواہ  
 کا وہ تہائی صد بارہنئی بھری رانک سے سنا ہے جب کہ جیس کے پاس یہ اسی وہی سفید ہیں۔"

اس رپورٹ کے دو سال کے اندر عبدالودود کے سیدو کے کارخانہ میں پانچویں بیچے سے بھری جانے والی  
 بندوق جس میں بیٹری پیک ہوتی ہے بنائی گئی۔ اس کی آزمائش اہمیتان بخش رہی۔ 1927ء میں اپنی جتنی حیثیت کو  
 ریاست دہری کی سٹیج پر لانے کے لئے عبدالودود نے برطانوی ہند کی حکومت سے درخواست کی کہ اسے بھی ہندوستان میں  
 اتالی اسٹیج اور گولہ بارود خریدنے کی اجازت دی جائے جتنا کہ نوآبادیہ نے اس کے اقتدار میں آنے کے وقت سے  
 خریدا ہے۔

## قلعے، تھانے اور ان کی نفی

اسن ولمان کا ٹم رکھنے کے لئے ریاست میں برجہ قلعے تعمیر کئے گئے۔ ہر قلعہ میں سو بیس ہزار یا بعد اس کے زبرد  
 قیادت فوجی ہوتے تھے جنہیں قلعہ وال کہا جاتا تھا۔ وہ اپنے خاندانوں کے ہم راہ قلعوں کے اندر رہتے تھے۔ غیر شاہ  
 شدہ افراد کو قلعہ میں نوکری کی اجازت نہیں تھی۔

عبدالودود کا مقصد یہ تھا کہ ریاست بھر میں قلعوں کا ایک جال بنا دے، نمایاں اونچی جھیلوں یا پہاڑی چوٹوں  
 پر یہ اتنے قلعے پر ہوں کہ ایک قلعہ سے دوسرے قلعے کو دیکھا جاسکے اور یہ کہ بلا خوف و خطر ایک دوسرے کی مدد  
 کر سکیں۔ سرحدوں کی حفاظت اور اندرونی خطرات سے نمٹنے کیلئے 80 قلعے تعمیر کئے گئے تھے۔ ان میں خندقی قلعے،  
 فصیلیں قلعے، راکاؤ ٹم قلعے، ندرج تھے اور سب کے سب بہت مضبوط بنائے گئے تھے۔ تعداد کے بارے میں اختلاف  
 ہے یہ 68، 73 اور 75 بھی بیان کی گئی ہے۔

ہر قلعہ میں ایک ٹیلی فون ہوتا اور ایک منشی ہوتا جو روزانہ چلنے لگتا۔ ایک ڈسٹرکٹ آفس اور ڈسٹرکٹ آفس اور سیدو  
 بعد اس کے سربراہ ہوتا۔ اسن ولمان ہر قلعہ کو انتظامی حکام کے احکامات کی تعمیل، چھوٹے موٹے فیصلے کرتا اور سب  
 سے اہم یہ کہ ہر قسم کے انتشار و اضطراب کا قلعہ قمع کرے اس کے فرائض میں شامل تھا۔ قلعے سے فرائض میں سربراہی  
 محمول (عشر) اکٹھا کرنے میں اعانت، ہجر سوں سے نکلوتی بتایا جاتا اور جرمانے وصول کرنا، بھران اور دیگر حکام  
 کے فرائض عوام تک پہنچانا اور قرض داروں سے قرض خواہوں سے قرض وصول کرنا شامل تھا۔

قلعہ کا ادارہ کثیر القاصد اور کثیر المہمت تھا۔ اس میں تعینات قلعہ کی تعداد ملاق کی ضروریات اور اہمیت کے

لٹا سے مختلف ہوتی تھیں۔ بدستوری کے سدباب اور کارکردگی کی بہتری کے لئے قلعہ کے افسران کا بھی ہر دو یا تین سال بعد تبادلہ کر دیا جاتا جس طرح کرانٹھالی حکام کے کئے جاتے تھے۔ لوگوں کی شکایات بھی اُن کے تبادلہ یا برطرفی کا سبب بن سکتی تھی۔ اس عہدہ کے اعلیٰ افسران 4 مہاجر اور ایک کمانڈر تھے۔ ہر مہاجر کے تحت کئی قلعے ہوتے تھے۔ ماتحت افسران کی کارکردگی کی ذمہ داری اُس کی تھی۔ 1958ء تک قلعے بھی پہ سالار کے ماتحت تھے۔ اس کے بعد انہیں علاحدہ کر کے انہیں ایک کمانڈر کے تحت کر دیا گیا۔ قلعہ کی تمام فوج کا سپاہی سے کمانڈر تک تقرر حکمران کرتا تھا اور اُن کی برطرفی کا اختیار بھی صرف اُس کو تھا۔ قلعہ کے سارے عملہ کو تنخواہ جس کی شکل میں سال کی دو بڑی فصلوں کے موقع پر دی جاتی تھی۔ حکمران کے ایک فرمان کے مطابق ٹریک ڈیوٹی دینے والے پولیس کو جرمانے کا پانچویں حصہ اور یہ ڈیوٹی سرانجام دینے والے غیر پولیس افراد کو جرمانے کا دسویں حصہ دینا قرار پایا تھا۔

وقت کے ساتھ ساتھ قلعوں اور قلعوں کی تعداد میں فرق آ گیا اور مرحلہ وار قلعوں نے قلعوں کی جگہ لے لی۔ قلعہ اور قلعہ میں بنیادی فرق یہ تھا کہ قلعہ میں تینتالیس سپاہیوں کو قلعہ وال اور ان کے افسروں کو جمہدار اور صوبیدار کہا جاتا تھا جب کہ قلعہ میں مشین سپاہیوں کو پولیس اور افسر کو قلعہ نیدار کہا جانے لگا۔ تاہم ہر قلعہ کا سربراہ قلعہ نیدار نہیں ہوتا تھا۔ اکثر قلعوں کی عمارتیں دو کمروں پر مشتمل تھیں۔ جب کہ قلعے بڑی مضبوط عمارتیں تھیں جن میں سپاہیوں کے خاندان بھی رہائش پذیر ہوتے تھے۔ سب سے اہم بات یہ بھی تھی کہ قلعہ قلعہ کی طرح کثیر القاصد جگہ نہیں تھی۔ قلعوں اور قلعوں کے محلے کی تعداد بھی مختلف بیان کی گئی ہے یعنی 1825 اور 2000۔ تعداد میں اضافہ ضرورت میں اضافہ کی وجہ سے ہوا ہوگا۔

فریڈرک ہارٹھ ریاست سوات کی فوجی تنظیم کا بہت واضح انداز میں یوں خلاصہ بیان کرتا ہے۔

”سواتی اور علاقائی بنیاد رکھنے کی وجہ سے اس میں سیاسی تنظیم لازمی تھی اس لئے اس کے افسر اور عام فوجی دونوں ہندی ہندی نظام سے پر اثر مخلوق نہیں تھے۔ اس چیز نے اس بات کو غائب از امکان بنا دیا تھا کہ ان کو علاقہ کی ہندی، بھارت یا فوجی انتظام میں استعمال کیا جاسکے۔ مراتب کا وہب، اطوار اور فوجی مصروفیات کو ایک ایسی تنظیم کی دل کشی کے لئے ساتھ جوڑ دیا گیا تھا جسے زیادہ تر عوامی بھلائی کے کاموں میں مشغول رکھا جاتا تھا اور جو بیچارے کی خدمات سرانجام دینے والا بڑا منظم ادارہ تھا۔ مراتب کی وجہ سے افسران کو اختیار و اقتدار کے ایک جائز استعمال کی سہولت حاصل تھی۔ اور سواتی معاشرہ میں جس شان و شوکت کی بے حد طلب ہے اس سے وہ بھی ل جاتی تھی۔ جب کہ زیادہ تر غریب گھرانوں کو اس فوجی نوکری سے روزی روٹی کے مسائل پر قابو پانے میں خاطر قدر سہولت مل جاتی تھی اس طرح فوج لوگوں کو حکومت کا وفادار رکھنے کا اہم ذریعہ تھی۔ ایک انتہائی منظم طریقے سے چھ سے آٹھ ہزار تک افراد کو اپنی مشینری میں جوڑ دیا گیا تھا اور اس سے حکمران کے خلاف کسی بھارت کا بھی کوئی خدشہ نہیں تھا۔ اس میں اس وقتا پانے پر عوامی بھلائی کی خدمات سرانجام دینے کی صلاحیت موجود تھی اور یہ طور و حربہ آخر یہ کہ سیاسی مقاصد کے لئے قزاقوں اور بھارتوں کی مسلسل تنظیم کا یہ انتہائی کارآمد ذریعہ بنا رہا۔“

## مالی انتظام

مالی وسائل قوموں اور ریاستوں کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس لئے علم سیاسیات میں مشہور ہندو مصنف کوٹلیہ نے اس اصول کی بنیاد رکھی کہ جن کو سب کاموں کا دار و مدار مالی وسائل پر ہے اس لئے خزانہ پر زیادہ توجہ دی جانی چاہئے۔ ریاست سوات کے امور بھی کافی مالی وسائل اور مضبوط مالی نظام کے بغیر کامیابی سے نہیں چلائے جاسکتے تھے۔ ریاست کی مالی انتظامیہ کا بانی عبدالجبار شاہ تھا۔

## انتظامی مراتب

حکومتِ مال کا سربراہ بھی حکمران خود ہی ہوتا تھا اور مالی اخراجات کا حتمی اختیار بھی اُس کے پاس تھا۔ اُس کی پیشگی اجازت کے بغیر کوئی رقم صرف نہیں کی جاسکتی تھی۔ بیٹے سے اوپر تک حلقہ کے سارے ملازمین کی تقرری، ترقی اور برطرفی کا اختیار حکمران کے پاس تھا اور وہ یہ سب کچھ اپنی صوابیہ کے مطابق کرتا تھا۔ شہری انتظامیہ کی طرح حلقہ مال کے ذرائع میں بھی سب سے اوپر حکمران اور سب سے نچلے درجہ پر تحصیل دار ہوتا تھا۔ ہر تحصیل میں ایک خاص کلرک ہوتا تھا (جسے سب دفتر مرزا کہا جاتا تھا) جو اجارہ داروں سے سرکاری واجبات وصول کرتا، اس کا حساب وزیر مال مرکزی دفتر میں جمع کرتا اور تحصیل کی سطح پر سرکاری آمدنی کا حساب رکھتا۔

عبدالودود کے عہد کے ابتدائی دور میں وزیر مال نہیں تھا۔ وزیر اعظم کے ذریعہ ساری ریاستی آمدنی سر خزانہ میں جمع ہو جاتی اور اُس کی اجازت سے نکالی جاتی۔ بعد میں ایک مالیات کا ذریعہ مقرر کیا گیا (حقیقت میں علاوہ سے کوئی حلقہ مال نہیں تھا) جسے وزیر مال کہا جانے لگا۔ وہ حکمران کی جانب سے اس حلقہ کو چلاتا تھا۔ اُس کے پاس انتظامی اور عدالتی اختیارات بھی ہوتے تھے۔ اُسے ایک خزانچی اور ایک چھوٹے سے حلقہ کی سہولت حاصل تھی جو اس معاملہ میں اُس کی مدد کرتا تھا۔ بعد میں (عبدالودود کے عہد میں بھی) ولی عہد جہان زیب روزانہ کی بنیاد پر حساب کتاب کی جانچ پڑتال کرنے لگے۔ مشیر مال (مشیر خزانہ) کا عہدہ بہت بعد میں جہان زیب کے عہد میں بنایا گیا اور ولی عہد استخود صبح سویرے حلقہ مال کا ریکارڈ اور کھاتوں کی تفصیلات کی جانچ پڑتال کرتے جو کہ خزانہ کا افسر (جسے بہتم خزانہ کہا جاتا تھا) اُس کے سامنے پیش کرتا۔ وزیر مال کو خزانہ میں موجود کل رقم اور جس مد میں وہ خرچ ہوئی سے بے خبر رکھا جاتا۔ آخری ولی اس سلسلہ میں خود کہتے ہیں کہ

”خزانہ کا مکمل قبضہ اور اُس کے حسابات کی جانچ پڑتال میرے ہاتھ میں تھی۔ خزانہ کی رقم وزیر مال یا مشیر مال (اگر وہ جو نیز آدمی ہوتا) جمع کرتا لیکن وہ اچھیلیاں اور حسابی کتب بہتم کے تحت تھیں جسے افسر مال کہا جاسکتا ہے۔ دو ہزار اسلیرے تحت تھا۔

حالاں کو دودھ دہن اور بڑے سے چھٹے تھانگین دہاں سے معلوم کر سکتا تھا کہ یہ یا دودھ تو کم کہیں سے آئیں اور مزید اور اچھیلیاں کب آئیں گی وغیرہ وغیرہ۔"

## ذرائع آمدنی

ریاست کے پاس آمدن کا سب سے بڑا ذریعہ مٹر تھا جسے فصل کی تیاری کے موقع پر جمع کیا جاتا تھا۔ اسے دس فی صد کے حساب سے کھلیان میں وصول کیا جاتا تھا۔ عبدالودود کے عہد میں مٹر کے ساتھ ریاست نے حزیہ دسواں حصہ لینا شروع کیا۔ اس کی وجہ افغان کی دیکھ بھال تھی اور اس کے بدلہ میں لوگوں کو لشکر کی ڈیوٹی سے چھوٹ مل جاتی تھی۔ آخری دہائی اس بارے میں کہتے ہیں۔

"میرے باپ نے دونوں محصولات کی ذمہ داری وصولی شروع کی۔ دسواں حصہ دہکھلیان پر لے لیے اور نلکھرتیچے کے بعد حزیہ دس فیصد وصول کرتے۔ یہ اضافی ٹیکس لشکر کے نام پر لیا جاتا تھا۔ اس کے خلاف شکوے شکایت کا سلسلہ جاری رہا۔ میں نے اس بارے میں مسئلہ کا تفصیلی جائزہ لیا کہ مٹر کتنا بنتا ہے اور پھر یہ اضافی دسواں اس میں کتنا اضافہ کرتا ہے۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ ساڑھے سات حصہ میں سے ایک حصہ ہے۔ دوسو حصے کے برابر بنتا ہے نہ کہ دس حصے سے ایک۔ تو ہم نے کہا یہ دوسری دسواں نہیں ہونی چاہئے کہ ایک ہار کھلیان میں لیا جائے اور پھر مٹر کتنے پر لیا جائے۔ پرانے طریقہ میں یہ خامی بھی تھی کہ وہ قطعات اراضی اس سے مستثنیٰ تھے جو سیرئی کے ذیل میں آتی تھیں۔ اس لئے کہ لشکر میں آدمیوں کی فراہمی صرف بہت تنوں پر لازم تھا۔ جب ہم نے نیا نظام حصارف کرایا تو ساڑھے سات حصوں میں سے ایک حصہ لیا جانے لگا۔ اس طرح ایک بڑی ریاستی ملینیا دیکھ بھال کے لئے ایسی ہاشتنی صورتیں بھی قائم کر دی گئیں۔"

اس طرح ریاست مٹر کے نام پر کھلیان ہی پر سب سے 13.33 فی صد کے حساب سے حصہ وصول کرتی۔ مارچ 1969ء میں اس شرح کو کم کر کے دس فی صد کر دیا گیا۔ والی کا کہنا ہے کہ یہ میرے خلاف اٹھنے والی شکایت میں سے ایک تھی۔ میں نے سوچا: ریاست نے تو بہر صورت جانا ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں چلو ٹھیک ہے۔ اس لئے مٹر کو دوبارہ مٹر بنا دیا گیا۔ اس سلسلہ میں دیئے گئے فرمان میں کہا گیا کہ اب مٹر صحیح معنوں میں عشر بن گیا۔ اس بات کی بھی وضاحت کر دی گئی کہ اس سے سالانہ بجٹ میں بیس یا پچیس لاکھ روپے کا خسارہ ہوگا جس سے ترقیاتی کاموں کی رفتار کم ہو جائے گی حتیٰ کہ بجٹ کو دوبارہ متوازن بنانا پڑے۔ عبدالجبار شاہ کے عہد میں سیرئی قطعات اراضی کو مٹر سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا لیکن عبدالودود نے دونوں قسم کی قطعات اراضی دوترا اور سیرئی پر اسے لاگو کر دیا۔

فصلوں کے علاوہ مٹر دودھ دینے والے جانوروں گاؤں، بھینسوں، بھینڑ بکریوں کے گلوں اور چیلوں کے باغات پر بھی لیا جاتا تھا۔ بھینڑ بکریوں کے گلہ مالکان کو 40 بھینڑوں اور بکریوں پر ایک عدد بھینڑ یا بکری، اسی طرح شہد

کی کمیوں پر پی جھڑ ایک سیر شدہ دینا پڑتا تھا۔ دودھ دینے والی بھینس یا گائے پر ایک سیر سگھی فی جانور دینا پڑتا تھا۔ دودھ دینے والی بکریوں پر بھی ایک سیر سگھی دینا پڑتا تھا۔ بزیوں اور بچوں پر بھی مشر لیا جاتا تھا۔ شروع میں ذاتی استعمال کے لئے اکائی جانے والی بزیوں، رہائشی گھروں میں موجود چھل دار درختوں، کھریے استعمال والی گایوں و بھینسوں پر بھی مشر وصول کیا جاتا تھا۔ بعد میں انہیں مشر سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ چھوٹے اپنے غلوں پر زکوٰۃ کے علاوہ سالانہ ایک لائسنس بھی بطور ٹیکس ادا کرتے تھے۔

یہ سارے محاصل ریاست خود اکٹھے نہیں کرتی تھی بلکہ ان کی باقاعدہ نظامی گنتی تھی اور سب سے زیادہ بولی دینے والے کو اس کا ٹھیکہ دے دیا جاتا تھا۔ ان لوگوں کو اجارہ گر، اجارہ دار، یا مشری کہا جاتا تھا۔ ضلعوں کے لئے انہیں فی فصل اور دیگر ٹیکسوں کے لئے انہیں ایک سال کے لئے ایک خاص علاقہ کا اجارہ دیا جاتا تھا۔ اجارہ دار کو ایک خاص دستاویز جس پر وزیر مال، تحصیل دار، یا حاکم کے دستخط ہوتے تھے، جس میں اس بات کی وضاحت ہوتی کہ فلاں علاقہ کا اجارہ فلاں شخص کو دے دیا گیا اور یہ کہ وہ طے شدہ نلہ کی مقدار یا رقم یا دیگر اشیاء جنس کی صورت میں مقررہ وقت پر ادا کرے گا۔ اس میں اس بات کی بھی وضاحت ہوتی تھی کہ نفع نقصان دونوں صورتوں میں اجارہ دار سرکار کا طے شدہ حصہ دے گا۔

ادائیگی میں ناکام ہو جانے کی صورت میں اجارہ گروں سے وصولی کا بہت ہی اٹو کھاطر بقا اختیار کیا جاتا تھا۔ سرکاری ملیشا کی ایک خاص تعداد اس کے گھر جا کر تنہم ہو جاتی۔ اسے اس وقت تک ان کے کھانے پینے اور ہا انتظام کرنے پڑتا جب تک وہ ادائیگی نہ کر دیتا۔ اسے سوکھی کیڑوں (چوکی بھانا)، یا نوکران کیڑوں (نوکران بھانا) کہہ تھا۔<sup>۹</sup>

اجارہ داروں کے لئے نظام کا اہتمام وزیر مال، تحصیل داروں کے ذریعے کرتا تھا۔ صرف سیاسی لحاظ سے مصلحت مند لوگ اس میں حصہ لیتے اس لئے کہ اگر وہ مظلوم مقدار سے زیادہ وصول کرتے تو وہ ان کا ہو جاتا اور اگر مظلوم مقدار سے جمع شدہ مقدار کم ہوتی تو وہ کسی انہیں پوری کرنی پڑتی۔ مقررہ وقت آنے پر انہیں نلہ، سبزی یا نقد رقم فوری واپس پڑتی۔ اسی لئے مجاز حکام کا یہ فرض تھا کہ وہ صرف صاحب حیثیت لوگوں کو یہ ٹھیکے دیتے اور نہ اجارہ دار سے وصولی نہ ہونے کی صورت میں وہ خسارہ انہیں پورا کر پڑتا۔

بعد میں حکمران کی طرف سے ان لوگوں کی نام بنام فہرست بنائی گئی جنہیں اس کی تحریری اجازت کے بغیر اجارہ نہیں دینا تھا۔ یہ فرمان بھی جاری ہوا کہ جو سرکاری ملازم کوئی اجارہ لے گا اور پھر سرکار کا حصہ ادا کرنے میں ناکام رہے گا تو اسے نوکری سے برخاست کر کے جیل بھیج دیا جائے گا حتیٰ کہ سرکاری حصہ اس سے وصول کر لیا جائے۔

تعمیل داروں اور حاکموں کی ذمہ داری تھی کہ وہ سرکاری واجبات وصول کریں، ان کا صحیح حساب کتاب رکھیں اور رشت اور زمین کا سبب باپ کریں۔

درآمد اور برآمد پر بھی محصول لیا جاتا تھا جسے چنگی کہا جاتا تھا۔ سوات میں اس کے لئے لنڈا کے چیک پوسٹ اور بونیر میں اسپیلہ چیک پوسٹ کے مقام پر انتظامات کئے گئے تھے۔ لنڈا کے چیک پوسٹ کا قیام جنوری 1918ء میں عمل میں لایا گیا تھا جب کہ اسپیلہ چیک پوسٹ بونیر کے الحاق کے بعد جولائی 1924ء میں قائم کیا گیا تھا۔ اس سے میاں گل عبداللہ اور دو کی مقبولیت خاصی متاثر ہو گئی تھی۔ یہ محصول بھی ٹھیکہ پر دیا جاتا تھا اور ٹھیکہ دار کو اسے چار اقساط میں ادا کرنا ہوتا۔

جنوری 1918ء میں ہر گھر پر ایک روپیہ ٹیکس عائد کیا گیا۔ جس پر زبردست احتجاج کیا گیا۔ مئی 1925ء میں بیگورہ کے 22 جروں پر 20 سے لے کر 120 روپے تک کا ٹیکس عائد کیا گیا۔ اس سے بھی 27 چیشہ برادری میں بے چینی پھیل گئی۔ تک اور گھی کی فراہمی کو بھی ٹھیکہ پر دیا گیا اور ٹھیکہ دار سے محصول وصول کیا جانے لگا۔ 1926ء میں تک کی فراہمی کا ٹھیکہ ایک سال کے لئے میں ہزار روپے پر دیا گیا۔ 1934ء میں چیشہ در افراد اور دکان داروں پر حیثیت ٹیکس نافذ کیا گیا۔

آمدنی کا ایک اور ذریعہ سڑک ٹیکس تھا۔ ٹرانسپورٹوں اور گاڑی مالکان سے ریاست ایک مخصوص قسم کی رقم لیتی تھی۔ تاکہ بانوں سے بھی ایک خاص فیس وصول کی جاتی تھی۔

سوات جنگلات کی دولت سے مالا مال تھا۔ ریاست کے وجود میں آنے سے قبل اس سے مناسب استفادہ نہیں کیا گیا۔ ریاست بننے کے بعد منظم طریقہ سے اس پر کام شروع کیا گیا اور یہ ریاست کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ بن گیا۔ جنگلات کی آمدنی میں 90 فی صد ریاست کے پاس چلا جاتا تھا صرف دس فی صد رائلٹی زمین مالکان کو ملتی تھی۔

تسکات پر لیا جانے والا ٹیکس اور مختلف جرائم پر لے جانے والے جرمانے بھی ریاستی خزانہ کے لئے آمدن کا ایک اور ذریعہ تھا۔ مختلف جرائم پر بھاری جرمانے عائد کئے جاتے تھے۔ مار پیٹ، قتل، چوری، زنا، تو انین وضو باکی خلاف ورزی وغیرہ پر ٹھیک ٹھاک جرمانے عائد کئے جاتے تھے۔ ان جرمانوں کا ایک بڑا حصہ ریاست کے خزانہ میں چلا جاتا تھا۔ کچھ تو اہم ترین اور دیت کے سلسلہ میں متاثرہ فریق کو دیا جاتا تھا۔ شروع میں متعلقہ خان اور منگ کو اس جرمانہ کا ایک تہائی حصہ دیا جاتا تھا۔ بعد میں ان خوانین اور منگ تان کو 20 روپے سے زائد نہیں ملنے تھے جن کو سوا جب نہیں ملتا تھا۔ اور جن کو 20 روپے سے زائد سوا جب ملتا تھا تو ان کو ان کے سوا جب چنگی رقم دی جاتی تھی اس سے زیادہ نہیں۔

علاوہ ازیں اسٹاٹس پیپر، اسٹیٹس ٹیکس، ٹیلی فون ٹیکس، منشیات ٹیکس (اکمپل، ایلیون اور چرس) کی فراہمی کا ٹیکس دیا جاتا تھا، ٹیکس (زمرہ وغیرہ)، مضبوط شدہ جائیدادوں کے کرائے اور آمدنی، موٹو ٹیکس اور ریاستی ملکیت کے ہوٹل (سوات ہوٹل) سے آنے والی آمدن، الغرض آمدنی کے کئی ذرائع تھے۔ ان کے علاوہ حکومت پاکستان سے بھی امداد کی شکل میں ایک خاص رقم ملتی تھی۔ البتہ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ موٹو ٹیکس، ایلیون ٹیکس، ٹیکسوں سے حاصل ہونے والی آمدنی، سوات ہوٹل اور بنیادی جمہوریت کے ضمن میں حکومت پاکستان والی امداد وغیرہ میاں گل جہان زریب کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ آخری والی نے اس بات کا یوں خلاصہ بیان کیا ہے کہ

”ریاست کی معیشت میں بڑھوتری کا عمل جاری رہا ہے۔ اس کو تصفیاً ہی بیان کر سکتے ہیں کہ اس کا بڑا حصہ تو جس کی صورت میں خزانہ میں آیا اور بنیادی خدمات کے سہانے پیسے پولیس اور فوج کی تنخواہوں سے اور اس کی جاتی۔ نقد آمدنی نے بھی اس میں اپنا حصہ ادا شروع کر دیا۔ نقد کی پیداوار بڑھنے سے شہر میں حاصل ہونے والی آمدنی بڑھ گئی۔ یوں ہم ملکہ پیچھے کے بھی قابل ہو گئے... نقد آمدن میں اضافہ اطمینان بخش رہا۔ جب میں نے زمام اقتدار سنبھالا تو ریاست کی سالانہ نقد آمدنی 50 لاکھ روپے تھی۔ یہ بڑھتے بڑھتے دو کروڑ ہو گئی جب کہ تو کوئی انسانی ٹیکس لگا اور نہ ہی ٹیکس لگا گیا۔ صرف ٹیکس سے ملنے والا محصول جواہتہاد میں صرف چودہ ہزار روپے تھا، میری حکومت کے خارجہ کے وقت میں لاکھ تک پہنچ گیا تھا۔“

والی صاحب نے تو اس کے لئے ریاستی معیشت کی اصطلاح استعمال کی ہے لیکن درحقیقت یہ صرف ریاست کا حاصل کی مد میں ملنے والی آمدنی ہے۔ دراصل ٹیکس بہت تھے جس کا ہاتھ نے محمد کی سے تجزیہ کیا ہے۔ وہ کہا ریاست کی آمدنی کا انحصار سب طرح کی نجی منفعت بخش سرگرمیوں پر ٹیکس، زرعی پیداوار پر عشر، عمارتی ٹیکس، پر ٹیکس، درآمد و برآمد پر چنگی محصولات اور مختلف کاموں پر ٹیکس کی وصولی پر تھا۔ ریاستی آمدنی کے ان مختلف ذرا تفصیلی تجزیہ سے (جس کا ہاتھ نے ذکر نہیں کیا ہے) بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ نجی منفعت بخش سرگرمی ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔

## اخراجات

تحصیل کی سطح پر مختلف ذرائع سے ملنے والی آمدنی وہاں کی جانے والی ادائیگیوں کے بعد آمدن اور اخراجات کی تفصیل کے ساتھ مرکزی خزانہ میں جمع ہو جاتی تھی۔ خزانہ سے تحصیل دار اور حاکم کو اس کی رسید جاری کر دی جاتی۔ تازہ ترین مکمل حساب کتاب دکھا جاتا۔ شروع میں اس کا نگران وزیر مال تھا۔ بعد میں ولی عہد اور پھر سحران نے یہ ذمہ خود ہی کام سنبھال لیا۔

سرکاری آمدنی کو انتظامیہ (مدد شاہی اخراجات)، فوج، پولیس، اسلحہ خانہ، تعلیم، صحت، سڑکوں اور پلوں،

آب پاشی، مواصلات، نثر و اشاعت، پاکستانی فنڈوں میں عطیات، منڈکانہ اور امداد، چمک ٹیلی فون، ٹیلی ویژن، جماعتی بیورو کے لئے ٹرانسپورٹ، جنگلات کی رہائشی، مشاورتی کونسل کے اخراجات، سرکاری عمارتوں، کانوں کی رہائشی اور ریٹائرڈ ملازمین کی کینٹی جیسے مدوں پر خرچ کیا جاتا۔ 1954ء سے پہلے نہ تو مشاورتی کونسل کا کوئی وجود تھا اور نہ شاہی اخراجات کے لئے وظیفہ کا تصور۔ خزانہ کا سارا اختیار حکمران کے ہاتھ میں تھا۔ عملاً بعد میں بھی ایسا ہی رہا۔ مختلف مدت کے لئے رقم کی تخصیص بہت بعد کی بات ہے اس لئے کہ 1954ء سے پہلے بجٹ کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ نہ ضمنی ضابطہ الحاق سے پہلے ریاستی آمدنی اور اخراجات اور شاہی اخراجات کے لئے مختص رقم کی جانچ پڑتال بھی ہوئی اور نہ ہی بعد میں بھی ایسا ہوا۔ ایسا پہلی بار پاکستان میں ریاست کے اداء عام کے بعد ہوا جسے حکومت پاکستان نے کر دیا لیکن کسی بے قاعدگی اور نمین کا پتہ نہیں چلا۔ الزام لگایا جاتا ہے کہ پرائیویٹ سارا ریکارڈ ضائع کر کے نیا ریکارڈ اس کی جگہ رکھا گیا، تاکہ بے قاعدگی اور نمین کا پتہ نہ چل سکے۔ نتیجہ یہی نکلا جاسکتا ہے کہ دونوں باتوں کی صحت یقینی نہیں بلکہ یہ جانچ پڑتال کا معاملہ صرف لیپا پوتی سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔

مالیات کے بارے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ ساری آمدنی بھی استعمال میں نہیں لائی گئی بلکہ اس کا ایک حصہ ہمیشہ قاضی رہا۔ 1949-50، 1955-56، 1961-62، اور 1966-67ء میں بالترتیب آمدنی ساٹھ لاکھ روپے، چونسٹھ لاکھ روپے، ایک کروڑ چودہ لاکھ تیس ہزار روپے، اور ایک کروڑ ساٹھ لاکھ دس ہزار روپے، جب کہ اخراجات بالترتیب ساٹھ لاکھ روپے، اسی لاکھ چوبیس ہزار روپے، ایک کروڑ تیرہ لاکھ روپے، اور ایک کروڑ ستاون لاکھ چالیس ہزار روپے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب خزانہ حکومت پاکستان کے حوالہ کیا گیا تو اس میں پندرہ لاکھ روپے نقد اور کچھ حصص موجود تھے۔

## کرنسی

ریاست سوات کی اپنی کرنسی نہیں تھی۔ پہلے برطانوی ہند اور بعد میں حکومت پاکستان کی کرنسی کو ریاستی کرنسی کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا۔

## عدالتی انتظامیہ

دیگر انتظامی دائرہ ہائے کار کی طرح ریاست کا اپنا نوکھدا عدالتی نظام تھا۔



## قوائین و ضوابط

سکرانی نے بہتر رجحان عمل مطلق العنانیت کی شکل اختیار کرنی لیکن ابتدا میں سکران کے لئے لوگوں کا تعاون حاصل کرنا ضروری تھا۔ اس لئے کہ یہاں صحیح حکومت چلانے کے لئے اُن کا ادارہ داران لوگوں کی حمایت پر تھا جو اُسے اقتدار میں لائے تھے۔ اپنی غیر مخلوق حقیقت اور سماجی صورت حال کی پیچیدگیوں سے بیخود واقف ہونے کی وجہ سے میاں گل مہدالود نے ایک عجیب و غریب عملی اختیار کی۔ اُس نے یہ جانے اس کے کہ خود اُن میں اور ضابطہ قانون بنانے لوگوں سے کہا کہ وہ جرگہ کے ذریعہ اپنے لئے اپنے علاقائی رواج اور ضروریات کو مد نظر رکھ کر قوائین و ضوابط بنائیں۔ ان قوائین و ضوابط کو سختی سے نافذ کیا جائے گا اور لوگوں سے ان پر عمل درآمد کروایا جائے گا۔ ان قوائین و ضوابط کو عمل میں لایا جائے گا۔ ان ضوابط (جو مختلف جرحے اپنے علاقوں کے لئے بناتے تھے) میں یکسانیت نہیں ہوتی تھی۔

ان کے ساتھ ساتھ سکران اپنے فرمان بھی جاری کرتا تھا اور اپنے قوائین پر بھی عمل درآمد کرتا تھا۔ مثلاً 20 اکتوبر 1931ء میں جاری کردہ اُس کا ایک فرمان معاہدہ نکاح میں کچھ نکات شامل کرنے کے بارے میں ہے۔ 11 جنوری 1938ء کا ایک فرمان زمین کے لین دین کے بارے میں ہے اور ایک 14 مارچ فرمان ٹیلی فون کے ستون تباہ کرنے پانہیں جانے یا درختوں اور گندم کی فصل کے ساتھ بھی سلوک کرنے کے بارے میں ہے۔

یہ قوائین بعض وقت علاقے میں مروجہ قوائین و ضوابط کے برعکس ہوتے تھے۔ اس سلسلہ میں جرگہ سے کہا کہ وہ ان کو اپنے ضوابط میں شامل کر دے۔ مثلاً نرین اور درے نسل جرگہ کے ضوابط کے مطابق قتل کا جرم سزا سے دوسرو پے کے درمیان تھا لیکن سکران نے اسے ایک ہزار روپے کر دیا۔ جرگہ نے اس کی تصدیق کی اور اس شرح پر خوشی کا اظہار بھی کیا۔ اس نے سزا کے اوپر قتل کرنے کی صورت میں قصاص کے ضابطہ کو بھی تسلیم کیا۔ تحصیل برائیل (بجریں) کے جرگہ کے بیان سے عیاں ہے کہ زہر پھینکا اور تیزاب پر حکومت نے پابندی عائد کر دی ہے اور اُس نے اس کی تصدیق کر دی ہے۔

اسی طرح سے پکیر کے سر کردہ افراد کے ایک بیان سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ انہیں شامی فرمان کے ذریعہ کہا گیا کہ چوری، قتل اور فصلیں جانے کی صورت میں اگر مجرم کوئی نامعلوم آدمی ہو تو علاقے کے لوگوں پر لازم ہوگا کہ وہ مجرم کا پتہ چلا کر اُسے پکڑوائیں۔ یہ صورت دیگر اُس پورے علاقہ کو جرمانا دار کرانے سے گا۔

سکران اکثر و بیشتر اپنے فرمان بہ ذریعہ ٹیلی فون جاری کرتا تھا۔ مثلاً ایک جرگہ ۲۲ ہے کہ 20 جون 1938ء کو بہ ذریعہ ٹیلی فون یہ فرمان جاری کیا گیا۔ میاں گل مہدالود اپنے اس طریق کار اور حکمت عملی کو یوں بیان کرتا ہے:

”اگر میں یہ ہوں تو اسے صرف کاف زنی نہ سمجھا جائے کہ سہاوت کا ہاتھی اور انتظامی نظام اور وہاں کے سارے قوانین بشمول  
 نہ صرف یہ کہ میں نے صحائف کرانے بلکہ میرے ذہن کی پیدوار ہیں۔ اس میں کسی اور سے کوئی مدد نہیں لی گئی۔ ملاقات کی  
 ضروریات اور وہاں کے مخصوص حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے خود ہی انہیں مرتب کیا۔  
 جب کوئی نیا علاقہ فتح ہوتا یا پٹی مرضی سے ریاست میں شامل ہوتا تو میں وہاں کی ساری آبادی کا ایک نمائندہ جرمہ یا  
 اور ان سے کچھ کر لیں، ڈاک، چھری، لٹب، نہا، بالبر اور زنا جیسے جرائم کے لئے خودی سزا میں مشرور کریں۔ جب وہ کسی ایک  
 فیصلہ پر پہنچ جاتے تو میں اسے ایک شاہدہ کی شکل میں لکھواتا جس پر وہ سب دخللا کرتے یا اپنے انگوٹھوں کے نشان لگاتے۔  
 مقامی قسم کے عقوبات کو اس کے مطابق نئی یا تازہ“

میاں گل عہد اور وہ نے اجتماعی ذمہ داری کا قانون بھی صحائف کر لیا جسے جرموں نے منظور کر کے اپنے  
 ضابطوں میں شامل کر لیا۔ اس قانون کے مطابق متعلقہ علاقہ کے لوگوں کی مشرور کی ذمہ داری بنتی تھی کہ وہ مجرم کی نشان  
 دہی کرے یا اسے حکومت کے حوالہ کریں۔ تاکہ کسی کی صورت میں سزا یا جرمانہ سب کو بھگتنا پڑتا تھا۔ اور عام تک یہ قانون  
 چلنا رہا اور جرائم کو سمجھ اور رکھنے میں مددگار ثابت ہوتا رہا۔

## عمل در آمد

اس طرح جرموں کے ذریعہ بنائے گئے قوانین پر بااعتماد عمل در آمد ہوتا تھا لیکن بعض اوقات کسی خاص ذمہ  
 پشت پناہی یا ذمہ داری کی وجہ سے استثنائی صورت حال بن جاتی تھی۔ اس کی وضاحت کے لئے دو مشہور مثالیں دی  
 جاتی ہیں۔

بمجرم خان نے اپنے چچا جرموز خان کو قتل کر دیا لیکن اسے سزا نہیں دی گئی۔ آخری والی کے بیان کے مطابق  
 اس کی وجہ یہ تھی کہ حکمران جرموز خان کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اور مزید برآں یہ کہ ان دنوں کسی خان کو قصاص کر کے نہیں  
 مارا جاسکتا تھا۔ یہ قانون تو نہیں تھا لیکن اس دور کی سیاست کا یہی تقاضا تھا۔

دوسرا مقدمہ منگھور کے دو تے خان اور اس گاؤں کے زرین خان کا ہے جن کے درمیان تنازعہ اور رقابت  
 چلی آ رہی تھی۔ زرین خان کے حجرہ میں سے فائر کر کے دو تے خان کو مار ڈالا گیا جس پر زرین خان کو پکڑ کر دو تے  
 خان کے بیٹے کے حوالہ کر دیا گیا جس نے اسے گولی مار دی۔ والی اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اعتراف کرتا ہے کہ  
 ”مگر میں زرین خان کو پہلے ہی تو علاقہ کے کئی سرکردہ افراد اور اہلکار لگاتے کہ دو تے خان کو میں نے قتل کر لیا ہے بلکہ اس قسم  
 کی افواہیں پہلے ہی شروع ہو گئی تھیں“

والی خود یہ بات بیان کرتا ہے کہ شریعت میں قاتل کی شناخت کے لئے بیٹی شہادت کا ہونا لازم ہے۔ جب

جمرو سے گولیوں کی برچھاڑ ہوئی تو کسی کی گولی کا مشعل ہٹا بنا ممکن البیان ہے۔ لیکن آسے دو تے خان سے دھڑ سے آگے جھکنڈ پر اور زرین خان کو ان کے حوالہ کر کے قتل کرا دیا گیا تاکہ واپسی کے لئے اس قتل کے الزام میں ملوث ہونے سے بچ جائے۔ واپسی کے اپنے الفاظ میں: "سناج کے لحاظ سے یہ ایک سیاسی معاملہ تھا۔ واپسی نے تو اس بات کے لئے انفرادی کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن آس کے بارے میں اس وقت عام خیال یہی تھا کہ قتل واپسی کے کہنے اور اس یقین دہانی پر کیا گیا کہ قاتل کو محفوظ دیا جائے گا لیکن دو تے خان کے دھڑ سے (ڈال) کے دباؤ سے وہ اپنے وعدہ کو پورا نہ کر سکا۔

### قاضی، شریعت، عدالتی ڈھانچہ اور ان کی حیثیت

میاں گل محمد اللہ نے گاؤں تحصیل اور ماہکی کی سطح پر قاضی مقرر کئے تاکہ داری کے لئے حاکمین کو بے قائل نہ ملے کر پڑیں۔ تحصیل قاضی صرف تحصیل سطح کے فیصلے ہی نہ کرتا بلکہ گاؤں کے قاضی کے فیصلوں کے خلاف درخواستوں کی سماعت بھی کرتا اور حاکم سے وابستہ قاضی اعلیٰ عدالت کا فریضہ سرانجام دیتا تھا۔ دارالحکومت میں موجود اعلیٰ ترین عدالت قاضی القضاة اور فقہ اسلامی پر مشتمل تھا۔ اہم مقدمات کا فیصلہ اس عدالت میں ہوتا اور یہ اسلامی فقہ کے مطابق فیصلے کرنے والا اعلیٰ ترین ادارہ تھا۔

میاں گل جہان زب کے ایک حکم کے مطابق موجودہ قاضی اپنی اپنی جگہ برقرار رہیں گے اور یہ کہ مشعل میں ہر ماہکی میں تین اور تحصیل میں دو قاضی ہوں گے۔ اس طرح کل 71 قاضی ہوں گے۔ 24 ہر ایک ماہکی کے لئے دو جب کہ کلام تحصیل کے لئے تین قاضی مقرر کئے گئے تھے۔ ایک دوسرے حکم کے مطابق اگر انجمنی صحت کا مالک ہو تو قاضی 70 سال کے عمر میں ریٹائر ہوگا یہ صورت دیگر 65 سال کے بعد ریٹائر ہوگا۔

درحقیقت عدالتی ڈھانچہ میں بھی سب سے اوپر حکمران اور نیچے تحصیل دار ہوتا تھا۔ قاضی کسی مقدمہ کو اس وقت تک ہاتھ نہیں لگاتے تھے جب تک تحصیل دار اسے ان کے پاس نہ بھیج دیتا۔ حتیٰ کہ پہلے سالارنگ کے پاس عدالتی اختیار تھا۔ ایک بالکل نیا شعبہ محکمہ ضلعان کے نام سے بعد میں تشکیل دیا گیا۔ ان ضلعان کو بھی عدالتی اختیار دے دیئے گئے تھے۔ یہ لوگ گروپ کی شکل میں متنازعہ جگہ کا معائنہ کرتے اور یا تو تنازعہ کا خود ہی فیصلہ کر دیتے یا اس کی تفصیلی رپورٹ تیار کر کے حکمران یا واپسی کو پیش کر دیتے، جیسا بھی نہیں کرنے کو کہا جاتا۔ ضلعان کا فوجداری مقدمات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ ان کے حوالے نہیں کئے جاتے تھے۔ ان کا دائرہ اختیار جائیداد کے تنازعات تک محدود تھا۔

سات میں شریعت اور قاضیوں کی حیثیت کے بارے میں خاصی غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ مثلاً محمد ایوب خان لکھتے ہیں کہ 'سب قسم کے تنازعات چاہے دیوانی ہوں یا فوجداری، قرآن اور شریعت کے مطابق حل کئے جاتے تھے... بادشاہ صاحب اور ان کے نیچے قاضی وغیرہ مثالی اسلامی انصاف سے کام لیتے تھے۔ لیکن باپا صاحب خود بیان کرتے ہیں کہ جو چاہتا اپنی مرضی سے اسلامی شریعت کے مطابق اپنے مقدمہ کا فیصلہ کروا سکتا تھا۔ اور یہ کہ غلطی جبرگ نے جو قوانین وضو اپنے علاقہ کے لئے بنائے تھے، ان کی ایک نقل ہر تحصیل میں موجود ہوتی تھی اور سب لوگوں کو اختیار حاصل تھا کہ وہ شریعت اور دیوانی قوانین میں سے جس کے مطابق چاہتے اپنے فیصلے کروا سکتے تھے اس لئے یہ عام خیال غلط ہے کہ شریعت ریاست کا اعلیٰ ترین قانون تھا اور سب فیصلے اس کے مطابق ہوتے تھے اور کسی کے لئے اس سے روگردانی ممکن نہ تھی۔

اختیارات کی کوئی تقسیم موجود نہیں تھی۔ انتظامی، عمل درآمد مالی اور عدالتی طاقت اور مخالف سب کے سب سرکاری حکام اور حکمرانوں کے ہاتھوں میں تھے۔ قاضی عدالتیں، انتظامی اور عدالتی حکام کی تابعدار تھیں اور اسلامی قوانین غلطیوں اور اخلاق کے تحت تھیں جب کہ یہ دونوں حکمران کے تابع تھے۔

بعض مقامات میں محکمہ قضا کی رائے کسی خاص درخواست کے بارے میں معلوم کی جاتی کہ کیا وہ شریعت کے مطابق روا ہے یا نہیں۔ بہر صورت عدلیہ انتظامیہ کے قبضہ میں تھی۔ ہائٹ لوگوں کے مقدمات اور قتل اور زنا کے مقدمات کا حکمران خود فیصلہ کرتا تھا۔ انہیں قاضی کے پاس نہیں لایا جاتا تھا۔ قاضیوں کو اکثر بتایا جاتا کہ مقدمات کیسے چلانے ہیں اور کیا لائحہ عمل اختیار کرنا ہے۔ بعض اوقات قاضیوں کو اشارہ دیا جاتا کہ فریقین میں سے کون حکمران یا کسی خاص سرکاری افسر کا منکر و منکر ہے۔

حکومت پاکستان کی ایک مردم شماری رپورٹ میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ قاضیوں کے فیصلے حتمی ہوتے ہیں اور انہیں حکمران بھی نہیں بدل سکتے۔ 'حقیقت میں قاضیوں کے فیصلوں کے خلاف حکمران کے پاس اپیلیں داخل کی جاتی ہیں اور کئی بار قاضیوں کو شریعت کے مطابق کئے گئے اپنے فیصلوں پر نظر ثانی کے لئے کہا جاتا۔ اسی طرح یہ بیان کہ کسی مقدمہ میں قاضی کے فیصلے کے بعد تحصیل دار کے پاس سے قسم کرنے یا بدلنے کا اختیار نہیں حقیقت کے برخلاف ہے اس لئے کہ کئی بار تحصیل دار نے قاضی کے فیصلے کو منسوخ کر کے اس کی جگہ اپنا فیصلہ دے دیا۔ قاضیوں کے فیصلوں اور دیگر کاغذات کی توثیق ہمیشہ انتظامی عدالتی افسران سے کرائی جاتی اس لئے کہ صرف قاضی اور محکمہ قضا کے دستخط اور مہر کو کافی نہیں سمجھا جاتا تھا۔

جرم کے جرائم کے لئے جرمانے تھے جیسے قتل، مار پیٹ، چوری، زنا وغیرہ۔ سخت قسم کے اسلامی قوانین پر عمل درآمد کم ہی کیا جاتا اس لئے کہ ان سارے جرائم کا تین مقامی جرموں یا حکمران نے کیا ہوتا۔ اس بات کی مزید

وضاحت کے لئے سکران کے مندرجہ ذیل احکام یہاں دیئے جا رہے ہیں۔

اپنے ایک شائع شدہ فرمان میں میاں گل جہان زیب اعلان کرتا ہے کہ آئندہ وہ جرمانے اس شرح سے وصول کئے جائیں گے۔

1. اس کتاب نمبر 500، 1950ء پر (صرف مردوں سے وصول کیا جاتا تھا)
2. کسی پر گولی چلا: 200، 1950ء
3. کسی کے مکان میں قبضہ زنی: 200، 1950ء
4. لوٹ: 200، 1950ء (صرف ہٹل کرنے والے سے لیا جاتا تھا)
5. عورت سے مجبوز ہمارا: 100، 1950ء

والی کے اس قسم کے ایک اور فرمان میں اعلان کیا گیا کہ جس کسی نے اپنی بیوی کی ناک کاٹ دی تو اسے دو ہزار روپے جرمانہ اور بیوی کو طلاق دینا پڑے گا۔ پھر اس فرمان میں ایک ترمیم کر کے کہا گیا کہ عظیم دو ہزار روپے جرمانہ یا سات سال قید کی سزا بچھٹنے کا اور اس کے ساتھ بیوی کو طلاق بھی دے گا۔

قتل کے مقدمات کا فیصلہ شریعت کے پہلے سے قائم قوانین کے تحت کیا جاتا تھا۔ اس ضمن میں جرمنی کے قانون اور دوسرے قانون کی مثالوں سے پہلے ہی اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ میاں گل جہان زیب کا مندرجہ ذیل بیان اس بات کی مزید وضاحت کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

”میں ہمیشہ سے ملاقاتی رواج کی موجودگی کا مسترد رہا ہوں جس کی وجہ سے نتائج کو مد نظر رکھتے ہوئے فیصلے کرنے پڑتے تھے۔ یہاں نسوں سے قائم پرانے مجھ سے مل رہے تھے۔ اگر کوئی کسی کو قتل کر دیتا تو اس کا قتل کے قریب رشتہ داروں میں سے کسی کو قتل کر کے اس کا بدلہ لینے اور اس پر سزا ملنے پڑتی۔ چونکہ یہ سب انتہائی ہیبتناک تھا اس لئے ایسے قتل کے لئے میں کسی کو سزائے موت نہیں دے سکتا تھا لیکن ہم انہیں جرمانہ کر سکتے تھے یا قید کر سکتے تھے۔ یادوں میں انہیں ایک اقتدار دے سکتے تھے“

قصاص کے قانون پر صرف یہ نہیں کہ انتہائی قتل کے مقدمات میں عمل درآمد نہیں کیا جاتا تھا بلکہ دیگر قسم کے قتل کے مقدمات میں بھی اس پر عمل کم ہی ہوتا تھا جس کا اندازہ والی کے اس بیان سے لیا جاسکتا ہے کہ زراست سوات میں سالانہ اوسطاً 22 قتل ہوتے تھے۔ ان میں سے آدھے ابا سین کو بہتان میں ہوتے تھے لیکن وہاں کسی ایک مقدمہ میں بھی کسی کو سزائے موت نہیں دی گئی اور زراست کے دیگر علاقوں میں والی کے بیان کے مطابق وہ سال میں صرف دو یا تین قاتلوں کو گولی مار کر ہلاک کرنے کا حکم دیتے تھے۔ 22 میں سے تین کو سزائے موت دی جاتی۔ مہرت کے لئے یہ کافی تھا۔ باقی قاتلوں کو 7 سال یا 10 سال قید یا ہماری جرمانے کر دیئے جاتے۔“

درخواستیں دائر کرنے اور اس طرح ان کو نشانے کے قتل میں یکسانیت نہیں تھی۔ درخواستیں کسی قسم کے سرکاری حکام کے سامنے پیش کی جاسکتی تھیں جیسے تحصیل دار، حاکم، حاکم اعلیٰ، نائب شیر، مشیر، وزیر اور سپہ سالار، روٹی مہر اور

اول۔ بعض اسباب بھی اس پر زور درخواست کے الفاظ لکھے جاتے تھے۔ عام کا تقاضا ہر بار سے آئے خطوط کی شکل میں بھی درخواستیں قابل قبول تھیں۔ درخواست سے متعلق سرکاری ہدایات، ہدایات اور اسکا اس کا اندر کی پشت پر لکھے جاتے تھے جس پر درخواست لکھی جاتی تھی۔ حتیٰ فیصلہ اسباب بھی یہ لکھ کر کہ اسباب فریق کے حوالے سے کر کے جاتے۔ فیصلہ یا مہم مختصر ہوتے تھے۔ ان میں درخواست دہندہ اور مدعا علیہ کے نام فریقین کے مؤقف اور فیصلہ یا تفصیل لکھ کر دیا جاتا۔ یہ سب کچھ پختہ زبان میں لکھا جاتا تھا جو کہ راست کی سرکاری زبان تھی۔ اس کا سرکاری رجسٹروں میں رجسٹر کر لیا جاتا تھا۔ دل بھی اس کی بات یہ ہے کہ اسٹریٹریٹرز انصاف میں موجود تھے جہاں یعنی فنی نکتہ بازی، تاخیر اور ہرجا ہرجامیرو سے یہ حکام پاک تھا۔

### حکومت عدالتی چارہ جہتی اور جلد فیصلہ

یہ بات سوائی صورت سے ہے کہ انصاف میں تاخیر انصاف سے انکار کے مترادف ہے۔ ان حالات سے عدالت کا حکم انصاف مثالی تھا۔ عدالتی چارہ جہتی کا طریقہ آسان اور فیصلہ بہت جلد کر کے جاتے تھے۔ عموماً ایک چارو ساتوں میں فیصلہ دے دیتے جاتے تھے اور ان پر فوری عمل درآمد کر دیا جاتا۔ عہدہ منقولہ کا کسی کہتے ہیں کہ درخواست دوا کرنے، فیصلہ، اپیل، ترقی کی وصولی، حکم کے سختی کرنے یا اس پر قبیل کی کوئی ایسی نہیں لی جاتی۔ درخواست گزار نو ہداری یا عدالتی چارہ جہتی پر ایک پیر بھی خرچ نہیں کرتا۔ چاہے معاملہ بڑا ہو یا چھوٹا، فیصلہ ایک چارو ساتوں میں کر دیا جاتا ہے۔ عہدہ اور کے مطابق، مقدمے اور درخواستیں ایک آنے کے اسباب بھی چارو ساتوں کے جاتے تھے (دو پیر میں 18 آنے ہوتے تھے) ان کو حکومت کی طرف سے ہر تفصیل اور عدالت میں فراہم کر دیا جاتا تھا۔ ہر عدالت اور تفصیل میں خاص نکتہ تہیات ہوتے تھے جو درخواست گزاروں کے لئے عدالت میں درخواستیں لکھتے تھے۔ عدالت کی کوئی ایسی نہیں تھی۔ اور حرج و مرجع ہوتی کرتا ہے۔

ان بات کے خلاف نکتہ عدالت کے باشندوں کی اکثریت فریب ہے، مگر یہی اکثریت تھی کہ یہ عدالتی حکم تکمیل میں کس میں ہر فریب اس میں کچھ فرق کے انصاف لکھے، اسے سرانجام دینے کی سمت سے بھی آزاد کر دیا جائے۔ خدا کا ناکہ ناکہ فریب کہ اس لئے یہ حکم ہانپنے کی ذمہ داری میں یہ ساری انجمن موجود تھیں اور جو ملک میں دیکھ کر لکھنا میں سے لکھنا۔

ابو اس اسباب بھی کی قیمت بڑھادی گئی اور درخواست یا مقدمہ دوا کرنے والوں کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی تھی اور تفصیل یا عدالت کے معاملہ میں موجود فریب سرکاری نہیں بلکہ اس کا کام اسٹارڈن دیا جاتا تھا۔

## رشوت و بد عنوانی، اور رواداریاں

لوگوں کو طویل قدر بازی کے سمجھتے سے چھایا گیا تھا۔ اس طرح فیصلے بہت جلد اور ان پر عمل درآمد فرمایا جاتا تھا لیکن اگر پارسی اور رشوت خانی کے جرائم اقتصادی سے اس نظام میں موجود تھے۔ مہاشی اعتبارات ہمارے سرکاری نظام اور کاغذی ضرورت کا دامن رشوت کی پھینٹوں سے ایسا پاک نہیں رہتا تھا۔ اس طرح ذاتی مفروضہ و تضاد بھی اس کے فیصلوں پر اثر انداز ہوتے تھے۔ ایسا صاحب نے اعلیٰ چھٹیوں کے خلاف رشوت کے اثرات پر کچھ کارروائی بھی کی لیکن یہ کچھ نہ بڑھ کر ایک موجودہ اور وقت گزرنے کے ساتھ اس میں اضافہ بھی ہوتا گیا۔ عمران اس مسئلے کا حقیقی قلع کرنے کے لئے مناسب اقدام سے کچھ بڑھ کر کی جاوے گی۔

عمران بذات خود رشوت خانی میں ملوث نہیں تھے لیکن وہ اس سلسلے میں اپنے مفادات کو بہ نظر رکھتے رہے۔ فریڈک بارٹھ اس بات کی ننگن دی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ ان کی روٹیوں میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے کہ خدمات پر تنگ اور بد وقت فیصلوں سے قیام انصاف ہی دراصل عمران کا بنیادی کام ہے۔ ذاتی صاحب جرم کے خدمات لٹا دیتے تھے جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔

”اپنے وہ کئی بڑے کاموں میں میں نے سوس لاکھ روپے کا کام جو بہت بڑا کام ہے، جس میں مہاشی کا نام صرف ذاتی ذمیت کے خدمات ہی نہیں بلکہ جرم کے لئے دے گئے۔ اس کام میں میرے وقت کا واحد عمل ہوا تھا۔ آدھی میں ان کے ساتھ ساتھ دے دینے کے لئے کہیں کوئی اور مہاشی جو ملی کا کچھ کاغذی پر کیا۔“

لیکن فریڈک بارٹھ اس بات کا تجزیہ کرتے ہوئے رقم طراز ہے کہ مقامی سطح کی سیاست کو ایک یا چند دیگر پر جانے کے لئے معاملات کو نکلانے کا ذریعہ بہت اہم کردار ادا کرتا رہا۔ اس طریقے سے اسے اپنے دھوکے کاغذوں کی سطح سے اعلیٰ سیاسی دور کے تجزیوں سے محفوظ رکھنے میں کامیاب رہی۔ یہاں تک جہاں اسے اپنی اولیٰ مہدی کے دور کی بات بتاتے ہوئے اس نظام کے کٹھن پہلوؤں کی عین وضاحت کرتے ہیں۔

”ہمت گرنے کے ساتھ ساتھ مجھے ایسا کرنے کے لئے زیادہ خدمات دے جانے کے لئے زیادہ تنگ میرے پاس آنے لگے لیکن یہ تنگی جیسے تنگی پہلو اور ذاتی تنگی اور زیادہ بڑھ چکی تھی۔ اس کے ساتھ میرے پاس تنگی تھی۔ میرے پاس کے پاس جاتے۔ انہوں نے کہا کہ وہ تنگی نہ جاتے۔ ان کے خدمات اور ذمہ داریوں کا کچھ انہوں نے سنبھال لیا تھا۔ لیکن 1934ء میں یہ خدمات میرے لئے اتنے بڑے کہ ان کی تعداد میں کمی کرنے لگی۔ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ ان کے پاس کوئی نہیں رہتا تھا۔ سب میرے پاس آتے تھے۔ میرے والد نے ان کے خدمات صرف ان ہی صورت میں لینے تھے جب ان سے ان کی کوئی خاص مل بھی ہوتی یا ان کی ان کے پاس کچھ دیا جاتا۔ میں نے لوگوں سے نہیں کہا تھا کہ وہ میرے پاس آئیں لیکن میں ان کی خدمات کی قسم نہیں دیتی تھی۔ انہوں نے اپنی مرضی سے انہوں نے میرے پاس آتے تھے لیکن وہ میرے طرز و خصلت کے بالکل تھے اس لئے کہ میری کوئی ذاتی اثر نہیں تھا۔ مجھے یقین ہے کہ صرف اس حد تک

ہاتھ نہیں بند کرے گا۔ جب میں سکر ہوں تو یہ بھی بند کر لیتوں ہرے پاس آئے تو میں دھڑ سے بندھی (والہ سیاست) سے اسے روکا تاکہ دیکھا اور اصراف کے مخصوص کے مطابق قبضہ کر لے گی کہ کھاتے ہیں اور جلی لگیں اوجاہت اور جوں (ابوس) میں تبصرہ تھا اس لیے کہ وہ ملک میرے پاس آتے یہ گوردیوں کے پاس جاتے۔ یہ کوئی ہاڈی اور نہیں تھا کہ میں اس طرف دھڑا بندھی کی وجہ سے یہ ملک سے ہی شروع ہو گیا یہ سہ سکا تھا کہ اگر کوئی ٹانگ کی ذہن کا رہتا ہے۔ یہ عبادت ہے انہوں نے مزہ لہن کا لکھ تویا میرے ہرے پاس آئے۔ اس لیے کہ نہیں لکھنا مست ہوتا ہے۔"

والی صاحب کے اس بیان سے بھی دھڑا بندھی والی سیاست کا پتہ چلتا ہے:

'میرے یہ کہنا تھا کہ جہاں یہ رہتے رہے اس کے خلاف کثرت پلے گا کوئی شاپنگ سے روکنے نہیں تھا لیکن وہ سلسلہ دار ہے اور دھڑ سے بندھی کی سیاست میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ سب انہوں نے اپنی اس عبادت پر کھلی لکھ کر کے۔"

وہ ان صاحب والی سیاست کا کہتا ہے کہ وہ انہوں نے دھڑ سے بندھی کی سیاست سے اس پر ہر کچھے تھے اور حق و انصاف پر مبنی ٹھیکہ کرتے تھے لیکن یہ صرف اور صحرا ہی ہے۔

فریڈرک بارٹر ریاست سوات میں عمومی انتظامی صورت حال کا اجمالی خوب صورتی سے جائزہ لیتے ہوئے لکھتا ہے۔

"چونکہ علاقے میں اسے تمام طاقتور اور ان کی تنظیمیں اور وہ آؤ کہ وہ تمام کی نقل نہیں تھی... یہاں یہ کہنا کافی ہے کہ انہیں یہ نظام ترتیب دینی کی ریاست میں سے نہیں تھا۔ اگرچہ یہ علاقہ کو سامنے لکھا کہ انہوں نے اس تنظیم کے بعد سے یہ تمام طاقتور قبائلی تنظیمیں شمال یا انہیں کے جیسے ذاتی کاظمین کا نظام چوری ریاست سے لیا گیا۔ مصوبات کی بنیادی کا تصور عملیہ سے سزا کا دور دورہ انہوں نے اس قسم کی سزا پر تبصرہ کیا تھا۔ ریاست سے لیا گیا۔ یہ ایجاد تھا، ان کی طرف سے بہتر ذاتی فرق کی تشکیل کا طریقہ تھا اور انہوں نے انہوں کو ترمیم یا جا سکتا ہے۔ کہ انہوں نے اس سے منصف نہیں تھا۔ لیکن اس سے یہ خیال یہ ریاست سے لیا گیا ہے لیکن یہ ریاست سوات کا خیال یہ تھا کہ اس کی زندگی کی شناخت تھا۔ انہوں نے اس ریاست کے تمام کا جو یہ رہ گئے تھے۔ انہوں نے انہوں کو ریاست سے لکھا کہ یہ سب سوات کی تمام طاقتور تھا۔ نہ انہوں کے پاس انہوں کو یہ سزا کا تصور تھا۔ نہ انہوں کو انہوں کے تمام۔ انہوں نے یہ سوات کو لکھا تھا کہ انہوں نے انہوں کو لکھا تھا۔"



1954: نئے سوات کے محکمہ کے سرپرست ڈی ایچ ایم کے زیر اہلی مسلمانوں کا ایک نیا تنظیم بنایا گیا جس میں اس وقت کا اعلیٰ کوئی ڈاکٹر نہیں تھا اور محکمہ میں ہی ریاست کا وزیر اہلی اور گورنر بھی تھے۔ ڈاکٹر مسلمانوں کو سوات اور قریب کا کئی ڈاکٹر نہیں آئے۔ ایک 1954: ڈاکٹر اعلیٰ محکمہ، بہرائی میں، ہوم ہیڈ ڈاکٹر اعلیٰ محکمہ، ڈاکٹر مسلمانوں کو سوات اور قریب کا کئی ڈاکٹر نہیں آئے۔ ایک 15۔

گاہیں اور گاہوں سے جس کا سب سے سیر کیا جاتا تھا اس کی تصویریں جانتے کے لئے ٹی وی میں نمبر 17، 53 اکتوبر 1963: ڈاکٹر مسلمانوں کو سوات اور قریب کا کئی ڈاکٹر نہیں آئے۔ ایک 15۔

سیرتوں، پالیسیوں، تنظیموں، ڈاکٹر مسلمانوں کو سوات اور قریب کا کئی ڈاکٹر نہیں آئے۔ ایک 15۔

جانتے جاتے ٹی وی میں نمبر 17، 53 اکتوبر 1963: ڈاکٹر مسلمانوں کو سوات اور قریب کا کئی ڈاکٹر نہیں آئے۔ ایک 15۔

جانتے جاتے ٹی وی میں نمبر 17، 53 اکتوبر 1963: ڈاکٹر مسلمانوں کو سوات اور قریب کا کئی ڈاکٹر نہیں آئے۔ ایک 15۔

## سماجی اور ثقافتی پہلو

کسی بھی معاشرہ کے سماجی اور ثقافتی پہلوؤں کو جاننے پر کھنے سے اس بات کا تجربی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ معاشرہ میں اندازہ ہے یا نئی یافتہ۔ اسی لئے ریاست سوات میں سماجی اور ثقافتی مطالعہ تفصیل طلب ہے۔ یہاں تعلیم، زبان، مذہب، صحت، مستقل بندوبست، راضی، معاملات، صنعت و تجارت، امداد، قیادت اور معاشی مسائل وغیرہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔

### تعلیم

عالمی سطح پر تعلیم کی اہمیت ایک تعلیم شدہ امر ہے۔ ریاست سوات میں مثال مطالعہ ریاست کی تشکیل سے قبل تعلیمی لحاظ سے اچھلی میں اندازہ تھے۔ اس لحاظ سے ان کی صورت حال مثال مغربی سرحدی صوبہ کے قبائلی علاقہ کے لوگوں سے مختلف ہے۔ اگرچہ تعلیم اپنے مغربیائی شکل و طرح اور قابل نگاہ کی وجہ سے یہاں موجود ہے۔ اس کے اثرات نہیں پہنچے تھے۔ آبادی کا ایک بہت چھوٹا حصہ بنیادی روایتی مذہبی تعلیم سے بہرہ ور ہے۔ باقاعدہ صوبہ میں حکومت کے ذریعہ انتظام اطلاع کی طرح جو یہ تعلیم کے لئے نہ کوئی تحریک تھی اور نہ قابل ذکر کوشش۔ لوگوں نے بھی اس ضمن میں ایسی کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تھا کہ اپنے بچوں کو جو یہ تعلیم سے روشناس کرانے کے لئے ملک کے دیگر علاقوں کی طرف بھیجیں۔

میں گل مہار اور میں گل جہاں زریب کے اپنے حالات سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ سوات میں تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ ۱۹۴۳ء میں سوات اور برطانوی ہند کی حکومت کے درمیان ہونے والی عہدہ کتابت سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہاں خالص خالص بچوں کو شروہ ایسے تھے جو کسی حد تک روایتی طرز تعلیم سے واقفیت کی حیثیت سے عربی اور فارسی زبانوں سے آگاہ تھے۔

## میاں گل عابد اللودو کے عہد میں جدید تعلیم

جب ریاست معروضہ راجہ میں آئی اور عبدالودو نے اسے کسی حد تک منظم کرنے اور جدید تعلیم کو جدید طرز زندگی سے لوگ متعارف بنانے لگے۔ حلالان کو اور ان پر نہ تھا لیکن آجے جدید تعلیم کی اہمیت کا پتہ لپنی اور ان کو وہ چاہتا تھا کہ بغیر جدید تعلیم کے ریاست کو جدید خطوط پر کامیابی سے چلا سکیں نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہم عہدوں پر اہلی قابلیت کے لوگوں کی خدمات حاصل کرنے کی ضرورت نے ان کے اس خواب اور طرز عمل کے لئے ہمیں کام کیا کہ وہ ریاست میں ایسے تعلیمی ادارے قائم کرے جہاں سے ریاست کی ضرورت ہوتی ہو ان کے لئے مختلف طور ہونوں کے ذریعہ ان کی ترقی حاصل ہوا ہو سکے۔

سید اشرف میں پہلا پرائمری اسکول مارچ 1922ء کے قریب کھلا تا کہ 1925ء (1926ء میں) یہاں کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ پشت اور سو پائی خیرہ انڈی (پاس) میں پرنسپل 1923ء کی تاریخ میں بنے گا کہتا ہے کہ یہاں تک نے اپنے سید کے اسکول میں اور پندرہ ماہ کے ایک ہاشمے میں اہلی کو (پرائمری) اور پائی اور کوہات میں مٹھی کے پرائمری اسکول 1923ء سے چلے گئے (معلم شہزادہ) کہا جاتا ہے کہ اسے شہزادہ تعلیم سے نکال دیا گیا تھا۔ اس سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ یہ اسکول 1923ء سے پہلے قائم کیا گیا تھا۔

اس خیرہ پرائمری کو پڑھنے کے بعد آری کو جرت ہوتی ہے کہ آخر میں پرائمری کے تحت اور اس عہد کے

ساتھ میں یہ پہلا اسکول کھولا گیا۔ خیرہ لکھی، پرائمری میں پرائمری لگا دیا گیا ہے کہ پرائمری خیرہ کے ذریعہ اور

وہ سے ایک نئی جماعت کی داغ بیل ڈالی گئی ہے جو کہ مقامی سطح پر پندرہویں اسکول تعلیم کی ترقی ہے۔ جس۔

ان کا بنی بنکوری اور مالی امداد مولوی سید احمد صاحب المعروف امرا لکھی کرتے ہیں۔ یہ لاہور کا ایک نوجوان ہے جو

1915ء میں لاہور میں نیکل کالج سے لڑا اور نے دہلی میں شامل تھا۔ اس وقت میں مزید بتایا گیا ہے کہ

”عمل کے اس جماعت کے استاد جیسا پرائمری خیرہ پرائمری ہیں۔ میں کہتا ہوں ہے کہ پڑے قابل ملانے میں اسکول

نہوے جائیں اور مختلف پرائمری سے پڑھنے کے لئے ان قسم کے نئے اسکول اور پندرہویں اسکول میں پہلی ہی نمونے ہائے

ہیں۔ ان اسکولوں میں سب حکومت اور گورنمنٹ تعلیمی پانچنے کی نئی پرائمری کے لئے نئے طریقے پر چلے گا۔ پندرہویں

مذاہب کو سزا دینا اور میں چاہتا ہوں کہ اس سے علماء میں پندرہویں پرائمری میں اور اگر یہ تعلیمی پانچنے ہوتے

پہاں چاہتا ہوں کہ گورنمنٹ کو پانچ میں پھیلانے۔“

اس جماعت کے مولوی سید اللودو (جو کہ سب کے اختلاف ذریعہ میں چاہتا تھا ان کے تعلیمی منصوبوں

سے منسلک رہا تھا) کی عہد اللودو کے ساتھ سید احمد صاحب کی اور ان کے درمیان آخری تعداد سے یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ

سے کہ سید اشرف سوات میں عبدالودو کے ساتھ مل کر اس نے مارچ 1922ء سے لپنی یہاں پہلا اسکول قائم کیا جو کہ

بند کے انکوائری رضا اس سے اظہارِ عقیدت سے آنے والی اور ادا کیے تھے۔

جولائی 1925ء میں مرہاں کے اسٹنٹ کسٹرنے ایک پورٹ میں بتایا کہ میں گل مہاراجہ کے وزیر بننے ایک ملاقات کے دوران بتایا ہے کہ میں گل (مہاراجہ) اپنے ملاقاتیوں میں پرائمری اسکول کھولنے کے ایک منصوبہ پر عمل درآمد کرنا چاہتا ہے۔ سالانہ جولائی 1925ء سے پہلے پورٹ میں اسکول نہیں کھلے لیکن اس سے پاپا صاحب کے ذہن میں اس ملاقات کے لئے مصلحتوں کے منصوبوں کے بارے میں بہت چل رہا ہے۔ مہاراجہ کا دعویٰ ہے کہ لوگوں کو جدید تعلیم کی طرف راغب کرنے کے لئے اس نے پہلے مذہبی تعلیم پر زور دیا تاکہ وہ دیکھ سکیں کہ نئے تعلیمی کے قابل اور جانیں۔ خود اس کا کہنا ہے۔

”ماں کو میرے بہت شرم سے کہتا تھا کہ سال زیادہ تر تک اچھل کود مگر بڑی ذمہ داری ادا کرنے میں گذر گئی لیکن اس دوران میں لوگوں کی تعلیمی ضروریات سے عمل میں نہ آ سکا۔ جسے ہی کوئی چاہتا ہے۔ راستہ کا حصہ بننا ہے، اس وقت سے پہلے تھے مرہاں میں کلاسز، چھ ماہ کے ابتدائی اسکولوں کے مطابق لوگوں کی رہائی کریں اور انہیں پڑھنے لکھنے کی طرف راغب کریں۔ دینی ملاقات میں لوگوں کی رہائی پر اس لئے زور دیا کہ اس وقت سوانہ کے عام لوگ اپنے دینی کے بارے میں بہت کم جانتے تھے۔ حتیٰ کہ انہیں سب کے اہرام کا بھی کوئی خاص خیال نہیں تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ جدید مدرسی تعلیم کے لئے اس طرح سے سہولتیں ضروری تھیں کہ لوگ جڑی اور عملی طور پر اس کے لئے تیار ہو جائیں اور اس کے لئے اس کے اندر ایک لگن پیدا ہو جائے۔“

سید شریف کے پرائمری اسکول کے علاوہ ری کونٹ، چار بانج، بلیکس، ڈگر اور پاپا کالج میں بھی پرائمری اسکول کھولے گئے۔ پرائمری اسکول انجمن نے دسمبر 1927ء میں اس بارے میں لکھا کہ:

”نہایت ہی بد حکومت کی نگہ بند کے ساتھ (مہاراجہ) نے سید میں ایک ایسی ہیڈ سکول کھولا ہے اور اس طرح راستہ میں اس نے 12 پرائمری اسکول کھولے ہیں۔ وہ تعلیم پر سوانہ اور مرہاں کے فروغ کرتا ہے۔ اہل (پاپا صاحب) کی اولاد سے لے کر تعلیم کا ایک سلسلہ بندی سے اس اسکولوں کا سلسلہ کرتا ہے۔“

اس طرح 1927ء میں سید شریف میں پہلا نڈل اسکول کھلا اور پرائمری اسکولوں کی تعداد بھی 12 تک پہنچ گئی۔ تھوڑے وقت میں اور دعویٰ کرتا ہے کہ پاپا صاحب نے برطانوی اتحاد کے اسکولوں کے طرز پر اسکول کھولنے کے جدید مدرسی تعلیم کا آغاز کیا اور لوگوں کے گروہوں پر فوجی بیج کرانہیں اپنے نئے اسکولوں میں داخل کرنے پر مجبور کیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان اسکولوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ”مختلف مراحل جیسے لوگوں کی تعلیمات اور ان کو سنبھالنے کے لئے پاپا صاحب کے طریق کار کو مد نظر رکھتے ہوئے تھوڑے وقت میں اس دعویٰ سے اتفاق کرنا مشکل ہے کہ پاپا صاحب کو لوگوں کو اپنے نئے اسکول بھیجنے کے لئے فوجی بھیجنے پڑے ہوں۔“

مدرسی تعلیم کی طرف لوگوں کو راغب کرنے کے لئے پاپا صاحب کی کوششوں اور لوگوں کی اس سے متعلق اور

ان ضمن میں ملاؤں کے نقلی کردار کا اجماعی طرح تسلسل جاننا لینے ہونے کو تیر غائب جان کر رہا ہے کہ ان دنوں بات سے سید اسکول کے علاوہ باقی مدارس اسکول طلباء کی عدم دست یابی کی وجہ سے بند کرنے پڑے۔ ہاں ایک اور اسکول بریکوٹ کے مقام پر طلباء کی بہت کم تعداد کے باوجود کھلا رہا۔ تاہم ریاست میں اسکولوں کی بندش کی وجہ طلباء کی عدم دست یابی پر گز نہیں تھی۔ اس کے پیچھے دراصل ایک بہت ہی قبیح سوچ کا اثر تھا۔ 1930ء کی دہائی کے ابتدائی برسوں میں ہندوستان میں انگریز مخالف احتجاج کے بعد پختگی لگتے نے اہل صاحب کو متنبہ کیا کہ لوگوں کو تعلیم دلانے کا اس کا جو بھی مقصد ہو لیکن اس سے وہی طریقہ اسے بھی ہو گا جو کہ تعلیم دلانے کے بعد بنیادوں پر حکومت کو درپیش ہے۔ مطلب یہ کہ انگریز حکومت کی فراہم کردہ سہولتوں سے فائدہ اٹھا کر تعلیم حاصل کرنے والے جس طرح اس حکومت کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں اس طرح اس کی دہلا بھی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوگی۔ اسی لئے اہل صاحب نے سید شریف اور بریکوٹ کے اسکولوں کے علاوہ اپنی مدارس اسکول بند کر دیئے۔ اس کے علاوہ ان میں 1930ء کی دہائی میں زکوٰۃ کی اسکول کو کھولا گیا اور تہی پرانے بنے اسکول کھولے گئے۔ 1940ء کی دہائی میں سید شریف میں قائم 1111 اسکول کو اپنی اسکول کا درجہ دے دیا گیا اور نئے اسکول بھی کھولے گئے۔ اس کے بعد حکومت کے آخری سال 1949ء میں مسطحین نے اسکولوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف رائے کا اظہار کیا ہے۔ ایک کے مطابق ایک ہائی اسکول، 7 ٹوٹوڈال اسکول اور 28 پرائمری اسکول اس طرح اسکولوں کی کل تعداد 35 بنتی ہے۔ دوسرے کے مطابق ایک ہائی اسکول، تین ڈال ٹوٹوڈال اور پرائمری اسکول۔ اس طرح کل تعداد 25 بنتی ہے۔

اولف کیرو نے بعد ازاں 1949ء کے بعد حکومت میں صحت و تعلیم کے شعبوں میں ترقی کے بارے میں یہ بات کرتے ہوئے سوال سے کام لیا ہے کہ وہ ہر جگہ اسکول اور اسپتال تعمیر کر رہا تھا۔ وہ حقیقت ان دنوں شعبوں میں زیادہ تر کام اس کے بننے میں اگل جہاں ترقی کے اور حکومت میں ہوا ہے۔

تاکہ ان ضرورت کو پورا کیا جاسکے۔

اس سے پہلے تعلیم کا کوئی علاحدہ محکمہ موجود نہیں تھا۔ وہ وہی ہائی اسکول کا ہیٹھ بائٹری سارے اسکولوں اور تعلیمی امور کا گمان تھا۔ وہ انجیلو کی سربراہی میں تھا۔ وہی صاحب نے ڈائریکٹر ایجوکیشن کے ماقہہ تعلیم کا ایک محکمہ قائم کیا۔ اس محکمہ کے امور وہی صاحب اپنے پرائیویٹ سیکرٹری (جسے بعد میں ڈپٹی سیکرٹری اور اسٹنٹ سیکرٹری کی مدد حاصل تھی) کی مدد سے خود چلاتے تھے۔ ہر سال نئے اسکول کھلتے تھے اور پرانے اسکولوں کا روبرو بڑھایا جاتا تھا۔ وہی صاحب ریاست میں قائم تعلیمی اداروں کا بڑا اہم خود جانرہ لینے رہتے تھے۔

حکومت سنبھالیے کے بعد 1950ء کے دور میں انہوں نے اپنے نام پر ایک کانٹے قائم کرنے کے کام کا آغاز کر دیا۔ اصل میں سب سے پہلے تعلیم کی غیرت کے بعد 1951ء میں وہ وہی ہائی اسکول کے نوبی اور دوسری جماعت کے طلباء کو یہاں منتقل کر دیا۔ 1952ء میں آنسو سیشن کے لئے سالہ اول (گیارہویں جماعت) میں طلباء کو داخلے دئے گئے۔ بعد میں کانٹے میں کنگو کی کمی تحریر میں بیان کر وہ یہ بات کہ یہاں گل جہاں زیب نے 15 ستمبر 1952ء کو کانٹے کی بنیاد رکھی تھا ہے۔ گیارہویں جماعت میں داخلے ستمبر 1952ء میں اپنے گئے جب کہ اسکول کی کلاسوں ایک سال پہلے اس عمارت میں منتقل کی گئی تھیں۔ جس کی تعمیر بنی بھڑو ڈیپو سیشن کے بارہ راستہ یہاں سے میں ہے جسے پورا کیا گیا ہے۔ کانٹے کی غیرت کا نام سب سے پہلے 1950ء میں شروع ہوا یا باقاعدہ مگر کانٹے کی بنیاد 1950ء میں ڈالنی اور اس کی اصل میں سب سے پہلے 1951ء میں پایہ تکمیل کا اتفاق ہوا۔ کانٹے کی کلاسوں کا افتتاح ستمبر 1952ء میں کیا گیا۔ کانٹے کی عمارت کا ڈیزائن انگریزی حرف "اے" سے متاثر ہے جس کا (خیال کیا جاتا ہے کہ) چینی اشارہ ایجوکیشن (تعلیم) کی طرف ہے۔ بعد میں اس میں ایک تیسری منزل کا اضافہ کیا گیا اور ایک علاحدہ سائٹس باک بھی تعمیر ہوا۔

ملاقات میں جب وہ تعلیم کے فروغ میں اس کانٹے کا کام کر رہے تھے۔ سوات اور مردان سوات کے طلباء یہاں حصول تعلیم کی غرض سے آتے تھے۔ حوڑ کی بات یہ ہے کہ گیارہویں اور تیرہویں جماعت میں داخلے لینے والے پہلے طالب علم ہونے کا اعزاز اور ان ریاست سے متعلقہ کئے والے طالب علم یا ترقیب سید احمد جہاں (اسا علیہ) اور محمد اقبال (دکنان زئی) کو حاصل ہے۔ حکومت پاکستان نے سماج بھڑی اسکول کے وقت ریاست کو ایک ایک کنگو چھوڑنے کے کانٹے کی تعمیر اور یہاں سائٹس لیڈری کے قیام میں مدد دی جاسکے۔ تاہم یہ ملائگی ایک حوالی کارروائی اور نہ نعم ہونے والے تیسری تہاں کے بعد ممکن ہوگی۔ شکر گزاری کا عقیدہ میں کیا گیا: سوات کا سکھان اجمالی سرت کے ساتھ اس شخص کو کہ وہ رقم کے التزام پر شکر گزاری کے جذبات کا عقیدہ کرتا ہے۔ یہ رقم اس کانٹے کی تعمیر کے منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے کام میں مددگار ثابت ہوگی۔ بھڑو ڈیپو سیشن کانٹے کی تعمیر شروع عمارت اور آنے والے وقتوں

کے لئے دہلی کے تعلیمی منصوبوں کے بارے میں بیان کرتا ہے۔

”اسکول کی تعداد پندرہ سو پانچ سو ہو گئی تھی۔ پرنسپل نے ہمیں بتایا کہ نئی اسکول کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس دوران میں میں نے جو تعلیم دہلی دیکھا وہاں کے کافی کی کھوسوں میں چلے جائیں گے۔ جنہیں کئی ماہ میں میں دیکھ رہا ہوں۔ بعد میں یہ کالج اس تعلیمی پروگرام کی پہلی کوشش کے طور پر سامنے آئی تھی۔“

لیکن کالینیل تھا کہ اس نے ایشیا کی ایک عظیم تعلیمی خام خیالی کا مظاہرہ کر لیا ہے جس کا آغاز اوپر سے ہوا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ خام خیالی نہیں تھی بلکہ یہ ایک حقیقت تھی جس کے حصول کی جدوجہد کا آغاز ہو چکا تھا۔ لیکن اس دوران کنگڑوں میں اسکول کھولنے کے منصوبہ کا آغاز کب ہوا کے جواب میں پرنسپل نے بتایا کہ دہلی صاحب کافی عرصے سے اس کام کے لئے کوشاں رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب ہر گاؤں میں کم سے کم ایک اسکول کھل چکا ہے۔ اب کہہ سکتے ہیں کہ اسکول کا کام کر رہے ہیں۔ لیکن یہ بات لگتی تھی کہ 1952ء میں دہلی کی کنگڑوں کی کل تعداد 49 ہے جو کہ ریاست میں موجود کنگڑوں کی تعداد سے بہت کم تھی۔ اور حقیقت سزا لگتی تھی کہ اس دور تھی۔

یہ حال اس سلسلے میں حقیقی صورت حال کا اندازہ دینا دشوار سے لگایا جاسکتا ہے۔ 1949ء میں چار ہزار مربع میل کے علاقے پر پھیلی ہوئی ریاست میں صرف ایک ہائی اسکول، تین نڈل اسکول، نو لوئر نڈل اسکول اور 12 پرائمری اسکول تھے۔ اب کہ اگر 1944ء سے اس کا موازنہ کریں تو اس وقت پوری ریاست میں ایک اسکول، ایک نڈل اسکول اور 12 پرائمری اسکول تھے۔ آنے والے برسوں میں تعلیمی میدان میں زبردست ترقی؛ 1959ء میں یہاں ایک کالج، نو ہائی اسکول، 25 نڈل اسکول، 19 لوئر نڈل اسکول، 53 پرائمری اسکول اور 34 پرائمری اسکول تھے۔ 1969ء میں ایک کالج، 37 ہائی اسکول، 33 نڈل اسکول، 14 لوئر نڈل اسکول، 184 پرائمری اسکول اور 120 لوئر پرائمری اسکول تھے۔ 1967ء میں دہلی نے دو اور کالج ایک ڈگری کالج اور سرحد (ساتھ ساتھ) میں قائم کرنے کی منظوری دی۔ اس کے لئے مالی سال 1967-68ء کے بجٹ میں رقم تقصیر کی گئی تھی۔ خیریت کا کہنا تو دہلی کے عہد حکومت میں مکمل ہو گیا لیکن ان دنوں کا باقاعدہ افتتاح، ریاست کے انجام کے بعد مکمل ہوا ہے۔

تعلیمی اداروں کی تعداد کے ساتھ ساتھ اساتذہ کی کارکردگی اور تعلیمی معیار کی طرف توجہ دینا بھی لازمی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے قابل طلبہ کو دیکھا گیا ہے۔ جیسے جاتے تھے اور اساتذہ کو بھی کارکردگی پر انعام اور بری کارکردگی پر سزا دی جاتی تھی۔ دہلی صاحب اس ضمن میں کہتے ہیں کہ

”میں نے اپنے کام میں دہلی معیار کے حصول کے لئے مناسب انتظامات کیے۔ اساتذہ امتحان میں ان کی اصلاح کا نتیجہ 90 فی صد اس سے زیادہ ہے۔ اس سے علاوہ اساتذہ کی اضافی کارکردگی جاتی اور جس امتحان کا نتیجہ 30 فی صد سے

ان سے ہم کو اسے بطور مدرسہ سال کی گواہی دینے جانے والے سالوں کے خلاف سے گواہی دیا۔ ۱۹۵۲ء میں اس مدرسہ میں نے اساتذہ کے لئے ۲۰ مدرسہ کا ایک باقاعدہ کلام پڑھا جس کی وجہ سے اس وقت کا پختہ پڑی ہوئی کے لئے کوٹاہ، ہے۔

ریاست میں سکول کے حیاتی مشنری اسکول کے علاوہ کوئی غیر سرکاری اسکول موجود نہیں تھا۔ اسے ۱۹۵۰ء کی دہائی کے اوائل میں کھولنے کی حوصلہ افزائی کی گئی تھی۔ اس کے لئے زمین بھی ریاست کے جیسوں سے خریدی گئی اور ریاست کی تعمیر بھی جاتی جیسوں سے کی گئی۔

اسٹنٹ ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن (انٹیکمپری ہنجر) نے ریاست میں تعلیمی میدان میں کثیر الجہت ترقی کی تعریف کی اور اس پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔ اس نے ہرزور الفاظ میں ستارشی کی کہ تم از کم ایک لاکھ روپے کی ادوار ریاست کو ان ضمن میں دہی جانے کا کہ یہاں تعلیم کے فروغ کے لئے خریدی گئی جائے۔

ریاست میں فروغ تعلیم کے لئے ان کی مساعی کے اعتراف کے طور پر دہلی کا سلطان اعظم کے خطاب سے نوازا گیا اور جاسو پٹاور نے ایل ایل ڈی (ڈاکٹر آف ڈی) کی اعزازی سند سے نوازا۔ دہلی صاحب نے دہلی کیا کہ وہ نیا اعزاز پانے والے پہلے پاکستانی ہیں۔

## لوگوں کی شراکت

تعلیمی اداروں کے قیام اور وہاں کھیلوں کے میدانوں کے لئے زمین مقامی باشندے مفت فراہم کرتے تھے۔ تعمیر کا کام بھی رہائی ملیتا اور مقامی باشندے مل کر کرتے تھے۔ نوکرائی کے بہو باشندوں نے مسجے کے مقام پر گورنر اسکول کے بارے میں تقریری حفاقت دہی کا نہیں اس اسکول کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور یہ کہ وہ اس کی تعمیر کے کام میں یہاں تک جان ننگ کے ساتھ کوئی تعاون نہیں کریں گے اور اگر یہ بین کیا تو اس میں اپنے بچے حصول تعلیم کے لئے نہیں بھیجیں گے اور اگر وہ اپنے بچے اسکول بھیجا چاہیں گے تو یہاں تک جان ننگ کو اسکول کی تعمیر پر ترجیح ہونے والی ساری رقم بخندہ لگا کر دیں گے۔ ریاست کے آخری برسوں میں اسکولوں کی تعمیر کا سارا کام ٹھیکہ دار کیا کرتے تھے اور اس کے لئے انھیں ریاست کی طرف سے ادائیگی کر دی جاتی تھی۔ نوک اور رہائی ملیتا اس کام میں کوئی حصہ نہیں لیتے تھے۔

ابتدائی برسوں میں مرکزی حفاقت سے باہر کے اسکولوں کے ملاکی کو ان بھی مقامی باشندے سے چندہ کر کے دیتے تھے۔ پانچ نکل ایجنٹ اور سوات اور چترال ڈائریجٹ آف ہے، کہتا ہے۔

”سید سوات کے ہنگامی اور نکل میں قائم اسکولوں کے ملاکی کو ان رہائی کو ان سے دہی جاتی ہے۔ جب کہ دیگر اسکولوں کے اساتذہ کی کوٹاہی گھر آئے گا نہیں بچ کر کے ادائیگی جاتی ہے۔ یہاں لوگوں کی مرضی شامل ہوتی ہے۔ چار اسکول بھی



ہفت میں اور ایک ہجرتی سفر میں سے بڑھ کر ایسے بچے کو اپنی تعلیم سے روک دیا گیا۔ اس کے لئے کامیابی  
 تھی۔ اس میں دو ہجرتی سفر میں سے بڑھ کر ایسے بچے کو اپنی تعلیم سے روک دیا گیا۔ اس کے لئے کامیابی

ظاہر میں تھا۔ اس نے خوشی میں بھی اپنی بڑھ کر 1954ء میں تکریماً 3115ء پہ نئی سہولت کے لئے کامیابی

اور 1956ء میں باقریہ سہولت کا اعزاز اور 1957ء میں 12 ہجرتی سفر میں تکریماً 3115ء پہ نئی سہولت کے لئے کامیابی

انتظام میں اور حکومت میں واقع اسکولوں اور چند دیگر منتخب اسکولوں میں تعلیم ملت تھی لیکن باقی اسکولوں میں

لوگ نہیں آتے تھے۔ حالانکہ بعد میں برائے نام نہیں لی جاتی تھی لیکن باوجود تعلیم ملت تھی۔ اس میں تکریماً 3115ء پہ نئی سہولت کے لئے کامیابی

نہیں سے مستثنیٰ تھے۔ ان کی کتابوں اور برائی فارم کا فریڈ ریاست اعلیٰ تھی لیکن اس کا یہ مطلب یہ نہیں کہ ساری

آبادی کو تعلیم کی سہولت حاصل تھی یا تو کہ تعلیم لازمی تھی جیسا کہ بعض پرورینکنڈہ کرنے والوں نے بتایا ہے۔

## تعلیم نسواں

سڑکیوں کی تعلیم کو نظر انداز نہیں کیا گیا اور 1926ء میں لڑکیوں کے لئے پہلا اسکول کھولا گیا۔ سو پندرہ سڑکی

تعلیم لازمی (سیاسی) اندراج فروری 1926ء میں لکھا ہے کہ یہاں تک میں میرا اور 1958ء میں لکھا ہے کہ ایک ہائی

اسکول کھولا ہے۔ تاہم انے والے برسوں کی رپورٹوں میں جہاں یہاں تک میں لکھا ہے کہ یہاں تک میں میرا اور 1958ء میں لکھا ہے کہ ایک ہائی

کے لئے کسی علاحدہ اسکول کا کوئی ذکر موجود نہیں۔ اس لئے لکھا ہے کہ یہ علاحدہ اسکول کھلنے کے بعد جلد ہی بند ہو

گا۔

سڑکیوں کے لئے علاحدہ اسکول نہ ہونے کی وجہ سے علحدہ تعلیم کا رواج تھا۔ ڈائریکٹر آف ایجوکیشن چھوڑ

دیگن اور اسٹنٹ ڈائریکٹر آف پبلک ایجوکیشن (فرینچیز راجھو) نے 1958ء میں لکھا کہ یہاں تک میں میرا اور 1958ء میں لکھا ہے کہ ایک ہائی

کے بعد خود دیا کہ اساتذہ اور طلباء کی بہتری کی فرض سے لڑکیوں کے اسکولوں میں ترقی تعلیم پھیلنے والی اسکول لڑکیوں

بنا جلد لیکن ہر لڑکیوں کے لئے قائم کر وہ علاحدہ ہائی اسکول میں شریف میں منتقل ہو جائیں۔ لڑکیوں کے لئے

علاحدہ اسکولوں کا قیام اس وقت سے نہیں ہوا جس وقت کہ لڑکیوں کے لئے اسکول قائم کئے گئے۔ اسکولوں کی تعداد

میں ترقی یافتہ اضلاع ہوا لیکن لڑکیوں کے لئے صرف تین علاحدہ اسکول قائم ہوئے۔ وہ بھی صرف سید شریف اور جگمور

میں۔

سیف الملوک حاکم نے 1962ء میں مشفقہ ایک پریس کانفرنس میں دعویٰ کیا کہ لڑکیوں کے لئے ایک

کالج قائم کیا گیا ہے۔ یہ صرف ایک پرورینکنڈہ تھا جس لئے کہ ریاست کے دوران میں لڑکیوں کے لئے کوئی کالج قائم

نہیں ہوا۔ ریاست کے ارتقا کے وقت پوری ریاست میں لڑکیوں کے لئے صرف تین علاحدہ اسکول موجود تھے۔

## شرح خواندگی

پاکستان میں 1951ء میں کی گئی مردم شماری کے مطابق ریاست سوات اور گزما پکنی، بلتستان، و ہجنو میں ۱۱ ایسے علاقے تھے جہاں پرائمری اور اس سے اوپر تعلیم حاصل کرنے والے لوگوں کی شرح دیگر علاقوں کے مقابلہ میں قابل ذکر حد تک زیادہ تھی۔ ریاست سوات میں لڑکیوں کی تعلیم کی شرح بھی خاصی بہتر تھی۔ 1961ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست سوات میں شرح خواندگی 12 فی صد تھی۔ والی صاحب کا دعویٰ ہے کہ ریاست کے ارقام کے وقت یہاں شرح خواندگی 20 فی صد تک تھی۔ یعنی پانچ برسوں میں اسے طے سے 20 فی صد تک لے جایا گیا۔ اور یہ سب کچھ ہماری اپنی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

یاد رہے کہ ریاست کے قیام سے قبل ہدیہ تعلیم تو یقیناً یہاں موجود نہیں تھی لیکن شرح خواندگی کسی صورت بھی صفر نہیں تھی۔ 1972ء کی مردم شماری رپورٹ میں جو اعداد و شمار ہیں اس سے یہ عیاں ہے کہ ضلع سوات یعنی ساہلہ ریاست سوات میں شرح خواندگی جو 1961ء کی مردم شماری کے مطابق 12 فی صد تک بتائی گئی تھی ۱۱۔۱۱ فی صد والی صاحب نے 20 فی صد اقامتوں میں کچھ نہیں تھے بلکہ سرورڈنوں کی مشترکہ شرح صرف 7.1 فی صد تھی (12.4 فی صد مرد اور 1.3 فی صد عورتیں تعلیم یافتہ تھیں)۔ شہری علاقوں میں یہ شرح 25.3 فی صد تھی (38.7 فی صد مرد اور 9.7 فی صد عورتیں خواندہ تھیں) جب کہ بعض علاقوں میں شرح خواندگی صرف 6.1 فی صد تھی (10.8 فی صد مرد اور 0.8 فی صد عورتیں خواندہ تھیں)۔ یقیناً یہ سب کچھ عکراؤں کی کوششوں کا نتیجہ تھا لیکن اس کام میں انہیں عیاں کے باشندوں، برطانوی اور بعد از یہی حکومت پاکستان اور صوبائی حکومت کی مدد بھی حاصل تھی۔

## وفاائف

ایک نام خیال یہ ہے کہ والی صاحبہ، اپنی طلباء کو پیراں، راست معمول تعلیم میں، اپنی نگرانہ اپنی بیب سے وفاائف دیا کرتے تھے۔ والی صاحبہ کی جانب سے دینے والے وفاائف درحقیقت اس ادوای رقم میں سے دیئے جاتے تھے جو پہلے برطانوی حکومت اور بعد میں حکومت پاکستان، اپنی حکومت کو دیا کرتی تھی جس سے اجا صاحبہ یہ بکراست برادر ہو گئے تھے کہ اسے کاجہ اعظم پاکستان میں تنظیمی کاموں کے لئے استعمال کریں:-

یوں تو پوچھنی محض قبول کر لی گئی تھی جو وفاائف حکومت نے اس رقم کے بارے میں یہ فیصلہ کیا کہ اسے ان وفاائف طلباء کے لئے وفاائف کی صورت میں استعمال کیا جانے کا جن کی گزارش والی صاحبہ کریں گے۔ اس طرف یہ وفاائف سوبالی حکومت دیتی تھی۔ والی صاحبہ صرف ان طلباء کی ملازمت کیا کرتے تھے۔ ختم طرہی کی بات یہ ہے کہ والی صاحبہ نے اس رقم کو حساب طریقہ سے استعمال نہیں کیا جس کی وجہ سے 1951-52ء میں پانچ لاکھ اسی لاکھ کے دفتر میں اس میں 20 ہزار روپے کی ٹرور کا واقعہ پیش آیا۔ والی صاحبہ نے اپنے بیان میں لکھا تھا پانچ لاکھ کے کوشش کی ہے کہ جیسے انہوں نے اس ادوای رقم سے دست بردار ہونے کی قرہائی دی ہو۔ جیسا کہ وہ کہتے ہیں:-

”میں نے ٹرور تعلیم کے لئے یہ رقم کوشش کی ہے۔ میں نے اسے اس ادوای رقم سے کوشش کے لئے بطور ایک جہاد استعمال کیا ہے جو ٹرور کی گردانے تھے۔۔۔ جب میں مگر اس وقت میں حکومت پاکستان کے لئے اس سے دست بردار ہو گیاں جب حکومت پاکستان کی طرف سے یہ کہا کہ کہہ اسے رقم میں رکھتے آپ اسے کوشش کے لئے نہیں کریں تو جواب میں میں نے کہا تعلیم اسے تعلیمی وفاائف کے لئے استعمال کیا جائے۔ وہ اسے رقم کرنے کے لئے چاہتے ہیں۔ یہ رقم بھی تک میرے نام ہادی ہوئی ہے جسے انہوں نے استعمال کیا ہوا ہے۔“

مندرجہ ذیل اقتباس سے اس بات کی وضاحت ہو جائے گی کہ درحقیقت اس ادوای رقم سے دست بردار ہونے کا فیصلہ والی صاحبہ کی جگہ اجا صاحبہ نے کیا تھا اور اس رقم کو وفاائف طلباء کے لئے وفاائف کی شکل میں استعمال کرنے کا فیصلہ بھی سوبالی حکومت نے کیا تھا۔ والی صاحبہ نے اس بات کی کج وضاحت نہیں کی ہے۔ مغربی پاکستان کے حکمرانی داخلہ کے بیان کے مطابق:

”مجھے پتہ چلے کہ لئے کیا کیا ہے کہ حکومت پاکستان اور راست حوات کے درمیان طے شدہ اجابہ کے مطابق وفاائف حوات اجا صاحبہ، حکومت پاکستان کی جانب سے ملازمت برادر ہے ادوای رقم لینے کا حق دار ہے۔ تعلیم کے بعد جب 1948ء میں کاجہ اعظم پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے سوبالی حوات کا دورہ کرنے آئے تو وفاائف حوات کے سوبالی حکومت نے اس وقت سے کاجہ اعظم کو یہ رقم ارسال کی۔

’لکھے اس بات کا سوبالی طرف سے اجازت ہے کہ گورنر جنرل، حکومت پاکستان کو کوشش کی وفاائف کا حوات ہے۔ میں:-

سود میں سے پانچ فیصد تقسیم ہوا کرتا ہے۔

نومست پاکستانی لکھے ماہانہ زبان پر ابھرو اور لہجے ہے۔ میں اپنی جانب سے ایک چھوٹی سی ادارہ کے طور پر دیکھا کرنا اپنے خصوص اور مہارت کے اعتبار سے لکھے ان ماہانہ نامہ ادبی رقم سے بیحد کے لئے دست بردار ہوا۔ 1975 میں اور درخواست کرتا ہوں کہ نامہ علم سے پاکستان کے تمام کے لئے کسی تنظیمی منصوبہ کی تشکیل کے لئے استعمال میں لایا گیا۔ ان پیشکش کو قبول کر لیا گیا اور ماہانہ سے ہر حد کی تحسنت سے ہمہ گیر پبلشنگ ایجنٹ لاکھ پورہ سال پر نام نکال لیا کریں اور اسے ابھرو اور مہارت دکھایا کریں اور اگر ان میں سے مہارت کے طلبہ کو کوئی کی صلاحیت پر دیکھا گیا ہے اور اگر نہیں ہے اس کے بعد سے ادبی مہارت کی صلاحیت کرتے ہیں۔ پبلشنگ ایجنٹ ان مہارتوں کو کوئی حکومت یا کھتر پٹا اور کوئی سال کرتا ہے جو اس رقم میں سے ان کا نصف کی صورت میں دیا ہے۔

دلی صاحب نے سیاسی اختلافات کی وجہ سے بعض طلباء سے حضور شدہ اور خاکہ ہاؤس لے لئے۔ یہ ادارہ رقم پر اور جرنل کے حکمرانوں کو کوئی جانے والی ادارہ کی تقریبات کے مقابلہ میں بہت کم رقمی۔ عبداللہ اور نے اس مسئلہ میں بہت کوشش کی کہ اسے دست برد کو کوئی جانے والی رقم کے برابر کر دیا جائے لیکن برطانوی حکومت دہشتی نہیں ہوئی۔ اس لئے سوشل فیلڈی اس سے جان چھڑائی گئی۔ دلی صاحب نے بھی دست برد کو کوئی جانے والی رقم کے مقابلہ میں سے ایک ٹرم قرار دیا ہے۔

## پشتون زبان کی خدمات

ریاست سوات کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے پشتو کو واحد سرکاری زبان قرار دیا۔ افغانستان میں بھی پشتو واحد سرکاری زبان نہیں تھی۔ وہاں اس کے ساتھ ساتھ دری زبان کو بھی سرکاری زبان کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا تھا۔ باچا صاحب کے دورہ اور کے اگرچہ جی ترمیم کے مطابق: "مقتدرہ سہیلے کے بعد میں نے پشتون زبان کو ریاست کی سرکاری زبان قرار دے دیا اور اس کی تقریر کے لئے آزاد رسم الخط کو اختیار کیا۔" لیکن اسی دورہ کی پشتو اشاعت میں انہوں نے کہا ہے کہ اقتدار سہیلے کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے پشتو کو سرکاری زبان بنایا۔ اس کا مشورہ انہیں دیا گئی۔ نیک پٹی مل کے ایک باشندہ ذوالفقار ننگ نے دیا تھا کہ ان کا قریبی دوست اور ان کے لئے نظیر ایجنٹ کارلینڈ سرانجام ہوا تھا اور انہوں نے انہیں بتایا کہ افغانستان میں پشتو کو سرکاری زبان بنا دیا گیا ہے۔

جون 1937ء سے پہلے ریاست میں فارسی کو سرکاری زبان کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ کتاب نمبر 1474 عنوان از 1935-8-21-1940: 2-7 سے یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے (جو کہ گل کدو میں 1974ء میں سڑک دیکھا اور نام میں ریاست اشاعت کے پیکارڈ میں موجود ہے) جہاں 8 شعبان 1356 ہجری سے اندراجات کی زبان پشتو ہے جب

نمبر نمبر 138 اور 168 میں 8 جون 1937ء اور اس کے بعد سے اندراجات چوتھے ہیں۔ جب کہ بے لہجہ، جملہ نمونوں، جملہ نمونے کے شکایات از کیم ٹی 1936ء میں اندراج نمبر 399-6 جون 1937ء اور اس کے بعد کے اندراجات چوتھے ہیں۔

چوتھی سرکاری زبان قرار دینے کے بعد عدالتی، قانونی اور شعری نگاروں کے دستروں میں سب اندراجات چوتھی زبان میں ہوتی تھیں جو کہ اس وقت دیکھا جا رہا تھا کہ وہ اصل کو دہرا کر اس وقت مال خانہ (سید شریف) اور تحصیل ساج کے دفاتر میں موجود دستروں سے عیاں ہے۔ اس دوران کئی قسم کی کافتی کا دورہ آئی گا جو کہ نہیں تھا۔ وہیں گل مہاروم کے بعد حکومت میں پھر ان اور سرکاری افسران کے درمیان رابطہ زبانی ہوتا تھا۔ اس مقصد کے لئے زیادہ تر اعلیٰ آفیس کے ذریعہ کو استعمال کیا جاتا تھا۔ غلطیوں کا استعمال نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس لئے چوتھی زبان ریاست کے اندر سرکاری غلطیوں کا استعمال کے لئے استعمال میں نہیں آئی جب کہ برطانوی حکومت اور بعد میں حکومت پاکستان سے غلطیوں کا استعمال کے لئے انگریزی زبان کو استعمال کیا جاتا تھا۔ وہیں گل مہاروم چاہے کو نہیں کہتے تھے لیکن وہیں گل مہاروم زیب پہناؤ سے تقسیم حاصل کرنے کی وجہ سے جاری اور اور انگریزی پر مبنی رکھتے تھے۔ انہیں چوتھی زبان چھٹے اور گھنٹے پر بھی قدرت حاصل تھی۔ اس بات پر وہ بہ جا طور پر فخر کرتے تھے۔ آپ کی طرح وہ بھی اپنے مقام کو زیادہ تر زبانی شکایات و ایات دیا کرتے تھے لیکن ریاست کے دیگر اداروں میں موجود بعض کافتیات پر ان کے دفتری لکھنوں ہاتھ سے گھٹی تحریریں موجود ہیں جن پر انہوں نے دھکا کئے ہیں۔ ان میں سے بعض کو اس وقت کے بعد اس وقت میں محفوظ کیا گیا ہے اور زیادہ تر عرضداشتوں اور درخواستوں پر ان کے دئے گئے جوابات پر مشتمل ہیں۔ وہ وقت و درمیان جاری کرتے تھے جنہیں چوتھی میں کیا جاتا تھا۔ سوات سے باہر کے لوگوں کے لئے ان کے فرمائشوں پر زبان اور وہی جب کہ تقسیم اور صحت کے نگاروں کی کہو لاکھوں کی زبان انگریزی ہے۔ اس سرکاری دیکھا رہا وہم میں موجود کافتیات میں ان کا کوئی ایسا ذاتی غلطی کسی اعلیٰ مرتبہ شخصیت کے نام موجود نہیں ہے جو اس دوران، جب ریاست کی سرکاری زبان چوتھی لکھا گیا ہو۔

ابتداء میں وہم لکھا بعد اور سوادہ تھا۔ زبان میں ناچاقی تھی اور یہ لطفی حیات العلماء سے جاری تھی۔ بہر حال اس نے سرکاری کام میں آسانی فراہم کی اور چوتھی زبان کے ارتقا میں مددگار بنی کہ اس کا ارتقا 1951ء میں فرنگیہ و جھڑھی شرح خواندگی کے لحاظ سے چوتھی کا نتیجہ ہوا تھا۔ اور اس کی خواندگی کا مرکز، ریاست کے سوات اور مہاراجہ کا رہنے کا علاقہ تھا۔

بہت سی کتابیں جیسے کیلیلا و تیت، تاریخ فرشتہ، تاریخ اندوستان کا چوتھی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور انہیں شائع کر کے لوگوں میں ملت پانگیا گیا۔ کچھ کتابیں چوتھی زبان میں لکھی گئیں جیسے تاریخ عمر خان، زیب سر کی تاریخ، افسانہ،

میر انیسویں قادی کی طرح، ریاست سوات اور آصف خان کی تاریخی ریاست سوات و سوات علیحدہ ہوتی رہا۔ ریاست سوات  
 حضرت میر گل گل شہزادہ میر عبدالودود خان بادشاہ سوات۔ اسی طرح اسلامی تہذیب پر مشتمل ایک کتاب "تہذیب و تمدن" کے  
 ۲۳ سے ۲۵ صفحات میں شائع کی گئی۔ اس کتاب کی تہذیب و تمدن پر مشتمل تھی۔

چونکہ سوات و پختونستان میں ذہنی تعلیمی اداروں کی کمی تھی بلکہ برطانوی ہند اور بعد از تقسیم پاکستان میں  
 راج ذریعہ تعلیم یہاں بھی رائج تھی۔ اس تعلیمی اداروں کا الحاق اور نصاب تنسیک کے دیگر حصوں جیسا تھا۔ ۲۴ مہینہ پختون  
 اداروں سے فارغ ہونے والے بہتر تھے اور پختونستان میں کوئی دہشت گردی نہیں کرتے تھے۔

## صحت کی سہولیات

لاہور میں 1895ء میں فوجی چھانڈی کی قیام گاہ کے بعد وہاں ایک جدید طبی کالج کا افتتاح کیا گیا جس  
 ۳۲ سالہ اس میں لوگوں کو صحت کی سہولیات کی سہولیات کی سہولیات کے لئے کوئی ادارہ موجود نہیں تھا۔ لوگ روایتی طریقہ علاج پر عمل  
 کرنے پر مجبور تھے۔

## اسپتالوں کا قیام

1915ء میں ریاست سوات کے درجہ میں آنے اور 1917ء میں میر عبدالودود کے انتقال اور اس کے بعد  
 صحت کے شعبہ کی طرف توجہ مرکوز کی گئی تاکہ لوگوں کو صحت کی جدید سہولتوں کی فراہمی ممکن بنائی جاسکے۔ 1927ء میں  
 ریاست کے دارالحکومت میر اثریہ میں پہلی ہسپتال کا افتتاح پختونستان کی پہلی ہسپتال کی حیثیت سے کیا گیا۔ دسمبر 1927ء  
 میں اس سلسلے میں کہا کہ سواتی عمران نے

”مالی میں میرا بھی ایک اسپتال کھولا ہے۔ لہذا سوات اسپتال لاہور کے پختونستان سہولت سہولت سہولت کے لئے  
 سہولتوں کی فراہمی کے لئے سہولتوں کی فراہمی کے لئے سہولتوں کی فراہمی کے لئے سہولتوں کی فراہمی کے لئے سہولتوں کی فراہمی کے لئے  
 سہولتوں کی فراہمی کے لئے سہولتوں کی فراہمی کے لئے سہولتوں کی فراہمی کے لئے سہولتوں کی فراہمی کے لئے سہولتوں کی فراہمی کے لئے“

صحت کے شعبہ کے فروغ کے لئے میر عبدالودود نے شمال مغربی سرحدی صوبہ کی حکومت کو درخواست کی کہ  
 میر اثریہ میں قائم شدہ پختونستان صوبائی حکومت کے ساتھ الحاق کر دیا جائے اور یہ کہ وہ پختونستان کے علاقہ کی  
 تعلیمات و پیشہ اور دیگر اداروں کی مدد میں رقم خرچ کرانے کے ضابطوں کی پابندی پر رضامند ہیں۔ مختلف سرکاری  
 ملکوں میں تعلیمی خطا و کتابت کے بعد 20 اپریل 1929ء سے اس الحاق کی منظوری دے دی گئی۔ پختونستان

استفقت سر میں تمام چھ آئی ایم ڈی کو زراحتی شہری ڈسپنری سپیڈ ٹریف میں مقرر کیا گیا تاکہ عام شہری آبادی کی طبی ضرورتیات پوری کی جاسکیں۔ چھٹیوں اور بخشن کی مد میں دی جانے والی رقم کو باپا صاحب کی درخواست پر بعد میں معاف کر دیا گیا تاکہ اس ضمن میں اس کی طرف سے کی جانے والی ان سہائی کی موصول فراڈ کی ہاسٹکے پورا کرنے ایک اچھے خیراتی اسپتال کے قیام کے لئے کی جیں اور میں پر اس نے اچھی خاصی رقم خرچ کر دی ہے۔ سب ڈاکٹر لگام چھ کی مجوزہ ترقی کے نتیجے میں ان کی نگہ اور دیگر مراعات میں اضافہ کا سوال اٹھا تو ریاست نے اس سب کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی خدمات کو جاری رکھا۔

1947ء تک ریاست میں تین اسپتال (سینٹرل سینٹ اسپتال، سپیڈ ٹریف اسپتال اور ایک ڈاکٹر باؤنر میں) قائم ہو چکے تھے۔ مردوں اور عورتوں کے لئے علاحدہ علاحدہ اسپتال قائم کئے گئے۔ سینٹرل اسپتال مردوں کے لئے اور سپیڈ اسپتال عورتوں کے لئے تھا۔ سب ڈاکٹر نجیب اللہ نے فکر سحت اور دواؤں اسپتالوں کی سربراہی سنبھالی تو علیحدہ اسپتالوں کے اس نظام کو ختم کر دیا گیا۔ ڈاکٹر نجیب اللہ نے اس کے لئے پورا جوش دیا کہ عورتوں کا علاحدہ اسپتال چلانے کے لئے کافی زانہ ملا سو جوش میں تھا۔ ڈاکٹر نجیب اللہ نے اس ضمن میں کئی کئی سالوں کا سہارا دیا اس لئے کہ وہ دن ریاست سے زانہ ملا لیا جاسکتا تھا۔ جس طرح عکسوں نے دیگر شعبوں میں مطلوب افراد پر دن ریاست سے لاکر لیا جاسائے۔ لگام چھ اور ڈاکٹر نجیب اللہ خیراتی بات کی ذمہ دار ہیں۔

ان تینوں اسپتالوں میں کل 140 بستروں کی سہولت موجود تھی۔ ایک کچھ تعداد میں بیرونی مریضوں کو ان کی بیماریوں پر علاج سہولت کی سہولیات فراہم کی جاتی تھیں۔ 1954ء میں سینٹرل اسپتال میں کل 83052 علاج کیا گیا۔ بیرونی اور داخل ہر دو قسم کے مریضوں کا باہکل منفط علاج کیا جاتا تھا سب کو داخل مریضوں کو کھانا دیا جانے بھی منت فراہم کی جاتی تھی۔ یہاں گل جہان زیب دہلی کرتے ہیں کہ سب میں نے زام اللہ اور سنبھال تو میں نے مزید اسکول اسپتال اور سب کس بٹانی شروع کر دی۔ 1958ء تک سب اسپتالوں اور ڈسپنریوں کے قیام کے سلسلہ میں کوئی ٹیڈ منت نہیں کی گئی۔ ان کی اپنی تعداد اور ان میں بستروں کی تعداد جن کی توں وہی لیکن منت روزہ جسور کے مطابق 1958 میں 16 اسپتال، 17 ڈسپنریاں، ایک مرکز عیادت اور دو سب ڈسپنریاں موجود تھیں۔ سب کو خیر احمد خاں نے 1954ء میں اسپتالوں کی تعداد 267 ہے۔ آئے الے اس برس میں ان اسپتالوں میں قابل ذکر اضافہ ہوا۔ 1968ء میں 611 بستروں پر مشتمل 16 اسپتال تھے اور 45 ڈسپنریاں تھیں۔ ان کے علاوہ ریڈ کراس ہسپتال اور ایک ڈیٹیل ہسپتال، ایک خدام ہسپتال اور دو بیرونی صحت کے مراکز تھے۔

شروع میں سبوں اور اہلیت کے حامل ڈاکٹروں کی کمی کی وجہ سے کچھ اسپتالوں اور ڈسپنریوں کی گمرانی کا کام کچھ دنوں کے ہاتھ میں تھا۔ ڈاکٹروں کی مرطوبہ اور فراہمی کے بعد اسپتالوں کی گمرانی انھیں سونپ دی گئی جب کہ

ذخیریاں بھر گئی کپڑاؤں کے حوالے ہیں۔

### صحت کا شعبہ

عمران ٹیگر صحت کا سربراہ اعلیٰ رہتا تھا لیکن اس ٹیگر کی گرائی کا کام کسی دوسرے یا شیپر کی جگہ سید شریف ہسپتال کے طبی اعلیٰ پینل نظام پر مور بھرا ڈاکٹر نجیب اللہ سر انجام دیتے تھے۔ تمام ہسپتالوں اور ڈیپارٹمنٹوں کی گرائی اور ان میں دواؤں کی تقسیم ہذا میں ان کی ذمہ داری تھی۔ پرائیویٹ ٹیگر ٹری جسے بعد میں ڈپٹی ٹیگر ٹری اور اسٹینٹ ٹیگر ٹری کی مددگی حاصل تھی اس ٹیگر کو چلانے میں عمران کی مدد کیا کرتا تھا۔

### صحت کی خدمات کو باقاعدہ بنانے کے لئے اقدامات

شعبہ صحت کی خدمات کو باقاعدہ بنانے کے لئے ٹرمان جاری کیا گیا کہ جن افراد نے طبی کالج دہلی یا علی کالج لاہور یا گورنمنٹ آف پاکستان کے وقت لئے جانے والے کپڑاؤں کے تیسرے درجے کے امتحانات کو پاس نہ کیا ہو انکی ریاست ہائے کے لگژری کے وقت لئے جانے والے دوسرے درجے کے کپڑے دیئے امتحان کو پاس کرنا ہوگا۔ اس معیار پالیسی کے بغیر سرکاری اور پرائیویٹ اداروں طرح کے طرز معیار پر پابندی ہوگی۔ دو سال کے عرصہ میں مطلوبہ پالیسی کے حصول میں ناکامی کی صورت میں ان کی اسناد ضبط کر لی جائیں گی۔ غیر سند یافتہ معالجین نے تحریری حقائق جمع کرائیں کہ ریاست کی حدود میں مطابق معیار کا کام ہرگز نہیں کریں گے۔ اور انہیں جرمانہ دیا کرنا چاہئے گا۔

دواؤں کی فراہمیت بغیر لائسنس کے ممنوع تھی اور خلاف ورزی کرنے والے کو ڈائریکٹرز آف ہیلتھ 100 روپے تک جرمانہ کر سکتا تھا۔ ایک دوسرے ٹرمان کے مطابق جنہوں نے چیک کا ایک نہ لگوا یا اور ان کے گھرانے کے کسی فرد کو چیک کا مرض لاحق ہوا تو اسے 50 روپے جرمانہ دیا کرنا چاہئے گا۔



## ذہنی تعلیم

جہاں کہیں اور وہ نے کام لیا ذہنی خصوصیات کو اسے دیا خاصا موقع دیا جن سے اس کے اقتدار کو دیکھا گیا اور اسے دیکھا گیا۔ اس نے اپنے طور پر ذہنی علوم کی ترویج کے لئے بھی کوشش کی۔ اسی سلسلے میں اس نے میاں گل جہاں زب کے مشورہ پر بہت کوشش کی (اب گل کدو) کے مقام پر 1943ء میں ایک دارالعلوم قائم کیا۔ دارالعلوم کے لئے کمارت اس مقام پر تعمیر ہوئی جہاں اب سات سو مربع فٹ کا مقام ہے۔ ابھی تک وہ کمارت اس میں تعلیم کا صدر میں موجود ہے۔ بعد میں دارالعلوم کو گراہی گراہی کے مقابل ایک نئی کمارت میں منتقل کر دیا گیا جہاں آج کا صدر ہے۔ 1945ء میں چار بارغ کے مقام پر اس کی ایک شاخ قائم کی گئی۔ ان دونوں درس گاہوں سے صدر فریخیز، جمہور اور اعلیٰ درجے کے طلبہ کی ایک بڑی تعداد مستطیل ہوئی۔

طلبہ کے رہن سہن، کتابوں اور ان کے دیگر اخراجات، ریاضی حکومت برداشت کرتی تھی۔ اور پھر علماء مدرسے کے لڑکھوں کو فراہم ہوتے تھے۔ آخری دہائی کہتے ہیں کہ

”میں یہاں ابھی تک تعلیم دیتے ہیں۔ ایک مدرسہ استیاب ہے۔ ایسے افراد موجود ہیں، لیکن پھر تجزیہ اور تفسیر سے تاریخ، تفسیر میں اور اپنے مضامین میں سرو سہا میں ہیں۔ جہاں کہیں میری گزرتی تھی میرے پاس نے اس میں تفسیر کے فروغ میں زہنی مل نہیں لی۔ اور (مذکورہ) لکچر جیسے دور آئندہ طالبوں سے بھی ایک ماحول ملوہوں کو دیا اور انہیں اپنے پاس رکھا۔“

دارالعلوم کا حساب عربی صرف، لہذا، مطلقاً فرق اسلامی (جیسا کہ بعد میں مذکور ہے) بعد میں اور تفسیر قرآن پر مشتمل تھا۔ طلبہ کو تاریخ، انگریزی، جنرل سائنس، حالات حاضرہ اور دیہی مسائل کے بارے میں کچھ نہیں پڑھایا جاتا تھا۔ ان کی ساری تعلیمی کتب مرحوموں کی ساری ساری سے بھی پہلے کی تھی ہوتی تھیں۔

کچھ غیر اسلامی رسوم اور رواج کو ختم کرنے کی بھی کوشش کی گئی جیسے ایک خونی کے اور یہ اسکا کے محل کو غیر

اسلامی قرہہ اور انہماک اس سے پہلے ابتدائی قدم کے طور پر اسقاط کے ضمن میں خرچ کی جانے والی رقم کی مدد بندی کی کو اور تجزیہ و محلی سے حاصل ہونے والی مصلحت میں اصلاح کرانی گئی۔ اسی طرح میڈیکل سائنس کے موضوع پر کی جانے والی قرہہ کی بارے میں خاصے مباح کلمے لکھے۔ مزید یہ کہ ان کو کوئی تھکی دہشتی میں اسلامی احکام و آیات سے روشناس کرانے کے لئے اسی طرح کا نسخہ کا کاہنا سامان بنانے کی خاطر اور ان کی مدد اور ہمدانی کے لئے قانونی ادارہ یہ کے نام سے دو جلدوں میں ایک کتاب مرتب کی گئی۔ اس کا نام پہلے گل میڈیکل اور اس کے نام پر رکھا گیا۔ اس کی زبان ہندوستانی تھی۔ تختہ سے روایت کی، جہاں بیان کرتے ہوئے میڈیکل اور اس سلسلے میں اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے۔

”دوسری بات یہ تھی کہ میں چاہتا تھا کہ سماجوں کی، روحانی اور اخلاقی اصلاح کے لئے لکھوں۔ اس سلسلے کے لئے میں روایتی خیال میڈیکل کے ایک گروہ کے ہم راہ قرہہ فریہ مجھ کو ان کی کردار سازی اسلامی اصولوں کے مطابق کرنا چاہتا تھا تا کہ وہ اچھے باہل مسلمان بن سکیں۔“

دارالعلوم کا قیام یاں گل جہاں زہیب کے مشورہ سے عمل میں آیا تھا۔ اس کا یہ قانونی تھا کہ اس نے اسکندریہ اور مصر میں عرب خان کے ساتھ بھی پاکستان میں حکومت کی سرپرستی میں مذہبی اداروں کے قیام کے موضوع پر بات چیت کی۔ تاہم اس کے اپنے اور حکومت میں جدید تعلیم کے لئے قومی ادارہ سے جانے لگے لیکن اسلامی تقسیم کے فروغ کا ایک ادارہ انہی کے بنایا گیا۔

## مستقل ہندوستان اراضی

یوسف زئی اور سندھ زئی قبائل ہندو میں صدی ہجری کے آخری ربع حصہ میں کامل کے قریب و جوار سے ہجرت کر کے آئے اور شمال مغربی سرحدی صوبہ کے بعض علاقوں پر قابض ہو گئے۔ بجز یہ چند علاقوں کی تقسیم پر ان میں بلاکٹ آفری بننے کا ایک سلسلہ چل گیا۔ تاہم نہ جملہ اقد و فضل اور نہ اپنے کامل تک کے کچھ اصلاح سے سندھ زئی قبائل کے حق میں دست بردار ہونے کے بعد اس کا نام ہوا۔ جب کہ یوسف زئی قبائل نے اپنے قبضہ کو پورن، چلیکیر، کاکڑا، لورینہ، اور سوات (ریاست) کے کچھ نگرانی علاقوں تک پھیلا دیا۔

## روایتی تقسیم اراضی نظام

جنوب مغربی علاقوں کو یوسف زئی قبیلے کے ایک سردار بلوچالی نے قبیلہ کی مختلف شاخوں میں بانٹ دیا لیکن قطعاً



ریاست صوبہ کا ایجنڈا، پشاور پورٹی کھلے صوبہ، سٹون رائیڈز آف ویل اینڈ

(اسٹیمپڈ اسٹیمپ ٹاور، 1963ء)



گورنمنٹ 1956ء کا ایک منظر۔ 1990ء کی دہائی کے وسط میں اندام سے پہلے

پشاور میں تعمیرات حکومت اعلیٰ ٹراؤ



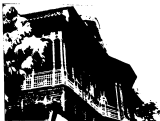
دہلی صاحب کی، پائل گاؤ، سید ذراہٹ، کا ایک منظر۔ پشاور پورٹو اسٹیمپڈ اسٹیمپ

سٹیمپڈ اسٹیمپ ٹاور، 1964ء)



قراقرم لائبریری، اسلام آباد (ایپ ایچ ڈی) (قرآن اور حدیث) (1987ء)

پہلے پورے پورے



قراقرم لائبریری، اسلام آباد (ایپ ایچ ڈی) (1987ء)۔ پہلے پورے پورے



قراقرم لائبریری، اسلام آباد (ایپ ایچ ڈی) (1987ء)۔ پہلے پورے پورے



ادارہ تعلیمی کونگلی خدمات کا آئیڈیل سٹر۔ اب سعادت میوزیم کی حدود میں (2005ء)۔  
پشاور پریذیڈنسی میوزیم، ایف بی سی



سعادت میوزیم کے سابقہ سٹر (2005ء)۔ پشاور پریذیڈنسی میوزیم، ایف بی سی



بنیاد تحقیقاتی کیمیا (۲۰۰۵)، آردشیر، جمهوری آذربایجان





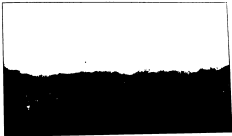
ملکی بینکرز اور پاکستانی بینکاری کی سرکاری قیادت کا ایک نمونہ۔ پشاور کے محمد علی جناح بینکرگروہ سے (ایسٹاسٹیمٹ نمبر ۱۹۵۴)۔



اقلمی سید و شریف میں واقع ایچا صاحب کی رہائش کا دورہ دفتر کا ایک نمونہ  
پشاور کے محمد علی جناح بینکرگروہ سے (ایسٹاسٹیمٹ نمبر ۱۹۵۴)۔



شاہراہ ریلوے، اسلام آباد، پاکستان کی ایک عمارت اور شاہراہ ریلوے کی عمارت  
(پہلی تصویر: 1963ء)



کراچی کے قریب، پاکستان کے قریب (پہلی تصویر: 1928ء)۔ پھر یہ عمارت کراچی  
کی پھر شاہراہ ریلوے (پہلی تصویر: 1940ء)۔





دہلی صاحب کی رہائش گاہ میں شریف سوات کا ایک منظر (2006ء)۔  
 یہ منظر اختر صاحب ایف ڈی اے کیٹ اور مرزاں محمد عثمان (ایف ڈی اے) نے



دہلی صاحب کی رہائش گاہ میں شریف سوات کے سائٹ (2006ء)۔  
 یہ منظر اختر صاحب ایف ڈی اے کیٹ اور مرزاں محمد عثمان (ایف ڈی اے) نے



۲۰۰۶ء کو نیشنل انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی (NIT)، سرائین (پہلی آئی ایم)



۲۰۰۶ء کو نیشنل انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی (NIT)، وارنگل (پہلی آئی ایم)

رہنسی میں ذرہ بزرگی فراہمی آپ بھی وقوع اور کمال رسائی ہوئے پانہ ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ فرق موجود تھا۔ شیخ نے اس ارادے سے کہ سب کو اپنی رہنمائی سے یکساں فائدہ اٹھانے کا سہارا لینے تقسیم برائش کو ایک انوکھا حکام عکسلاف کر پایا۔ ۹۰ برس کے مطابق یہ تقسیم (دہش) عارضی بنیادوں پر ایک خمیں وقت کے لئے ہوئی تھی۔ اس وقت کے گذرنے کے ساتھ ذہن کے مالکان کے درمیان زمین کا تقابلاً ہوتا تھا۔ اس کے لئے مصلوے (قرارداد جاتی) اور دہش (تقسیم) کے لفظ استعمال کئے جاتے تھے۔

یوں تو دہش کا مطلب تقسیم ہے لیکن اس کے لئے زیادہ سوزاں لفظ تقوینش اور انست (بنا ہے) اس حکام کے تحت قبیلہ کی بڑی شاخوں کو تقوینش شہداء عارضی ان کی ذیلی شاخوں کے درمیان ادا دل بدل کے قانون کے تحت اس کے ہاتھوں میں 10۷7۰5 سال کے لئے ہوئی تھی۔ اس دورانے میں یہ ذیلی شاخیں اپنی مختصاتی سے دور ہل کر کئی تھیں۔ مالکان کے درمیان چاروں زمین کا طریقہ کار مصلوے یعنی آزمانہ آزمانی تھی۔ بڑی تقوینش یا چاروں کے مصلوے پر حصہ دار نے قطعاً عارضی میں اپنے اپنے حصوں کے مطابق نئے گھروں میں منتقل ہو جاتے تھے۔ یہ گاؤں میں موجود زمینیں اپنی نوعیت کے مطابق مختلف درجات رکھتی تھیں۔ اس لئے حصہ داروں میں اس کی تقسیم اس طرح سے کی جاتی تھی کہ نفع اور نقصان میں ان کی شراکت یکساں ہو۔ اس حکام کو گزندہ دہش (سواہل حکام تقسیم) کہا جاتا تھا۔ شیخ علی نے اس حکام تقسیم کی پوری تفصیل جزئیات کی حد تک اپنی مستند کتاب دفتر شیخ علی میں مختصراً کر لی تھی لیکن زیادہ کے دست برد سے اسے مکتوفانہیں دکھانا چاہتا اور اس کا کوئی ایک نسخہ بھی موجود نہیں ہے صرف ۱۹۴۴ء میں جو ہے۔ غرضاً خان بنگلہ نے سترھویں صدی میں اپنے مستند جدولی شعر میں اس کا حوالہ دیا ہے۔

دوہ گیارہ دی پند سوات کھے کہ علسی دی کہ جلی

مسخزون د دورویزہ دے سا دفسر د شیخ ملسی

ترجمہ سوات میں گارہائے نمایا اور ہیں۔ انونہ دورہ کا کھڑن یا شیخ علی کا دفتر۔

اس شعر کو میں بھی کہ گیا ہے۔

پند سوات کھے دی دا دوہ کفسرہ جلی

بو مسخزون د دورویزہ دے بل دفسر د شیخ ملسی

ترجمہ سوات میں ناپس نوعیت کے دفتر ہیں۔ ایک دورہ کا کھڑن اور دفتر شیخ علی کا دفتر۔

1858ء میں حکمرانوں نے دفتر شیخ علی کے کسی نسخہ کی تلاش کے لئے قندھار کے ایک باشندہ کو بھیجا۔ اس نے پوری

داری عیمان ماری لیکن کاسپالی نصیب نہیں ہوئی۔

## روایتی نظام و پیش کے نقصانات

ماں کا اس اور کے نظام تحسین کے بھی ایک نئی کارفرما تھی لیکن اس میں کسی قسم کے نکاح نہیں تھے۔ اسے

سکھو میں اور اسے آئی بی، حرج سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہتے ہیں۔

”ہاے قبائل اور کرسی علم و دانش و قرار تھے کے لئے یہ نظام اور بہ قابر کٹائی میں وادوں نے گئے ہی طرح ایک پیمانہ قبول کرنا ہے ہندی اور پنجتنوں انکا ہنر کی تشکیں کا اس میں کٹائی ماہوں کیوں نہ ہو لیکن جہاں تک تہذیب و تمدن کی ترقی کا مصل ہے تو ان کے لئے اس ماہر جو ذہن کے دکھا ہونے کے کام سے ادا ہوا کہ نظام کا تصور بھی ناممکن ہے۔ ان کا مطلب ہے کہ ہونے کا ماضی ایک آسم سے حرکت پر اس کا زیاد سے زیادہ ہون چاہئے۔ اسے پہچانی ہے کہ قبل کو پہلی اور نئے وہی اس میں کوڑے جانے کے حق کرے۔ ان پر چڑا کا اسے جا کہ اس کو صحت کو کھوٹا کرنے کی کوشش کرے یا کوئی اور کھائے کہ کوئی کوئی اور وہ اس کی صحت کا جمل کھائے۔ اس طرح اپنی ماضی تمام ماہ کی تہذیب کے لئے مٹی ہے۔ اور کھان پھونک کے ساتھ ساتھ تمام کے لئے استعمال ہونے والی مٹی ہے۔ ہی طرح ہمیں ہمارا ماضی جس پر مصلحت کی گواہی ہر انسانوں میں کھیر کر بھی عمل و ادب سے اور کسی کی مصلحت ہو سکتی ہے۔ اس نظام کے برے نتائج ہر طرف نظر آتے ہیں۔ کھیں روکات ہیں نہ ہر چیز ہر ماہ و دولت صرف حرجوں کی صورت میں کو کھوٹا کرتے ہیں۔ سادہ سبھی انہی ترقی و اصلاح سے ملتی تھی ہیں۔ اور سنی اور چھری بھولی و عاری ہیں اور کھان پھونک کی مصلحت اور تہذیب ہر ایک کھیں۔ نہ نہ نام سے ہر چیز ہر ماہ ہوتی ہے کسی نظام کے لئے ہیں اس میں ہندی یا اصلاح کی کوئی کوشش نہیں کی گئی اور کھوٹا نہیں بدلتی ہیں۔ وہاں کہ بہت سے ایسے مٹاتے ہیں جہاں یا کھیں تھوں کے اور جیسے ہندی و جہاں کوڑا پ اور ہوا کھائے۔ لیکن یہاں سے بے کو کوئی گروہ نہیں ان کے ہونے کے لئے کیوں اپنے اپنے چلنے پلنے کر سکا۔“

فخر جمال خان ننگ (جس نے سترہویں صدی میں سلامت کا دورہ کیا تھا) نے اس نظام کے نقائص اور اس کے برے نتائج بیان کئے ہیں۔ اور اس خراب نظام کی وجہ سے ہر سف ذلتی قبائل کو تھارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ پھر بر اعظم کی کے اور یہ سال بہ سال اپنی الماک سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اس طرح یہ خود ہی مصلحت کے استعمال کے بغیر اپنے اوپر مصلحت اور ہوتے رہتے ہیں۔

ننگ ایک طرح سے مکتبہ ہندی زندگی گزارنے تھے اور بعض روکات نہ ذرا غیر تعلقات ماضی پر کھابض اپنا چند چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے اور اس طرح ایک ٹھکانا چل چلا جس کے لئے کئی جانوں کا نذرانہ دیا جاتا۔ ریاست کے اور میں بھی اس جگہ جہاں اور حکومت واقع ہے اور ذلتی قبیلہ کی دو شاخوں کا پیش اور برت ٹیل کے دو میں ہنگ چھری تھی اس لیے کہ تھو بلا ٹیل، پیش (تحسین) ملے ہوئے کے اور جدا با ٹیل چند چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے لہذا انہوں نے 8 فروری 1919ء کو اس پر اعتراض کیا۔ برت ٹیل شاعر نے ٹیک اپنی ٹیل کے ایک ٹھکر کی مدد سے حلقہ دیا جنوں پر قبضہ کر لیا اور وہاں سے اپنا ٹیل کو نکال دیا۔ پاری پاری دونوں کا ساتھ دینے سے دونوں طرف

میرا دور کے خلاف ہو گئے۔ اس طرح یہ نگاہوں کے لئے بھی ایک اور دہرائی گیا۔

### روایتی نظام ویش کا خاتمہ

میرا دور نے اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے بعد اس نظام ویش کو ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ نہ رہنے ہوئے ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اس سے صرف مالی ہی نہیں بلکہ مستقبل میں بھی بار بار سر اٹھانے والے مسائل سے بچاؤ مل جائے گی۔ اکبر نہیں اس امر میں حقیقت (کہ اس اقدام میں باچا صاحب کے ذاتی انفراسٹرکچر کا حصہ تھے) کو تسلیم کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان کا ادارہ خواہیں کی حمایت کو مزید مستحکم بنیاد میں فراہم کرنے کے لئے اس نے مختلف قسم کی اصلاحات کو شمول کر لیا۔ جیسے ویش کے اس نظام کا خاتمہ جس سے اس نے اپنے دشمنوں کو بیٹھنے کے لئے اس کی دیکھیں سے محروم کر دیا۔ جب کہ اپنے اداروں کو اس طرح نواز کر بیٹھنے کے لئے نئے پارامیٹرز اور اس میں جہاد اپنانا ہے کہ اس اصلاحات جیسے کہ ویش کے پیچھے اس کے ذاتی مقاصد کا روبرو ہے۔ یہ کہ اس نے نکل کر ویش کے مستقبل بندوبست کے موقع پر اپنی ذاتی پسند و ناپسند سے کام لیا۔ یہ ایک عظیم حقیقت تھی لیکن باچا صاحب کے خاص اقدار لوگوں نے مستحق کے ساتھ اپنی طاقتوں میں اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے اپنے مانے جانے والی بیٹھنے کے لئے اس کی ویش سے محروم نہیں کیا۔

باچا صاحب سے منسوب میرا دور میں بیان کیا گیا ہے کہ:

”میرا دور ایک عظیم تھی۔ جب تک یہ چلا، ہوا یہی وہ مستقبل خلق کی صورت تھی بے شک کے بارہ لکھے یا ویش تھا کہ تمام برائیوں کی ذرا بھی تکام ہے اور جب تک میری ذاتی طور پر ناپسند اور چاہے، چاہے وہ بھی کہ اس میں جہاد سے بچاؤ حاصل نہ کر لیں اور ترقی کی شاہراہ کو گھرنے نہ ہو سکیں گے۔“

باچا صاحب کی میرا دور کی پشت پناہی میں یہ بیان شامل نہیں ہے۔ اسی بیٹھنے کو چاہیے کہتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اپنی بھاری بھاری دستاویزوں کا پوری طرح احساس کرتے ہوئے میں نے خود دست وراثت کے مسئلہ کو ذرا ہی طور پر حل کرنے میں اپنی تمام توانائیاں صرف کر دیں۔ اس مسئلہ کو عرض خواہ میں نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔ جیسے ہی دشمنوں سے لکھے مسائل لینے کی سبب ملتی، میں نے وراثت اصلاحات کا یہ گرام بنایا۔ ان سہائل اور مشکلات کے بارے میں اس نے کہا۔

”ان عظیم مسائل میں میرا دور کا پورا پورا عملی حصہ لینے کے لئے مجھے بے حد مصائب کا ڈنکا دینا پڑا۔ میرا دور میں میرا دور سے تیار کر کے، زما کر کے کاغذوں کو اپنے حصہ کے حق میں لگی ہوئی تقریریں کہیں نہ تھیں اور مستقبل کے قریب آ کر دشمنوں کے ساتھ فرسٹ پرائیوٹیٹی کے طور پر گھس گھس کر لڑنے والے دن کا میرا دور ان کو لڑنے کی توجہ دینا ہی نہیں تھا۔ میرا دور میں میرا دور

ہاجا صاحب سے منسوب روڈوں میں مستقل بندوبست اراضی کی اس دشوار کم کمر کرنے کا سوا کچھ ہی کے سرانجام حاصل کیا۔ ملاں کو یہ ایک کھلی حقیقت ہے جس کا اہل صاحب نے بھی اعتراف کیا ہے کہ اس ضمن میں ذمہ برداروں نے بھی ہر طرح سے شبہ و روز ایک کر کے ان کا ساتھ دیا۔ پوری ریاست میں اس کام کو مکمل کرنے میں پانچ لاکھ لگ گئے۔ ہاجا صاحب بیان کرتے ہیں۔

”مجھے اس کام پر پانچ لاکھ تک پہنچانے میں، سے پانچ سال لگ گئے۔ وہ سبھی دیکھا جاسکتا ہے کہ یہ کاموں کوئی بسوں سے ذمہ داروں اور مختلف جہوں میں مسلسل رہا جس میں لاکھوں لوگوں کو جان بھائی دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس میں ہڈوں کی ہمارے کئی اور بعض خاصے کاموں کا ساتھ کرنا پڑا لیکن ان تمام ہنگاموں کے باوجود میں اس کام سے بچنے میں جتنا کام کرنا کوئی کوئی اور ہڈی کی تکلیف اور زندگی سے لگے ہوئے لوگوں کو دیکھ کر نہیں فرماؤں اور رتقی کی شاہ روہے گا جوں کر کھیں۔ ہاتھ تو کا کھینچنا تھیں، یعنی اور اپنے تمام کی اصلاح اور اپنی ہی کا کشش اور انہماک سے جو کھیں۔“

مستقل روٹوں کے ساتھ سوات میں رتقی کی روہے گا جوں جو اور خوب صورت خدمات، کارخانوں اور دیگر موثر معروضہ وجود میں آئے۔

### مستقل بندوبست اراضی کب ہوا

اس ضمن میں ہاجا صاحب اور اہل صاحب مختلف جہوں میں رہتے ہیں۔ اہل صاحب کے مطابق یہ کام آغازاً 1930-31 تا 1932ء میں ہوا جب کہ ہاجا صاحب کے مطابق یہ سلسلہ 1925ء میں شروع ہوا اور 1929ء میں مکمل ہوا۔

مارچ 1928ء میں اوریل ٹائٹل بیان کرنا ہے کہ آٹھ سے تیار کیا گیا ہے کہ بادشاہ (محمد احمد خان) اپنی رعایا کو اس بار میں تقسیم اراضی کی مصیبت سے اہانتہ دلانے کے لئے کوشاں ہے۔ اس طرح روہا شاہ 1928ء کے اس کام کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ جب کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی خفیہ ڈائری (سی ایس اے) میں مئی 1925ء میں یہ تحریر ملتی ہے۔

”ہیں اگلی مہینوں میں سات لاکھ کے تمام قبائل کے سرکاروں کے تمام قبائل کو ایک جگہ کا نام مل گیا ہے کہ تمام قبائل طلبہ حیات سے کوئی بہت سے ہوجائے۔“

لائی ٹیل ٹیٹل کے قانون کے اور سے تیار کیا گیا ہے کہ انہوں نے چک اور کے تمام قبائل سے وفاداریت کر کے اپنے اہل و عیال کی کا تئیں لایا ہے لیکن اب یہاں تک نے ہادی اہل ہمارے نام سے نوڈ کر لیں نام کر لیا ہے اور وہ تمام اراضی کے مستقل بندوبست پر مبنی ہو گئے ہیں۔“

اس بیان سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ 1925ء میں شروع ہوا اس سے ہاجا صاحب کی روہے گا جوں

کئی تاریخ 1925، 1929ء کی تصدیق ہوتی ہے۔ چارن مارکسٹریں نے بھی اپریل 1929ء میں اس امر پر  
 کاغذی جانچ لینے کو مانگا ہے کہ ماضی تقسیم اراضی کا نظام صرف اسی میں رہا ہے:

مستقل بنیاد پر اس وقت تو یہ کہا جاتا تھا کہ ماضی نظام واپس کو چاہی، ریاست سے غم نہیں کیا جاسکا۔ وہاں تو میں  
 گھریں اور اس کے نزدیک واقع اراضی کو مستقل بنیاد پر لوگوں کو تقسیم کر دیا گیا تاکہ گھریوں کی تعمیر اور ان کو دیکھ  
 کاتے کا کام نہ ہو سکے لیکن ان وہاں تو میں اراضی کی مستقل تقسیم کا عمل مختلف علاقوں میں مختلف اوقات میں نہیں بہت  
 جلد میں کیا گیا۔ بعض جگہوں پر تو یہ کام ریاست کے اہتمام کے بعد 1970ء کی دہائی میں سرانجام دیا گیا اور بعض  
 وہاں تو میں 1990ء کی دہائی میں پورے ہوئے۔

وہ اراضی جس کا چارن اس نظام واپس کے تحت ہونا چاہتا تھا، روز (ڈوئیز) اور اس قسم کے بالکل دور تریان  
 (واحد۔ روزی) کہا جاتے تھے لیکن یہ ماضی ایسی جگہ تھی جو صرف نظام واپس سے مستحق تھی۔ اس قسم کی اراضی کو سیرتی  
 کہا جاتا تھا اور اسے سیرتی کی تقسیم میں خاص قسم کے لوگوں کو تقسیم کیا گیا تھا جسے وہاں سے اس کا صاحب زادہ مانگا  
 جی رہا تھا۔ دور اور سیرتی کے بارے میں کہا ہے۔

”ارضی کارور، حصہ جو اٹھائوں، ٹکڑوں کی کافی طرح کو تقسیم کیا گیا تھا اسے اسٹاپا مانگا کہا جاتا تھا۔ یہ اراضی وہاں  
 وہاں سے اسٹاپا نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ سیرتی کہا گیا۔ اس اسٹاپا میں اس کے استعمال میں نہ جانی  
 ہے اور تقسیم اسٹاپا میں سیرتی کی ہے۔ تقسیم کا سارا کام وہاں ہوا ہے۔ بلکہ ایک خاص قسم کے اس کا سہولت ہے۔  
 یہ اسٹاپا اور تقسیم اسٹاپا کے کتاب 1970ء کا نمبر۔ یہاں اسے اسٹاپا استعمال کیا گیا ہے جس میں تقسیم  
 اسٹاپا اور اسٹاپا کے تقسیم اسٹاپا کے کتاب۔ سیرتی ہٹا کر اسے اس کا سہولت ہے تقسیم اسٹاپا اور اسٹاپا کے تقسیم اسٹاپا کے  
 مرد ہے تقسیم اسٹاپا اور اسٹاپا۔“

یہاں اس اسٹاپا کی سیرتی (تقسیم) کے وقت اسٹاپا کی اراضی سیرتی کے طور پر تقسیم کیا کرتے تھے۔ ان  
 اراضی کے بالکل کو سیرتی اور اسٹاپا کا چاہتا تھا۔ سیرتی سہولت اور اسٹاپا کے تقسیم اسٹاپا کو بھی تقسیم کر دی  
 جاتی تھی۔ اس میں بہت سے قوانین اور تنگ بھی سیرتی اراضی رکھتے تھے جسے تقسیم سے مختلف اسٹاپا سے مستحق افراد سے  
 دیا جاتا تھا۔ مثلاً خانانی سیرتی (خان کے لئے تقسیم سیرتی)، اسٹاپا سے سیرتی (سہانوں کی سیرتی کے تقسیم سے تقسیم  
 کے لئے تقسیم سیرتی)، اسٹاپا سے سیرتی (سہانوں کی خاطر تقسیم کے لئے تقسیم سیرتی)، اسٹاپا سے سیرتی (سہانوں کے سہولت کے سہولت  
 کو لانے کے لئے تقسیم سیرتی)، اسٹاپا سے تقسیم اسٹاپا اور تنگ کا حسب قبائل کی فراہمیں اسٹاپا کے مطابق کسی کو دیا جاتا تھا  
 لیکن اسٹاپا یہ حسب سہولت ہوتا تھا۔ اس لئے قوانین اور تنگوں کے خاتمہ ان سیرتی اراضی کو اپنی ملکیت گردانتے  
 ہوئے اسٹاپا کرتے تھے۔ چوں کہ یہ تقسیم اراضی تقسیم کے اس مرحلہ تک سے مستحق ہوتی تھی۔ اس لئے قوانین  
 اور تنگ اپنے دور کے تقسیم اسٹاپا کے تقسیم اسٹاپا سے بھی مستثنیٰ ہوتے رہتے تھے۔

## نظام ویش اور مستقل بندوبست کے بارے میں غلط فہمی

یہ کہنا غلط ہے کہ میرا دور نے وہی نظام کو ختم کر دیا اور جو جس شخصہ اراضی پر قابض تھا وہ اس کا مالک بن گیا۔ یا یہ کہ اپنی ریاست سات نے سر جوڑو تھو پیش اراضی کو ختم فرموا دیا۔ اور اسی نظام ویش اور مستقل بندوبست اراضی کے بارے میں شہر اٹھل خان برکوٹی کے غلط فکر سے تو اس لگتا ہے جیسے میرا دور کی جانب سے ہر شخص کو ایک شخصہ اراضی دیا گیا اور برکوٹی زمین کا مالک بنا دیا اس طرح کیا گیا اس امر کوئی کرتے ہیں کہ

"ہی کوئی نہ کر دیا گیا اور اس شخصہ زمین پر قابض کر دیا۔ کہ فرما دے کہ ریاست نے خان کی حیثیت کہا ہے کہ انہیں۔۔۔"

راضی جاوید کے حقوق کے لیے اس اجوارے سے بہت ذنی ہتھیوں کے زمین پر لاہور اور ملتان کے ہر امر اور اسی قانون پر ایک شہر چلی کر اس کی بنیاد رکھی گئی۔ اس نظام کے اجوارے خاطر کا مطلب صرف اس سماجی حیثیت کا غائلہ نہیں ہی بلکہ اس میں عمومی بہت ذنی ریاست کے انتظام کے بارے میں ایک شاندار بھی بنی ہوئی تھا۔"

لیکن حقائق کچھ اور ہی بتاتے ہیں۔ مستقل بندوبست اراضی کے وقت زمین پر اس وقت کے قبضہ کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ یہ حقیقت اس وقت فرما دینی ہی تھی (چاہے کج چاہ میں دھوکہ دہی کی گئی اور ہمیشہ سمجھی سب کو تھی جنہوں پر نئے دیا تو اس میں ہی تو پیش کے مطابق سمجھ دیا گیا۔ زمین پر امتیازی کے حقوق جن کے تو اس رہے۔ ریاست نے ان کو تسلیم کیا بلکہ انہیں مزید ستم کیا۔ 1950ء میں میں گل جہان زیب نے حاکم اہرنی کے نام ایک طرہ پر ہدایت کیا جس میں کہا گیا کہ چار صاحب اور میرے عم کے مطابق مسوات میں گورنر اور سی اور تری میری قسم کی اراضی پر حق شکیست حاصل نہیں ہے۔ اگر ان میں سے کوئی یہ بددلتی کرنے تو اسے گوری مسک (زمین کے لین دین کا دستہ بڑی ٹوٹ) یا میں ستمیوں کی گواہی پیش کرنی ہوگی۔ دو زمین جو مختلف پیشہ ور افراد جیسے ایگر (ٹوبار، ڈگر، بلاجی، انڈیاٹی، علم بردار، بہادری (سلاح)، پیرا کے قبضہ میں ہے، پختونوں کا دور ہے۔) اس سابق و سابق میں پختونوں سے امر اور لوگ ہیں جو پختونوں کی کسی شہداء سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کو تھو پیش شدہ و قصات اراضی میں سے پناہ صد رکھتے ہیں اور لوگ بھی جو ملاں کو پختونوں کی کسی شہداء سے تعلق نہیں رکھتے لیکن کسی طرح سے دوسرے میں سے کوئی حصہ رکھتے ہیں اور اس طرح ریاست نے ابھی بھی خان کی حیثیت کو نہ نہیں کی اور سب کی بنیاد پر اس کی زمین پر امتیازی کو پہلے کی طرح برقرار رکھا گیا بلکہ اس میں کوئی فرقہ کے مزید ستم کر دیا گیا۔ بہت غیر پختون افراد، سھارے خان اور ننگ کی رضا مندی سے زمین خرید سکتے تھے جیسا کہ گلی از ریاست دور میں 1950ء

اسی طرح سید حسن نے دہرائی نظام ویش کو ایک اور طرح غدارانہ میں پیش کیا ہے۔ اس نے اسے قبیلے کے



نام لراہ میں زمین کی مسابقت تقسیم سمجھا ہے اور اس سے کہتے ہیں کہ زمین کو ریاست کے ذریعہ قبضہ کرنا ہماری اجتماعی ملکیت کا کارنامہ بنانی کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہاں مناسب لگانے کے بارے میں اس نام کا اصل قرار دے کر ختم کر دیا جائے کہ اس کے ذریعہ سے زمین کو لوگوں میں مسابقت لگانا نہیں ہے بلکہ تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور ان حالتوں میں تقسیم کا نام دینا نہیں چاہیے۔ تقسیم میں زمین کو قبول یا خاندان میں وقت سمیت پر لاسر تقسیم کیا جائے گا۔ لیکن یہاں تک کہ اسے سب میں یکساں حصوں کی صورت میں بانٹا گیا ہو۔ دراصل ہر حصہ دار کو لاسر تقسیم کے وقت بھی اپنے سابقہ حصہ کے مطابق حصہ ملے گا۔ اگر وہ اور غریب حصہ داروں کو بھی لاسر تقسیم میں کے موقع پر اپنے حصہ سے عہدہ کر دیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص اپنے حصہ سے فروخت یا کسی طاقت ور فرد کی وجہ سے عہدہ کر دیا تو اس میں بھی اسے کوئی نفع نہ ہوگا۔ اور اپنے حصہ کے کسی حصہ سے عہدہ کرنا اسے اپنے حصہ کے مطابق حصہ ملے گا۔

ایک شخص اسی وقت تک محتوان کہلانے نہ لے گا۔ یعنی وہ تقسیم کا سب تک نہیں لے گا۔ اور اس میں حصہ داروں کو اس کے حصہ سے وہ اپنا حصہ نکھوڑا تو وہ تقسیم یا تقسیم میں کے موقع پر اسے کوئی بھی نہیں ملے گا۔ اور اپنے خاندان میں تقسیم کے ساتھ ہی تقسیم شدہ بلکہ چاہتا تھا لیکن وہ اس کی اولاد کو محتوان کی حیثیت سے اپنی شرافت سے ہی عہدہ نہ ہوتے بلکہ کسی جگہ میں شرکت کے حق سے بھی عہدہ ہو جاتے۔

'سوات کی کہانی' (رضوی سوات آف سوات) میں شامل یہ بیان کرتا ہے کہ زمین کی لاسر تقسیم مسابقت لگانا یعنی ہر فرد کو ذریعہ اور عہدہ داروں میں تقسیم کی زمینوں میں یکساں حصہ کی تقسیم کرنا کہیں ہے اور کتاب کی پشت شرافت میں شامل نہیں۔ 'سوات کی کہانی' میں ایسے کی روایات شامل ہیں جو ایسا صاحب کی روایت کی پشت شرافت میں موجود نہیں ہیں۔

### اباسین اور سوات کو ہستان میں زمین کی ملکیت

اباسین کو ہستان میں بھی رضوی حکام ہر ایک خارجہ کو ہست زنی ذریعہ قبضہ ملانے میں مانگے گا۔ یہاں بھی کچھ زمینیں روڑ کی شکل میں کو ہستان کے قبضہ میں تھیں اور کچھ زمینیں بیرونی کی صورت میں مقدس خاندانوں کی ملکیت تھیں۔ وہ زمینیں جو روڑ کے ذریعہ میں آئی تھیں وہ حکام وائیل کے قبضہ میں تھیں اور ان کی سترہ اوقات میں اپنی کو ہستانی خاندانوں اور افراد کے درمیان لاسر تقسیم اور تقسیم میں ہوتی تھی جو کسی کسی قافل کی وجہ سے اس کا انتقال رکھتے تھے۔ یہاں بھی اس حکام کو سوات کے حکمران نے ایک فرمان کے ذریعہ 1948ء میں ختم کر دیا اور اس کی تک

مستقل نذرہ مستراضی کا وہی نظام رائج کر دیا جو کہ ریاست کے دیگر حصوں میں رائج کر دیا گیا تھا۔ ایسین کو بہتان میں بھی وہی توہین و خوسہ کا فرمایا جو کہ عہدِ نئی نلب والے طاقتوں میں رائج تھے۔ حصار داری کے لئے کو بہتانی مجبوراً سب کا بیڑا شرط تھا اور وہ بارہ تقسیم میں بھی پرانی تقسیم کے مطابق ہی عرصہ تھا۔ اور اگر کوئی کسی جہ سے اپنے حصے کو بہرہ بردار چاہتا تو وہ بارہ تقسیم میں بھی آئے۔ بلکہ کبھی نہ تھا۔

سات کو بہتان میں بھی زمین اپنی دو قسموں یعنی دورتر اور پیرانی میں تقسیم تھی اور ان دونوں قسموں کی وہی نتیجہ تھی جو کہ عہدِ نئی نلب والے طاقتوں اور ایسین کو بہتان میں انہیں حاصل تھی لیکن یہاں دورتر کا مظلوم زمانہ سے مستثنیٰ بنیاد پر تقسیم ہو چکی تھی اس لئے بارہ تقسیم کی مصیبت سے پہلے نہ گنوا لاقا۔

### مواصلات

کسی قوم کی ترقی اور پیش قدمی کا انحصار نظام مواصلات پر ہوتا ہے۔ اس نظام کی مثال انسانی بدن میں خون کی ترسیل کے نظام جیسا ہے۔ پس پزندگی کی بنیاد قائم ہے۔ عمل از ریاست عہد میں سات میں مواصلات کا نظام بہت ہی بنیادی نوعیت کا تھا۔ پانچا صاحب کے مطابق سڑکیں اور شاہراہیں بالکل معدوم تھیں۔ لوگ سہروں اور نہروں کے کنارے موجود گڈڑوں پر بیادو پاپائے اٹھانے چلنے پر مجبور تھے۔ اس لئے کہ بگ بگ موجود پانی میں سڑکوں سے عبور کرنا پڑتا تھا۔

راہی بات کو جاری رکھتے ہوئے عرض کرتا ہے۔

”مجھے یقین تھا کہ کوئی حکومت اس وقت تک غائر طریق سے نہیں چلائی جا سکتی جب تک سارے نذرہ جسد خاکی یا سالی قابل رسائی نہ ہوں اس لئے سارے مہم نہیں کو سید شریف اور الگوسٹ) سے سرور و جلال انتہائی اہمیت کا حامل تھا۔ اس لئے میں اپنے سارے نذرہ سڑکیں چلانے میں سڑکیں چلانے پر توجہ کیا۔ یہ بہت مشکل کام تھا اس لئے اس کا جلد مکمل ہوا لیکن نہیں تھا۔“

مجاہدوں نے زندگی کی انتہائی میں محسوس کر لیا تھا کہ سڑکیں اور مواصلات کے اچھے نظام کی کتنی اہمیت ہے۔ تاریخ 1906ء میں اولیٰ شکل ایجنٹ سے لیا اور اس سے اپنے لئے ایک سڑک کا رخ بنانے اور چنگورہ تک سڑک کی توسیع کے مسئلہ پر گفت گوئی۔ 1917ء میں برسرِ اقدام آنے کے بعد انڈیا کے سیدو تک سڑک تعمیر کرنا چاہتا تھا لیکن ریاست کی خاندانی سرحد سے دارالکھوت تک۔ فروری 1923ء میں اس نے ان دیہاتوں کے باشندوں سے جہاں سے اس سڑک آگزرہ تھا کہا کہ وہاں توجہ فرمائیں کہیں باجس دیں۔ حالانکہ لوگوں نے اس توجہ کو پسند نہیں کیا لیکن کسی نے کلمے عام اس کی مخالفت بھی نہیں کی۔ سڑک پر کام شروع ہوا اور راولی کے باہلی حصے تک اس کی

توسیع کر دی گئی۔ مارچ 1924ء کی ایک تقریر میں اس جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ میرا دور میرا دور ہے اور اس سے آگے سڑک کی توسیع کے کام میں مصروف ہے۔ یہ سڑک پندرہ مقامات کو چھوڑ کر بہت نکلا اور جو وہ حالت میں ہے اور آگے سے چھوڑا گیا سڑک سزا دہی نے پتلا شروں کر دیا ہے۔ اس سڑک کو کھک کے دیگر حصوں سے مربوط بنانے کے لئے لٹاکے کے قریب واقع مقام 100 ایک سڑک پر کام تھا ان کے ترکے نے شروں کر دیا ہے۔

سڑکوں کا چال چھانے کا کام شروع ہو گیا۔ وہ ملاتے جنہوں نے اپنی مرضی سے ریاست سے الحاق کیا یا ان پر فوج لگنی کر کے قبضہ کیا گیا سب کو سڑکوں کے دار میں داخل حکومت سے مربوط کر لیا گیا کہ اس معاملے کا ایک نمونہ اور سرجنٹ لٹاکے نظام کا نمونہ اور عبادت یا بروہی ملک کی صورت میں فوج کو بروہت حرکت میں لانے میں نمونہ بنا۔ 1925ء مارچ 1925ء تک طبرانی علاقے میں جڑوں کو ایک سڑک (براست علاقے) تک اپنی شکل میں جو تک بنائی گئی اور مارچ 1925ء میں سہارن پور کی حدود میں سے خود پیش علاقے تک ایک سڑک کی تعمیر پر کام شروع ہوا۔

میرا دور نے اپنی کیا ہے کہ برطانوی حکومت کی طرف سے ریاست کو باقاعدہ تسلیم کر لینے کے بعد سے تعمیراتی کام میں تیزی آگئی۔ سب سے پہلے میں نے ریاست کے مختلف حصوں کو ایک دوسرے سے مربوط بنانے کا کام شروع کیا۔ اب تک جو سڑکیں تعمیر ہوئی تھیں وہ صرف گھنڈوں اور پلہروں کے لئے مناسب تھیں۔ ان میں سے صرف لٹاکے سے چنگور تک کی سڑک تیار چلانے کے قابل تھی۔ چنگور سے لاپور کی طرف دیا کے بائیں جانب 36 میل طویل سڑک 1927ء میں مکمل ہوئی۔ سڑک کا وہ حصہ جو کہ شہر گنڈا اور پتھرے علاقے سے گنڈا ہے اسے پہلے تھا تک اور اب تھا تک کہا جا رہا ہے اسے ایم ای ایس کی زیر نگرانی تعمیر کیا گیا اور اس کی تعمیر بے حد شان دار تھی۔

30 جنوری 1929ء کے واقعے کے نتیجے میں اس کے لیے ایک پوری پٹی کی تعمیر کا کام 1929ء میں مکمل ہوا۔ بعد میں اس جگہ سے جو کچھ بچے کی جانب اب رہا۔ 14 اپریل 1929ء میں اپنی عمر میں نے اس پٹی کا باقاعدہ افتتاح کیا۔ اس پٹی کی تعمیر گنڈی کے لیے تیار کیے گئے گنڈی کے گنڈوں پر ہوئی جنہیں میرا دور اور فوج پٹی کے اندر لایا گیا۔ تقریباً دو ہزار فٹ تک لایا تھا۔ یہ خیال تھا کہ یہاں کہ جو پٹی سلاخی، لٹوں کا مقابلہ کر سکتا ہے لیکن پٹی میں وہ پر تیار کرتے ہوئے تھے اور علاقائی گنڈی کے پڑے تھے اسے نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ یہ پٹی برطانوی ہند کی حکومت کی مدد سے تعمیر ہوا۔

ریاست کے تمام پڑے حصوں تک سڑکیں تعمیر کی گئیں، چاہے وہ کتنے ہی دور، اندازاً پانچ ہوں۔ ان کو چنگور۔ لٹاکے اور پتھر۔ مرہٹوں کی سڑکوں کے ذریعے ملک کے دیگر تمام علاقوں سے ملا دیا گیا۔ 1949ء کے اختتام تک ریاست بھر میں 350 میل لمبی جنگی سڑکوں کی تعمیر مکمل ہو گئی تھی۔ بہت سے پٹی تعمیر کئے گئے۔ ان میں سے تین پٹی

اور اپنے ساتھ برقیہ رکھ سکے۔ ایک گاڑی کے مقام پر چوٹی پہنچا۔ اور وہ حریز آہلی بی، ایل ڈی میرنی (ایٹا میرنی) اور دو سرائی کے مقام پر تھا۔ سڑکوں کے دونوں کناروں پر سائروں کی راستہ آرام کے لئے سایہ دار درخت لگائے گئے۔

جب میاں گل جہاں زیب کو حکومت ملی تو موصلا کے قلعہ اس کی ترقیحات میں بہت دلچسپی لیا۔ اس نے سڑکوں کے لئے آٹھ سائروں کے تحت پینٹن اور سویڈر میگر کی سربراہی میں ایک علاحدہ محکمہ قائم کیا۔ سڑکیوں کے کام سے سڑکوں کی دیکھ بھال کے لئے ایک مستقل دستہ قائم کیا گیا، لیکن دوسرے سرکاری ملازمین اور علیحدہ کے افراد کے برعکس، راجست کے وقت انھیں آدھی گھنٹی ملی تھی۔ سڑکوں کی خدمت دیکھ بھال اور قیصر صرف اس محکمہ کے حکام ہی کی ذمہ داری نہیں تھی بلکہ وہی صاحب بناتے خود اس کام میں پوری طرح دلچسپی لیتے تھے اور سب قیصر سڑکوں اور پلوں کے کام کو سپرد رکھنے کے لئے مسلسل ان کا ساتھ کرتے رہتے تھے۔ جب کہ مختلف علاقوں کے تحصیلدار اور حاکم کو بھی ہر قسم کی غائی کے لئے جواب دہ رہا تھا۔

وال صاحب نے سڑکوں کے دونوں جانب ایک خاص فاصلہ تک کسی قسم کی قیصر کی مرافعت کر دی تھی۔ یہ فاصلہ سڑک کے چاروں طرف سے 25 فٹ، 20 فٹ اور 18 فٹ کے سائب سے ۲۰ پا پا تھا۔ علاقہ کے لحاظ سے ان تینوں فاصلوں میں سے کسی ایک پر عمل درآمد کیا جاتا تھا۔ جب کہ سپرد و بنگور سڑک کے لئے اس فاصلہ کا تعین حکومت کی سوابدہ پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ سڑک کے کنارے سے اس فٹ کے فاصلہ پر گیون لایا جاسکتا تھا۔ سڑک کے سوز پر گیون کی قیصر سڑکی تھی۔ اگر کوئی اس عمل کی خلاف ورزی کرتے ہوئے گیون قیصر کرتا تو حکومت ان کے گرانے کا حق محفوظ رکھتی تھی۔

وال صاحب سڑکوں کی دیکھ بھال اور ان کو صحیح حالت میں رکھنے پر بہت زور دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ خاص طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ ٹیک ٹی ٹیکل میں ہانڈی کے قریب سڑک میں ایک ڈیم دار چکی جس کے لئے والی نے مختلف سویڈر میگر کو اسے ٹیک کرنے کا حکم دیا۔ ساتھ کے دوران سویڈر میگر اس جگہ کا تعین نہیں کر سکا۔ جب وال صاحب اور وہ اس مقام سے گذرے تو انہوں نے پھر وہ ڈیم داری محسوس کی۔ معلوم کرنے پر انہیں بتایا گیا کہ سویڈر میگر اس ڈیم دار چکی کا تعین نہیں کر سکا ہے۔ اس پر انہوں نے حکم دیا کہ اس جگہ پر کھینچا جائے۔ جب اسے کھینچا جا رہا تھا تو وہ چلا گیا کہ بس کر اس کر دیکھو اس ڈیم داری کا پتہ چل گیا ہے۔ مہاراجا خان نے اسی قسم کی ایک اور کہانی بیان کی۔ اس کے مطابق وال صاحب اپنے ہم راہ سڑک کے ایک ٹیک دار کو اپنے لئے گئے اور سڑک کے دوران جہاں بھی کوئی ڈیم داری محسوس ہوئی تو ساتھ جانے والے ہائی گارڈ دستہ کے لوگ ٹیک دار کو پھور ڈھانسی مار دیتے۔

صوت کی سڑکوں کی عمدہ حالت کا اندازہ انہیں سننے والی کے اس بیان سے بھی لگاوا جاسکتا ہے کہ انھوں نے ان نفاذ علاقہ کی حدود سے قطعے ہی جہاں نام دار اور نمبروں سے نہ سڑک کا اختتام ہو، پیدے کے درختوں کی طویل قطار کے انھیں سچ نام دار اور نامزد سڑک آواز ہونے والی طور پر لگا کر دیکھا ہے کہ اصل صوت سچھے جسے ذیلی کے اس بیان کی ہم شامل لیا گیا ہے (ممبر قانون ساز اسٹیٹ) نے طرہوں تصویر کی کیا اور یہ تعلق رکھتے ہیں ایک ایک اہل سے صوت لگا جاتا تھا لیکن اسے یہ غرضی کہ اسے کہے یا چلے گا کہ وہ صوت سچھے گیا ہے اس پر ہم مشاہدہ کرنے اس سے کہا کہ جہاں سے سڑک یا ٹرک نام دار اور عمدہ حالت میں ہو اور اس پر سڑک کو کسی ٹرک سے سامنا نہ کرنا چاہئے تو کچھ ہاؤسز کو کم صوت سچھے گئے ہو۔ یہ ایک اہل سے صوت لگا اور صوت کی سڑکوں کی نام دار اور عمدہ حالت کی تصدیق کی۔

نمبر اولیہ جون 1950ء کے مفروضہ میں ریاست میں 125 صوت اور 125 سڑکوں سمیت کواڈرکٹا ہے جو کہ پندرہ سو میل طویل ٹیلی فون لائن اور تین سو پینسٹر میل طویل برسوم میں قابل سڑکوں پر مشتمل ہے۔ میان گل جہاں نریب نے باپ کے بچھانے ہوئے سڑکوں کے چال میں تو سچھی نہیں کی بلکہ ان کی تمام سب کچھ بحال اور انھیں پتہ پانے پر بھی تہہ دی۔ اس سلسلہ میں ہونے والی ترقی کا اندازہ اور مشاہدہ ان کی روشنی میں لگا جاسکتا ہے۔ 1947ء میں کل 350 میل لمبی سڑکیں تھیں جو کہ سب کی سب کوئی تھیں۔ 1957ء میں کل 400 میل لمبی سڑکیں تھیں جن میں سے 15 میل طویل سڑک پتہ تھی اور بقیہ کبھی تھیں۔ 1967ء میں کل 600 میل لمبی سڑکیں تھیں جن میں 104 میل طویل سڑک پتہ اور بقیہ کبھی تھیں جب کہ 1968ء میں ان 600 میل لمبی سڑکوں میں سے 116 میل سڑکیں پتہ اور بقیہ کبھی تھیں۔ ان سڑکوں پر کل 500 کچے پل تھے جن میں سے چار صد پل سے ہی تھے جو کہ برکوت اور جگورو (کاٹھو کے قریب ایوب پل) اور ناران پل اور دین کے علاقہ پر ہونے والے صوت پر جانے گئے تھے۔ پانچواں جہاں پانچ امیرتی پانچ امیرتی کے مقام پر تعمیر کیا گیا تھا۔

## ٹیلی فون

سرحدوں کا ایک اور اہم ذریعہ ٹیلی فون تھا۔ اگرچہ حکومت کی جانب سے اتمام و تنظیم کے ہانے سے تھی یہاں ٹیلی فون نظام کا قیام ممکن نہیں تھا اس لئے کہ یہ سارا سن کے قبل میں تھا۔ دسمبر 1927ء میں پانچ ٹیلی فون کمانڈ کے ایک جہاں میں کہا گیا کہ پانچ صاحب نے کمانڈ کے سپر وگورنر کو لکھا ہے جہاں سے پانچ کمانڈ سے مربوط ہے۔ یہاں گل جہاں نریب ٹیلی فون سے اپنے باپ کے تعلق کے بارے میں کہتے ہیں کہ

انہوں نے اسے باقاعدہ تعلیم نہیں دیا تھا۔ وہ انہوں نے یہ کام قائم کرنے کی ابتدا 1928ء میں کرانی تھی۔ ان سے کئی پہلے ان کو شروع کر سکتے تھے لیکن انگریز حکومت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی ان کے کام بھی نہ انہوں نے اسے باقاعدہ حکومتی تعلیم نہیں دیا تھا۔ وہ تمام لوگوں کو تعلیم دینے کے ان سے مطالبہ مسلم کرنے کا کہا ہے۔ یہ 1949ء میں ہے۔

ان طریقوں کی سب سے ذمہ داری، ایڈیشن، جاتاقا، اور ریاست میں تمام معاملات سے افسر جاتاقا۔

ریاست میں اپنے امکانات کے لحاظ سے ان کے پاس اعداد و چیز ہیں جو ان کے لئے اطلاق ہے جیسا کہ ایک 1949ء قومی طریقہ تھا۔ ان اعداد و چیزوں میں ان کے کام مستقل بذریعہ تعلیم ان سے رابطہ میں رہتے تھے ان کے 1949ء میں لکھے گئے تھے۔ ریاست کے لئے اس کی اہمیت کے لحاظ سے تمام لوگوں کے لئے بھی باہمی رابطہ کا ایک اہم ذریعہ بن گیا تھا۔ 1947ء میں کل پانچ ایکس پیج تھے۔ کل لکھنوں کی تعداد 180 تھی۔ 1957ء میں ایکس پیجوں کی تعداد بڑھ کر اس ہو گئی اور لکھنوں کی تعداد 292 تک پہنچی گئی۔ 1967ء میں ایکس پیج بڑھ کر 17 ہو گئے اور لکھنوں کی تعداد 589 تک پہنچی گئی۔ 1968ء میں ایکس پیج 17 ہی رہے لیکن لکھنوں بڑھ کر 597 ہو گئے۔

## ملک ڈاک

اس ملک کی خدمات کو اور زیادہ طاقتور بنانا چاہیے کیا تھا لیکن اس ملک کی ترقی بہت زیادہ قابل توجہ نہیں تھی۔ اور سرکاری دیکھنا ان میں بدعنوانی کے کئی ایسے معاملات کا ذکر بھی موجود ہے جب کسی پوسٹ ماسٹر نے ملی آزاد کی رقم میں فرقہ برداری کی۔ 1947ء اور 1948ء میں پوسٹ آفسوں کی تعداد 7 تھی۔ 1957ء اور 1958ء میں یہ تعداد بڑھ کر 23 ہو گئی۔ اور 1967ء اور 1968ء میں کل پوسٹ آفس 39 تھے۔

## تجارت اور صنعت و حرفت

ساتھ اپنی زمین کی بے حد زرخیزی کی وجہ سے نیز معمولی طور پر اچھی فصلوں اور قسم قسم کی زراعت سے اور کے لئے جاتا تھا اور جاتا جا رہا ہے۔ کچھ خاص قسم کی صنعتیں ہیں اور ان کے لئے بھی بہت پرانے زمانہ سے شہرت حاصل تھی اور برائی دنیا سے اس کے تجارتی روابط تھے۔ سوائی اونی ٹائلس اور اونی کھیل اپنی مٹی کی وجہ سے مشہور ہیں۔ چائیک نے سرخ سوائی کھیل اور قیمتی ٹائیل کی بے حد توجہ کی ہے اور تجارت میں سات کے باشندوں کی اچھے ٹیروں کی فراہمی کی توجہ کی گئی ہے۔

ریاست کے قیام، فیاری ذوالحاجہ کی تعمیر، چودہ تہ ہر تہ لی کے لئے داخل کی سازگار اور سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے مل کر جدت کے شعبہ میں ملتی تھی کے لئے مجیزہ کا کام کیا۔ نے تہارتی مراکز و جہز میں آگے جہاں تہارتی سرگرمیاں شروع ہو چکی تھیں۔ 1880ء کی دہائی میں بار بار ایک بڑا کاموں میں اسے اور تہارتی مرکز تھا جہاں سے کہ بیان، اس میں اور دیگر شمال مشرقی اضلاع کے ساتھ تجارت ہوئی تھی۔ اپنی اہمیت کے لحاظ سے منگورہ اور سے پھر یہ تہارتی اہمیت کے لحاظ سے منگورہ کا نمبر تیسرا تھا۔ 1930ء تک منگورہ نے مرکزی اداروں، سولت کے سب سے بڑے شعبہ کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ اس کی جہاں کام شروع اور اور انگریزوں سے اس کا قریب ہو تھا۔ اس کے علاوہ دیگر تہارتی مراکز برکوت، پھاربان، خواترہ و خیلہ میں بھی اور کر رہے تھے۔ اپنی روزی رومی کے لئے زیادہ تر سوائی باشندوں کا انحصار اور زراعت پر تھا لیکن دیگر اقتصادی مواقع کی وجہ سے منگورہ میں دیگر پیشوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی بڑی تعداد میں پیدا ہو گئے۔

نظام سہولیات میں بہتری اور جہز و ریاست صنعت و حرفت کی ترقی سے جدت کو فروغ حاصل ہوا اور درآمدات و برآمدات کی قیمت میں کمی کی چیزیں شامل ہو گئیں۔ مثال کے طور پر 1880ء کی دہائی میں سولت سے برآمد ہونے والی ایشیا، جس میں گلی، تہارتی گھڑی، گندھ، پکانی گھڑی، شہد، گھل، بکر، پاں اور بیجڑیں شامل تھیں۔ 1955ء تک ان میں جو، رائیس، پیڑ اور گھاس، پنڈیاں، اٹھوٹ، انور، تہارتی گھل کے بیج، ماری، اور جی پونوں کا اضافہ ہو گیا۔

1880ء کی دہائی میں سولت درآمد کی جانے والی چیزوں میں تک، تہارتی بلا، تک، مختلف انواع کیڑا، کان، اور شہد، پھٹی، گرم مصالحے اور عام ضرورت کی اور ایشیا، جو بیجڑی، اگلے گندھ، بکر، بیجڑیں، اور سولت میں پٹرول، شکر، اسیٹ، پٹی کا گھل، چاول، گندھ، چٹا ٹونا، ہاتھی تیل، عساکار، اور سولت (گلیوں میں استعمال کے لئے) ایشیا کے طور پر شامل ہو گئے تھے۔ ان کے علاوہ مل کا تیار کردہ کیڑا، ایشیا، اور تہارتی شیشہ کا سامان، درآمدات کے لئے اور، گھسار، گھسار کا سامان، کاغذ کا پاپاں، کتابیں، اور سائیکل، ایشیا، عام ایشیا، صرف ایشیا ہی جیسے آرائشیں، ہائی ساٹنگ، سوئی کار، کیڑے بیج کی مشین، گھسار، اور گھل کا تمام ساز و سامان بھی درآمد کیا جاتا تھا۔

نہانے جانے پر کوئی صنعتی سرگرمی موجود نہیں تھی۔ زیادہ تر سولت کے لوگ گھسار میں یا اپنے گھسار کے قریب کام کرتے تھے۔ محدود زمین کی کمی نے صنعت موجود نہیں تھی اور اور تربیت یافتہ کارکن اور تہارتی انداز میں چماتے تھے۔ سوائی میں تہارتی اپنے ذاتی استعمال کے لئے کڑھائی کرتی تھیں۔ بعض اوقات اسے تہارتی عاصد کے لئے بھی کیا جاتا تھا۔ اسی طرح سوائی کا دیگر گھڑی پر نقش کاری کیا کرتے تھے۔ تہارتی یا عوام میں سے نئی اور آپ سے بننے کو منتظر ہوتے تھے۔ کئی کھساروں میں جہز و آلات کا جو کچھ بھی ٹکرا جاتا تھا لیکن زیادہ تر یہ کھسائی میں بحال ہی

کاظم ہوتا تھا۔

مصنوعی میدان میں ترقی کے لئے مہنگا اور نئے جواہروں کی حوصلہ افزائی کی اور ان کے کاروبار کے فروغ کے لئے کوشش جاری رہی۔ اس سوال کے جواب میں کہا جی، ریاست کے لئے اور مزہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کی بہت بڑی فراہم رسی ہے کہ وہ یہاں کارخانے لگائیں جہاں صرف ہاتھ سے پٹنے والی کٹڑیوں سے چھوٹے پیمانے پر کپڑا بنا جا سکتا تھا۔

وقت کے ساتھ ساتھ مشینری درآمد کرنے کے دستخط جاری کر کے اور خام مال کی درآمد پر لگس میں چھوٹ دے کر چھوٹے پیمانے پر صنعتوں کے قیام کے کام کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ ان اقدامات سے 1960ء کی دہائی میں یہاں مصنوعی، پٹلی کپڑے کی صنعت ابھر کر سامنے آئی۔ 1967ء میں یہاں مولد ایسے مصنوعی پینٹ کام کر رہے تھے جن میں 10 جزو، 100 جزو روزگار تھے اور 1968ء میں ان مصنوعی پینٹوں کی تعداد بڑھ کر 22 ہو گئی اور ان میں کام کرنے والوں کی تعداد بڑھ کر تیس ہزار تک پہنچ گئی۔ مصنوعی ریشم سازی کی صنعت کے علاوہ آٹا اور ٹکڑی تیرنے کی لگس، پوٹی کریمت اور بکسے اور سازی اور شہد کی مٹائی کے کچھ مصنوعی پینٹ بھی لگ گئے۔ حکومت پاکستان کے تعاون سے مصنوعی ماز میں کی تربیت کے لئے بھی ایک تکنیکی تربیت کاسرکڑ قائم کیا گیا۔

مصنوعی لہجہ میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے صنعت کاروں کو پابند کیا گیا کہ وہ کوئی کارخانہ لگانے سے پہلے تصدیق دے اور تقریری مواد سے فراہم کریں گے۔ مصنوعی ریشم کے کارخانوں کے لئے لازماً تمام کان کے پچاس فی صد کارکن سوائی ہوں گے اور یہ کان سے آٹھ گھنٹہ سے زیادہ کام نہیں لیا جائے گا۔ اسی طرح مصنوعی کارکنوں سے تقریری صلاحیتیں لی گئیں تھیں کہ وہ جڑتالی نہیں کریں گے اور نہ ہی کسی مزدور، ترقی میں حصہ لیں گے۔

نشت بہت سے کام کو باقاعدہ بنانے کے لئے بھی اقدامات کئے گئے۔ بہت مالکان سے وعدہ لیا گیا ہے کہ وہ 200 میں سے زیادہ سو فیصد کلیدی استعمال نہیں کریں گے جو انہیں بہت میں ابتدائی آگ بلانے کے لئے دستی حکمران کی طرف سے لٹکس کی گئی تھی۔ لٹکس کے بعد انہیں کوئلہ کو یہ طور پر ضمن استعمال کرنا پڑا تھا۔ ایک اور تقریری صلاحیت میں کہا گیا کہ یکے ہنوری 1965ء کے بعد سے بہت مالکان کسی آبی زمین پر یہ کام نہیں چلا سکیں گے۔ اس کے لئے وہ صرف اپنی زمین کا استعمال کر سکیں گے۔

حالاں کہ تقریباً بہت صنعتیں لگائی گئیں لیکن مناسب اعزاز میں صنعتوں کی ترقی حوصلہ افزائی کی گئی اور نہ ہی بڑے پیمانے پر انہیں لگانے کی اجازت دی گئی۔ جب ریاستی چیف سیکرٹری نے کاربن الٹانے کا ارادہ کیا تو والی صاحب نے یہ سیر کر اس کی اجازت نہیں دی کہ اس سے ریاست میں کچی کی قلت ہو جائے گی۔ اسے پانچ لاکھ روپے ریاست حکومت (ملائتھ زور تھا) حالت علاقہ کے مقام پر سوات کاربن پروڈکٹس کے نام سے لگا پایا گیا۔ حالاں کہ والی



صاحب اس سلسلے میں پیپ بیکری سے یہ یقین معافی حاصل کر سکتے تھے کہ کاموں کے استعمال کے لئے کئی نیا نیا کوئی ہارٹس کے لئے کئی نیا نیا ہے۔ کامران خان جو اہل صاحب کے بہت قریبی دوست تھے (بعد میں ان میں یکو اور دی پیا ہو گئی تھی) معاشی ترقی کے سلسلے میں اہل صاحب کی کوشش پر کٹ پھین ہیں۔ انہوں نے اہرام لگا کر صدر پاکستان اصحاب خان سوات میں کی منصوبہ جیسے کام میں ایک ہائیڈرو پاور اسٹیشن ۹ ٹیک پی ٹیل کی آب پاشی شروع اور قریب شروع کرنا ہوا ہے جس سے یہاں معاشی سرگرمیوں میں بے حد اضافہ ہو رہا ہے اور جگہ ایک بڑا ہائیڈرو پاور مرکز بن جائے گا لیکن اہل صاحب اس پر معافی نہیں دے سکتے۔ کامران خان کا کہنا ہے کہ اس بات کی تصدیق میں اہل صاحب کو گدب سے کھلی جاسکتی ہے۔

میاں گل اور نگ زب میں جس میں کہتے ہیں کہ میں اس بات کو صحیح تسلیم نہیں کرتا۔ میرے پاس ان خصوصیات کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ہیں۔ ان میں کوئی اور دور دورہ تو اہل صاحب کی ہی مخالفت نہ کرتے۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اپنے آپ کے خلاف گواہی نہیں دے سکتے۔ ۱۳۰۰ میں تو انہیں اسے اپنی اپنے نے کامران خان کے ہونے سے یہ بات کہی ہے کہ وہ اہل صاحب کے ساتھ دوستی میں اقتصادی ترقی کے علاوہ کسی بھی منصوبہ پر گتہ کر سکتے تھے۔

### باغبانی اور نقد آور تفصیلات

لاہور اور سکات کے باہر اور باغیچہ پانی محدود پیمانہ پر کی جاتی تھی۔ اور ان انسان نے اس امید کا اظہار کیا تھا کہ انہوں نے کوئی کوئی سوات کی آب و ہوا پر قسم کے پھلوں کی بیجوں کے لئے اچھلی سوزوں ہے۔ ایک بار اس شخص سے لطف انداز ہونے کے بعد جوان اور بڑھے۔ لیکن کہ اہل صاحب کی اس ضمن میں کوشش کا پھر پورا ساتھ ہی ہے۔ لیکن یہ بات مستحق توجہ و تامل کے ہے کہ وہ اپنی حقیقت کا وہ پورا حقائق جب اہل صاحب نے باغیچہ اور زراعت کے دیگر شعبوں میں حوصلہ افزائی کی اور اسے فروغ دینے کے لئے مختلف قسم کے اقدامات کئے۔ کہا کہ کوئی نقد آور فصل بھی۔ راستہ کی حد میں شامل ہوئی لیکن یہاں معلوم ہوا ہے کہ ان کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ راستہ میں دیگر نقد آور فصلوں کے ساتھ ساتھ نئے حشرات ہونے والے پھلوں نے بھی مرطوب اسے لئے جب تک ہال اور سوات کی برآمدات کا حصہ بن کر یہاں کے لوگوں کی معاشی خوشحالی میں اہم کردار ادا کیا۔

## سیاحت

اپنے قدرتی حسن وافر تعداد میں آجرتہ پیر اور تاریخی مقامات، دلی تہذیب اور رنگارنگ اسکانی ٹویں کی وجہ سے سیاحت ایک مشہور سیاحتی مرکز بن گیا۔ یہاں گل جہان نریب نے سیاحت کو فروغ دینے کے لئے بہت سے اقدامات کئے۔ انہوں نے اطالوی آثار قدیمہ پر مشن کے اشتراک سے کئی جگہ آثار قدیمہ کی کھدائی کا کام کیا اور ان آثار کے بعض مقامات کی حفاظت کا انتظام کیا۔ ایک میوزیم بنایا گیا جس کا افتتاح صدر پاکستان ایوب خان نے 10 نومبر 1963ء کو کیا۔

خاصی بڑی تعداد میں سیاحوں نے سیاحت آغاز کیا اور ملک کے دولت مند طبقہ کے لئے اس نے ایک پرکشش جگہ کی صورت اختیار کر لی۔ اس سلسلہ میں عمرہ سڑکوں، لڑائی پورٹ کی سہولیات اور سیاحتی سہولتوں کی روز بروز افزائش سے سیاحت کا مرکز بن گیا۔ ریست ہاؤسوں کا ایک جہل بھانے پر بھی کام شروع کیا گیا۔ 1949ء میں صرف 1000 ریست ہاؤس تھے جب کہ 1968ء میں یہ تعداد بڑھ کر 30 ہو گئی۔ دلی سڑکوں کی تعمیر کے لئے قرضے جاری کرتے تھے۔ دلی ہوٹل اور وہیں پر موجود شاہراہوں کی اس بات کے گواہ ہیں۔ 68-1967ء میں مسلم بھگت کے سہم پر پاکستان کا پہلا ٹیگ مرکز بنانے کے کام کا آغاز کیا گیا۔

## سماجی و ثقافتی تبدیلیاں

راست سیاحت کے وجود میں آنے کے بعد یہاں جرمائی و ثقافتی تبدیلیاں آئیں اور قریب و جوار کے قبائلی علاقوں کے برعکس بہت لمبیاں قومیت کی جنمیں اس لئے کہ ان میں سیاست اور معاشرہ بیسویں صدی کے دوران بھی اسی ڈگر پر چلا رہا جس پر وہ بیسویں صدی میں چلا رہا تھا۔

## تختہ طوطی

ذاتی اسطر رکھنا بختون معاشرہ کی ایک اہم خاصیت ہے۔ سیاحت میں جدید آنکھیں اسطر بین الاقوامی اسطر اسکولوں کی اسطر سے پہنچا اور بختون ہر بختون کے لئے عزت اور قدر کی نشانی بن گئی۔ وہ کم از کم اپنے لئے ایک بختون کا حصول لازمی گردانا تھا۔ بختون کے بارے میں کہا گیا کہ وہ اپنی پرانی بیوی اور نئی بختون سے محبت کرتا ہے۔ اس بڑی تعداد میں بختونوں کے پاس جدید اسطر کا وہ بختون ہی حکومت کے لئے باعث تشویش تھا۔

صدا کی کے انتہائی دور میں کئے گئے ایک سرکاری تجربے میں کیا گیا۔

”میں اس وقت اس زمانہ میں فوجوں کے ساتھ ساتھ راتوں میں لیگن آئیے مسٹر ٹیسا توڑھ ہے، ۲۰۰ سے ۲۰۰ فوٹوں کی طرف سے ایجنٹ کی طرف سے اسلحہ حاصل، تو کل فوجوں کے ساتھ، ہر گز ۲۰۰ فوٹوں کی فوج میں ایجنٹ کے ساتھ ہے۔ یہاں فوجی صورتہ ہی ایجنٹوں کی جو ہے ان برسوں میں توڑھ اور فوجی فوجوں میں ہے یہ اضافہ ہے، ان طرف سے ایک جی، لم برنل، مائنس اور اس کی اصل میں میں کوئی میں یا کوئی ہوتی ہے لیکن ان سب کے بعد میں یہاں سے کوئی تاجر نظر نہیں آتے کہ ایک ایسی اس وقت کا ہے جہاں یا امریکی ایجنٹ کے معلق اور فوجی ایجنٹوں کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ وہ سب بھی صورتوں میں ہے، فوجی ایجنٹوں کے لئے ہے، یہاں سے فوجی ایجنٹوں کے لئے ہے، یہاں سے فوجی ایجنٹوں کے لئے ہے۔“

صدا اور فوجی راجا سے اس طرح کرنے کا منصوبہ شروع کر دیا جاتا تھا لیکن اصل مشکل یہ تھی کہ یہ کام کیسے کیا جائے۔ یہ صورت یہ کوئی آسان کام نہیں تھا یا خصوصاً ٹوائس اور ہائر ڈراما سے، جو لیگن، لیگن، مام آبادی سے بھی اس بات کی توقع نہیں تھی کہ وہ آسانی سے اپنے اختیاروں سے دست بردار ہو جائیں گے۔ اس منصوبہ کو کامیاب بنانے کے لئے اس نے برطانوی حکومت کی مدد چاہی کہ کسی حکمت ایسا کرنے سے انکار کی صورت میں وہ اس کی مدد کریں۔ پچھلے ایجنٹ اپنی طرف سے اس کی کوئی بھی مدد حاصل کرنے کے لئے آمادہ نہیں تھا، مام آبادی میں منصوبہ کو وقت اور برطانوی حکومت کے لئے بھی صورتہ لگتا تھا۔

1928ء کے موسم گرما میں اس منصوبہ کے حصول کے لئے ڈاکٹر نظام (دعوت نظام) اور جے کے اورنگ آباد کو استعمال کیا گیا۔ لیکن نے اپنا اسلحہ فراہم کیا لیکن عمل فروغ دہی کے ساتھ ایسا نہیں کیا گیا۔ یہ وقت طلب نہ نظر ہم کسی عملی طاقت اور خون خراب کے بغیر انجام تک پہنچا سکی۔ لیکن اس طرحی صورتہ کے گورنر راجہ کوٹھ نے اسے اپنا صاحب کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ قرار دیا۔ لیکن اس نے برطانوی حکومت ہندی میں بھی نہیں۔ اس لئے کہ کسی پٹھان کے لئے سب سے قیمتی اشیاء اس کی زندگی ہے، اور اسے اس سے محروم کر دیا کوئی مجبور کارنامہ ہرگز نہیں ہے۔ لیکن اس میں کسی کامیابی سے یہ نتیجہ اخذ کر کے کہ اس کے پاس اسلحہ بالکل موجود نہیں، بلکہ یہ کہ اس کی قسم کا اسلحہ نہیں ہے، اس لئے کہ اسے وہ اسلحہ بھی دیکھ سکتے تھے لیکن اس کے لئے اس شخص ضروری تھا اور اس کی ایک خاص قسم کی پزیرائی تھی۔ اس لئے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ اس سب سے کہ اس میں اس کا مطلب علاقہ کو اسلحہ سے بالکل پاک کرنا ہرگز نہیں تھا بلکہ اسے دیکھ کر اور دیکھنا دیکھنا ہی تھا۔ لیکن طاقت اور ہائر ڈراما اب بھی غیر قانونی اسلحہ رکھتے تھے۔

## خان اور ننگ کی حیثیت

ابتدا میں خان اور ننگ کا انتخاب لوگ اپنی آرزو اور مرضی سے خود ہی کرتے تھے لیکن ہلدی یہ چیز سرورڈ ہو گئی۔ حالانکہ نظری طور پر اب بھی یہ منصب لوگوں کی مرضی کے تابع تھا۔ میاں گل میاں اور نے اس میں ایک بنیادی نوعیت کی تبدیلی کر دی۔ وہ یہ کہ لوگوں سے اس انتخاب کا حق چھین کر اسے انہوں نے اپنے ہاتھ میں رکھ لیا۔ جسے چاہا خان یا ننگ بنا دیا۔ جسے چاہا اس حق سے محروم کر دیا۔ اب ان لوگوں کو حکومت کی طرف سے صرف سوا بے ہی نہیں ملتے تھے بلکہ اپنے دائرہ اختیار میں غریبوں سے لئے جانے والے جراثیم کا ایک خاص حصہ بھی انہیں ملتا تھا۔ اور اب ساجد ادا میں کسی جھگڑے کا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اگر وہ کرتے بھی تو فریقین کو عدالت جانے کا اختیار حاصل تھا۔ مزید یہ کہ اب وہ اپنے لئے سپرد خاں نے (دھڑے) بھی نہیں بنا سکتے تھے۔ اگر ایسے امرو کے مطابق:

”خال اور راست کے سرخ و سفید ہونے کے بعد خواتین کو حاصل بہت سے اختیارات ان سے لیمن کر سکا۔ ان کے پاس پٹے تھے۔ خطا کھوڑا اور بیگہ کا حق۔ اس کے بدلے یہ راست طلبہ اسکول اور ہسپتال کی سہولت فراہم کرتی تھی جب کہ خان کی حیثیت کہیں اور راست کے وہاں ایک وہاں بھی ہو گئی۔“

یہ بات جڑی طور پر درست ہے لیکن محسوسات اور بیچارے کا حق اب بھی گل اور راست دور کی طرح خان کو حاصل تھا بلکہ اس لحاظ سے ممبرانہ اور نے ان کی حیثیت کو مزید مستحکم بنا دیا۔ البتہ میاں گل جہاں ذریعہ نے اس حیثیت کو کسی حد تک کم کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ مثلاً اس نے برتاؤ قابل انتقال جائیداد کے مالک کو اپنی جائیداد کا ننگ بنا دیا۔ اس طرح راست کے باوجود کہ وہ ننگوں اور خواتین کو لوگوں کی جائیداد پر حاصل حقوق کا خاتمہ ہو گیا۔ اسی طرح اس نے خواتین کو مجبور کیا کہ وہ اپنے سابق حقوق منگاری (گردی) یعنی اپنے متعلقہ گروہ پر حاصل حقوق سے دست بردار ہو جائیں (جنھیں اگر ایسے امرو کے جہان کے برعکس ممبرانہ اور نے مزید مضبوط بنا دیا تھا) اس سلسلے میں ان سے گہری بات لے لے گئے۔

نئی ضرورت تھی اور چونکہ ممکن نہ تھا کہ ایک گاؤں کی آبادی کا چار دوسرے گاؤں ہجرت کرنے کا زمانہ قدم سے چھوڑنے والا نظام ختم کر دیا گیا۔

نئی اقتصادی تبدیلیوں اور تبدیلی کی باتوں کے زیر اثر ۲۰۴۰ء میں پیش طبقہ نے ممتاز حیثیت حاصل کر لی۔ ان میں بہت سے معاشرہ کی قیادت کرنے والے ان لوگوں سے زیادہ خوشحال ہو گئے جن کی برتری کا انحصار صرف زمین کا قبضہ پر تھا۔ بالعموم سادے پختون اور بالخصوص سادے خواجیوں اور ننگ ایلی روایتی حیثیت کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتے رہے لیکن معاشرہ زندگی کو بدل رہ گئے کے لئے اور کاروبار میں روز افزوں اضافہ نے اس کو بہت دھارا دیا۔ انہیں اپنی زمینیں بیچنی چہیں ۲۰۴۲ء میں پیش طبقہ نے فریو لیس۔ 1955ء کے بعد اور پھر سے اس تہذیب کا پہلوی امانہ لگا یا جاسکتا ہے جب دیکھو، میں اپنے دور کا چھٹا حصہ پختونوں نے نئے حالات میں ۲۰۴۲ء میں پیش طبقہ کے ہاتھ لڑا ہمت کر دیا۔

روایتی معاشرہ میں محروم صرف ایک سردار نہ رہا تھا بلکہ اس سے یہاں خانہ کا کام لیا جاتا تھا، یہ سماجی مرکز نہیں، چاروں خیال اور غیر شادی شدہ مردوں کے سامنے کے لئے استعمال میں لایا جاتا تھا۔ اس کی حیثیت ایک کثیر القاصد سماجی مرکزی تھی۔ یہ نہ صرف شادی کی باتوں کا نقطہ کار تھا بلکہ گاؤں میں ہر جگہ کا محفل بھی یہاں سے قریب ترین کاروبار کرتا تھا۔ زندگی کے لئے طور طریقے نے اس کے روایتی کردار کو آہستہ آہستہ محدود کر دیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ روایتی سماجی مرکز نہیں رہا۔ اس کی جگہ نئی چیزوں نے لے لی لیکن اب بھی اس کی کچھ روایتی خاصیتیں موجود ہیں۔

جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں روز افزوں اضافہ نے ایک اور جہت میں پانچا اثر دکھایا۔ اور مزید ذہنی آزادی کا مطالبہ کیا اور طریقے کن کے مطابق طور کو بحال کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ انسانی اور عمومی بل شکل کی وجہ سے امتیازوں میں تبدیلی واضح ہوئی۔

”ہمت سے لوگوں نے اپنے آپ کو بڑھانے کے لئے پہلے چھ ماہہ روزی اور پھر پٹے پر لے کر کاشت کر کے لوگوں کو روزی اور سبزی ترقی کرانی، گیان، سفالی، روزی، چم، پٹے، بھلے کا کاروبار، سوزا، راجہ گنگ، اور شیخوں کی مرستہ وغیرہ کی دکانیں اور دکانیں۔“

نئی از ریاست دور میں نئے یہاں تھائی تھا، دھوبلی اور نہ ہی روزی۔ اور نئی ہی پٹے سے دھوبے اور پٹے کا کام کروانے پر کرتی تھی۔ تھائی برون، ریاست سے لانے گئے۔ موسم گرما میں لوگ کوشت نہیں کھاتے تھے بلکہ وہاں مقدار میں لگنے والی چیزیں کھایا کرتے تھے۔ اس دوران تھائی کاروبار پیچھے رہے تھے۔ انہیں پانچ ماہہ کاروبار کیا کہہ کر میں لگنے بڑھانے کے پھر صورت دیکھان کو موسم گرما میں اس کی اجازت نہیں ہوگی۔ پہلے سبزیوں کو ہوائی

تہ سہ سے لئے نہیں لگائی جاتی تھیں لیکن اب اس کی حوصلہ افزائی کی جانے لگی اور اسے ایک ترین عمل تبدیل شکل  
 دے دئی گئی۔

انگریزوں اور ہندوؤں نے بتایا ہے کہ بیکہ لگنا ریاست میں ایک بڑا بزم کرانا چاہتا تھا۔ میاں گل جہاں زیب  
 نے اسے قلم کرنے کے لئے بہت سے اقدامات کئے بلکہ ایک بھکاری مہاراجن سے تحریری مہد لیا تھا کہ وہ آئندہ  
 بیکہ نہیں لگائے گا۔

میں گل مہاراج اور مہاراجیاں گل جہاں زیب نے ہر لاکھ سے معاشرہ کو جو لئے اور اس میں ایک قسم کی باقاعدگی  
 پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لوگوں کے ذہنی رویوں تک میں جلا دلانے کے جنس کئے گئے۔ شاہیوں کو بھی حدود و قیود کا  
 پابند بنایا گیا۔ سرکاری رقم سے لے کر ہر کسی کی دولت میں آنے والے سہانوں کی تعداد متبرہ کر دی گئی۔ تاجدار کو کوڑی  
 قرار دیا گیا اور ایک لڑائی کے مطابق تاجدار ہونے کی صورت میں دولت کو شہر سے سرکاری رقم نہیں ملے گی۔ اسی  
 طرح کسی کے وفات کے موقع پر تقسیم ہونے والی رقم (اسٹاک) تقویٰ کے لئے ایک گھرانہ سے جانے والے افراد کی  
 تعداد آنے والوں کی قریب چائے یا کھانے سے ہو۔ ان سب معاملات کے لئے قواعد نہیں بنائے گئے۔ تختہ اور تیسری  
 شاہی (جنس کے لئے وراثت کا بیان اور نگران کی اجازت لازمی تھی) کے ضمن میں فرمایا جاتی تھی۔

۱۹۰۰ء یافری لڑائی لگتا ہے ان بی دور کے پاکستان میں حالی قوانین کے نفاذ کی جی۔ اسی سے ہماری کیا گیا۔ ایک  
 موقع پر مہمان کے لئے مجھ میں چائے لانے پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ حالانکہ مہمان سے اسکاٹ کے پھل ملے پر  
 عمل درآمد نہیں کیا گیا لیکن اس ضمن میں کسی حد تک کامیابی ضرور حاصل ہوئی۔<sup>۱۱</sup>

میاں گل جہاں زیب کے بعد حکومت میں سید بیگمہ روزا پرتاگ چلانا منع تھا۔ اسی طرح دارالحکومت میں  
 کتا پالنا اور سرکار کا صنوع تھا۔ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں وہ لوگوں کی آوازوں کا شور شاہی دفتر یا شاہی گل کا پڑ سکون  
 داخل عمارت کرے۔ اس بنا پر یہاں آؤڈیٹنگ کا استعمال بھی ممنوع تھا۔ سڑک کے کنارے بیوی بچہ کرنے پر سخت  
 پابندی تھی اور بیوی بچہ کرنے کے بعد استحقاق کی فرض سے اٹھنے یا کاندھ سے خود کو کھنگ کرنے کا ہر عام عمل قابل سزا  
 جرم تھا۔ جرم نامہ تھے اور پان کھانے پر بھی پابندی تھی۔

## عورتوں کے حقوق

سوات کے پٹھانوں کے ذہنی جائیداد میں معاشرہ میں انکساری اور سیاسی قوت کا بنیادی ذریعہ نہیں تھی۔  
 اور جس طرح شمالی عرب و لوگوں کے لئے لائٹ لازم و ملزم ہے سوات کے پٹھانوں کے لئے سیاسی طاقت اور

کہ عورتوں کو اس سلسلہ میں کوئی حق نہیں دیا جاتا تھا۔

میاں گل میاں اور نے دعویٰ کیا ہے کہ عورتوں کو معاشرہ میں ان کا جائز مقام سے دیا گیا ہے اور انہیں شریعت کے مطابق ان کے حقوق دے دیئے گئے ہیں۔ لیکن ان کی وراثت میں دیئے گئے حق سے عرواں اور میر میں وہی کمی زمین پر لگائی گئی پابندیوں سے خود یہ خود اس دعویٰ کی تردید ہو جاتی ہے اور مذکورہ بالا ذرا جتنی کمی شادیاں بھی اسے تلافی کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اور حقیقت عورتوں میں عمل ازراہ سنت اور ہی کی طرح ان کے وہ حکومت میں بھی حق وراثت سے محروم ہیں۔ 1939ء میں میاں اور نے ایک ایسی تہہ تیار کر کے ان کی تصدیق میں اس وقت کے صوبائی گورنر چارج کنگھم اور 1949ء میں پاکستان کے صدر کریم کوثر سے کرائی جس میں ان نے اپنی پوری جائیداد اپنے دو بیٹوں میں بانٹ دی۔ جس سے یہ حقیقت بالکل آشکار ہو گئی کہ اپنے ترکہ کے سلسلہ میں بھی شریعت کی پیروی سے اس نے اجتناب کیا۔

عورتوں میں بھی ملے والی زمینوں کو ترجیح کئی تھیں اور نہ ہی انہیں وہیں رکھ کئی تھیں۔ وہ صرف ان سے حاصل ہونے والی فصل استعمال کر سکتی تھیں۔ دیر۔ ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ کی حکومتی کمیشن کی مشافی رپورٹ میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ وراثت کے تنازعہ تصدیقات کا نتیجہ کے پاس بھیجے جاتے تھے اور 1949ء کے بعد سے وہ شریعت کے مطابق ان کا فیصلہ کرتے تھے۔ 1937ء اور 1949ء کے درمیان وراثت کے تصدیقات کا نتیجہ کے پاس بھیجے جاتے تھے لیکن ان کے زیادہ تر فیصلے حکومتی حکمرواں کی بنیاد پر ملے گئے جاتے تھے۔ 1949ء سے پہلے وراثت کا دعویٰ قانون نافذ العمل تھا۔ 1949ء میں اقتدار سنبھالنے کے بعد عدلیہ صاحب نے بھی ابتدا میں دعویٰ کی بنیاد پر فیصلے کیے لیکن بعد میں حکومتی حکام نے عورتوں کو شرعی قانون کے مطابق ان کے حصہ دینے۔ جب کہ بعض

معدلات میں صرف ان زمینوں کی فصل استعمال کرنے کی انہیں اجازت دی لیکن انہیں کے فیصلے اندر معاہدہ، اہل نپ انداز میں کے جاتے تھے۔ بعض مثالیں ایسی بھی ہیں کہ انہوں نے سردوں کو نہ تو کھان کا حصہ بننے سے روک دیا۔ وہ ایسے سارے معدلات کا پیسوں کے حوالے نہیں کرتے تھے۔ نہ ہی انہوں نے اس ضمن میں اسلامی قانون کے نفاذ کو یقینی بنانے کے لئے کوئی اقدامات کئے۔ انہوں نے ٹیڈوہیہ۔ سوات نہجی۔ چھڑوں کے انگریزی کیلن کے دورہ اپنے بیان میں اس بات کو تسلیم کیا۔ سارے معدلات میں والی کی نقل اجازت کے بغیر زمین کو نہ انڈوں کے حوالے نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس طرح ان کے دور حکومت میں بھی جہاں تک زمین کی ملکیت اور وراثت کا تعلق ہے تو بالعموم روایتی قانون ہی نافذ العمل رہا۔

### غیر مذہبیت اور مطربیت

ریاست سوات دن بہ دن غیر مذہبیت کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ یہ بات کم اہمیت کی حامل نہیں کہ عبدالودود کے اقتدار میں آتے ہی ان کے پہلے اقدامات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اس نے سارے مذہبی مقبرہ ریاست سے نکال دیئے۔ اور کے برعکس سوات کے عسکران خانہ انہوں نے (جو کہ ایک سو فی صدی کی نسل سے تھا) برطانوی حکومت کی زیر سرپرستی اقتدار پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کی، ریاست کو غیر مذہبی اور مطربی رنگ میں رنگنا شروع کر دیا۔

ایان اسٹینگر جب 1948ء میں سوات آیا تو وہ دیگر علاقوں میں اپنے تجربے کی بنیاد پر ملاقاتی کھانا کھانے کا منظر تھا۔ وہ جاننا تھا کہ یہ کتنا مہم ہوگا لیکن کوئی مہم کھانا سارے نہیں آیا۔ بعد میں اپنے ایک دورہ کے دوران اس نے اس قسم کے کھانے کے لئے باقاعدہ اشتہار کی اس لئے کوڑے یقین تھا کہ والی تیار کرنے کی صورت میں یقیناً مطربی انداز کے کھانے نہیں کھانا ہوگا۔ شاید ہم کسی دن خالصتاً وہ کھانا کھا سکیں گے جو پٹھان بالعموم کھاتے ہیں۔ تاہم وہ کہتا ہے کہ والی کی خوب صورت پیشانی پر ملے آگئے۔ میرے اس انداز کے سوال پر وہ کچھ شینا پھرا اور احتجاجاً کہہ: "لیکن کوئی مگر یہ مگر یہ کی کھانے ہی کھانا چاہے گا۔ ہم ان کے لئے باقاعدہ اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ سیر اور ہائیڈرولیکس پل میں ایسا ہی چارہ کرتا ہے۔"

عبدالودود کے بعد حکومت میں سوات میں سینما کا وجود نہیں تھا۔ انگریز چھ ہائیڈرو سے تھا گیا کہ والی (ہاجا صاحب) نے سینما گھر بنانے پر پابندی لگا دی ہے۔ ہائیڈرو کے مطابق "اسے اس بات پر کیسے یقین آنے لگا کہ وہاں کھائی جانے والی فلموں سے لوگوں کو کوئی فائدہ حاصل ہوگا؟ ہائیڈرو اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

"میرے یہ ہونے لگے کہ غیر ضروری اور سستی اور اسے اس میں کوئی فائدہ نہ لگے گا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اس کی ایک جانب اس سخت گیر پالیسی کی طرف سے ہائیکس، وہ سکا کہ کم از کم میرا حصہ سے دیات جہاں گا اور یہ بات اچھا ہے۔"



بندی ہو رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پرستش بھی دامن گیر رہتی ہے کہ یہ مقامی قوم کی عظمت کو بے وقعت و بے شکستی کی ایک سوانح کے طور پر منظر و مناظر پارگی دیا گیا کہ وہاں آنے کے بعد یہاں کی سوسائٹی کے ساتھ بے ملاحظہ و بے احتیاطی زندگی سے انکسار کا تصور ہو جائے کہ اس سوانح سے بڑے بڑے پتھروں کی طرح پریشانی زندگی کی نشاندہی نہیں کریں گے اور زندگی کی یہ نشانیاں کے لئے ناگوار و ناگوارت نہیں ہو جائے گی۔

لیکن یہ پابندی و قراؤں کی گنجی جاسگی۔ اپنے آپ کے برعکس یہاں گل جہان زیب منظر امر زندگی اقتدار اور تفریح کا شوق نہیں تھا۔ اس نے سیمینا گروہ کی تعمیر کی اجازت دے دی اس لئے کہ وہ سوانح کو جیسے وہ چاہتا تھا۔ 1985 تک یہاں وہ سیمینا گروہ میں بچے تھے۔ ایک سوانح سیمینا اور اس وقت کے

ہیٹھا صاحب کے دل میں کھلے عام شراپ و پانکھ نہیں تھا لیکن اس کے اقتدار سے ڈرتے رہا اور ہونے کے بعد 1992 میں بول گئے۔ 1992 میں گل جہان زیب نے مقامی طور پر شراپ ہانے والوں سے تقریری خطابوں کی ہیں کہ وہ آئندہ شراپ نہیں ہائیں گے لیکن باہر سے درآؤ شراپ کی دوسو کھلے عام ہوتی تھی۔ اس کے باوجود لکھنے والے جاتے تھے اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی سرکاری ملازمتوں میں اضافی کا باعث تھی۔ اس تجربہ کی شہرتی کے لئے پیرائٹن کی کتاب دیکھی اور اس سے مدد لی جاسکتی ہے۔ جہاں وہ 1992 سے کہ ان کے ساتھ کیا چیز یا سبب ہیٹھا صاحب کے دور حکومت میں وہ اسٹیل شراپ کی ایک فاسٹی لے کر خوراک خانہ کے لئے داخل مستعد کرنا چاہتے تھے۔ اس کے برعکس وہاں صاحب کے بعد میں اپنی آمد پر اسے تیار کیا کہ اسے ہوئی میں داخل نہیں ہے اور وہ چاہے چاہے لیکن اس کی قیمت اسے طوری ہونے سے کی اس لئے کہ ٹھکانہ کی فائل میں داخلگی کے گوشوارہ کا بہت ہوا لگے گا۔ جس پر اس نے ہنسنے اور لکھا کہ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسے شراپ مل بھی سکتی گی۔

میں کا تہوار جو میں اپنے حلقہ ملازمت کی ذمہ داری میں سنبھالتی تھی لیکن ہر برس کے لئے کوئی ایسی جگہ جہاں یہ تہوار منعقد ہو سکتی تھی۔ ریاست کی جانب سے ہر پانچ سوات کے بائیں کنارے پر موجود پبلیس لائن کے مقام پر ایب پٹی کے قریب اس موقع پر ایک میلنگ انتظام کیا جانے لگا۔ ریاست کی ہر جگہ سے بلک باہر سے بھی لوگ اس میں حصہ لینے کے لئے آتے تھے جہاں تاج گانے والی لڑکیوں کو عمل سرکاری حلقہ کے ماحول میں اپنے دل کا مظاہرہ کرتی تھیں۔

یہاں گل جہان زیب نے تاج گانے کی سرپرستی کر کے اسے اپنا سہارا بنایا۔ اس پیشہ سے منسلک لوگ کچھ قواعد و ضوابط کے پابند تھے۔ اگر انہیں اپنے فن کے مظاہرہ کے لئے ریاست سے باہر لے جایا جاتا تھا تو ان کے ہمراہوں سے تقریری خطابیں لی جاتیں کہ وہ ان کے ذہنی، مالی اور لفاظی دوسروں کے تحفظ کے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ لوگ ٹورنگی طور پر قانون نہیں توڑ سکتے تھے۔ تاج گانے کا یہی شوق تھا جو کہ وہاں صاحب کی ایک دیکھ سے شادی و





10. لڑائی ٹائی ٹیر 1987-88ء پر لی، 1990ء میں ترک دیا گیا اور ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت اس کا مطالعہ نہیں ہوا۔ اس کا مطالعہ صرف اس کے لئے کیا جاتا ہے اس لئے کہ اس کا مطالعہ اس کتاب کے لئے کیا جاتا ہے اس لئے کہ اس کا مطالعہ اس سے کیا جاتا ہے۔
11. یہ بات ہے کہ ہم لوگ اس کتاب سے اس وقت بھی بے بہتہ ہمتی سے اس کا مطالعہ نہیں کرتے اس لئے کہ اس کتاب سے اس کا مطالعہ اس سے کیا جاتا ہے۔

## ادغام

ریاست سوات تمام سرحدی ریاستوں میں سب سے زیادہ ترقی کی جانب گامزن تھی اور شمال مغربی سرحد کی ابھی تک سرحد ریاستوں میں سے سب سے زیادہ نام ریاست تھی لیکن اس کے لئے اپنے طرزِ عمرانی کی وجہ سے اپنے وجود کو زیادہ اور تک برقرار رکھنا ممکن نہیں تھا جو کہ بولنے حالات اور اس کے اندر سے وجود میں آنے والی طاقتوں سے متصادم تھا۔ پاکستانی دورِ ممالکی سحر میں آنے والی تبدیلیوں اور واقعات نے بھی تبدیلی کے اس عمل کو تیز کر دیا۔

3 جون کے منصوبہ کے اعلان سے قبل 2 جون 1947ء کو داکٹر رائے نے گلبرائے کے موقع پر نواب بھوپال اور مہاراجہ بیکانر سے ایک ملاقات کی۔ داکٹر رائے اپنی ذاتی رپورٹ میں لکھتا ہے کہ

”جب سوات نے اس منصوبہ کی تفصیل آتے تالی تو نواب بھوپال نے کہا ایک بار پھر حالات ماب کی حکومت نے انہیں کو مشکل میں تھا مجھ سے زیادہ یہ سب سب کیسے ممکن کی جیسی کی ہوئی انہیں کے مطابق ممکن اور ان کو ضرورت کے ساتھ شمال میں تھے لیکن اب ایک حتمی صورت کو سامنے رکھنے کے ساتھ ہی میں نے سوات میں عمل شروع کر دیا۔“

جہاں تک ریاست سوات کا تعلق ہے تو نواب بھوپال کی جیسی کوئی طرف یہ حرف بھی ثابت ہوئی۔ یہ کہہ کر سرحد تک تو اپنے علاوہ وجود کو برقرار رکھنے کی جگہ 1969ء میں اس کے الگ وجود کا خاتمہ ہو گیا۔ سب سے اس ملک میں وہ قدم کر دیا گیا جس کے ساتھ اس نے شمولیت اختیار کی تھی یعنی پاکستان۔

مسلم لیگ کی قیادت نے 15 اگست 1947ء کو انگریزوں کے چلے جانے کے بعد شمالی ریاستوں کی اپنی علاوہ حیثیت برقرار رکھنے کی حمایت کی تھی لیکن پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد انہوں نے اپنا رخ بالکل مخالف سمت کی طرف موڑ لیا۔ S. J. Omer اپنے ایک نثریہ کتاب میں بیان کرتا ہے کہ قلات کی ریاست کو پاکستان میں شامل ہونے کے لئے دہاؤ کے طور پر اس کی پی سی ڈی ایس ویلہ، خادان، اور نکران جڑ پیلے ریاست قلات کی تنظیم و بجلی تھیں۔ ریاستوں کی جانب سے پاکستان میں شامل ہونے کے لئے جیسی کشوں کا انتظام کر دیا گیا اور پھر انہیں منظر

کر لیا گیا۔ اس طرح ان تینوں ریاستوں کی شمولیت کا قانونی جواز مضحک ہے۔

پاکستان کے وجود میں آنے کے فوراً بعد سے پاکستانی حکمرانوں کی ان ریاستوں کے بارے میں پالیسی میں عداوت کے خلاف تھی۔ ان کی طرف سے شمولیت پر رضامندی کے حصول کے بعد وہ ان کا پاکستان میں اوقاف چاہتے تھے۔ ایف ایل خان نے اپنی اس خواہش کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ وقت آ گیا ہے کہ ہم ان ریاستوں کو ضم کر دیں۔ اگرچہ اس خواب کو حقیقت کا جامہ پہنانے سے پہلے ہی اسے نقل کر دیا گیا لیکن پاکستانی حکام نے اس کی پالیسی کو جاری رکھا اور چند برسوں کے اندر ہی سرحدی ریاستوں پر سوات اور چترال کے علاوہ سب کو ضم کر لیا گیا۔ ان تینوں ریاستوں کے ضم نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کی ترقیاتی اہمیت کی وجہ سے مرکزی حکومت ان پر سے اپنے ہاتھ اسلحہ قبضہ سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہیں تھی۔

مآخذ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دیگر ریاستوں کے مقابلہ میں ریاست سوات سے زیادہ پیپلز جمہور نہیں کی گئی۔ اس کا ایک سبب تو یہاں کے حکمرانوں کا وہ یہ تھا کہ وہ سوات کی سرحدیں پر اہل ماست افغانستان سے نہیں ملتی تھیں۔ افغان اور پختونستان حال نے چوہی ریاست پر جس بیعت کا ہم کھلایا۔ وہ حقیقت میں سرحدی ریاستوں کا وجود کسی حد تک اس حال پر ظہور کے یہاں سے رخصت ہونے کے بعد افغانستان سے سرحدی حکمران برقرار رہا۔ اس افغان عداوت حکومت پاکستان کو پریشان کنے رکھی رہی۔ چون کہ افغان سرحد جزوی طور پر چترال کی ریاستوں سے ملتی تھی اس لئے پختونستان کے مسئلہ پر کامل کے بیجا کر دیا گیا۔ اس سرحدی ریاستوں کی ترقیاتی اہمیت زیادہ تھی۔ اس صورت حال نے پاکستان کے وفاقی حکام کو ان سرحدی ریاستوں کے معاملہ میں احتیاط رستے پر مجبور کئے رکھا۔

کچھ پاکستانی حکام ۱۹۶۲ء میں سرحدی ریاستوں کے مسئلہ میں ہنگامہ کا اظہار تھے۔ ۱۹۶۲ء میں ایشیا کی جنگ کی جانب سے دئے گئے اس مشورہ سے یہ حقیقت مہیاں ہے کہ پاکستانی حکومت کی جانب سے قوانین کی ترمیم سے اجازت یہاں پر یہ تنازعہ اٹھنے سے گامک یہاں اپنی انقلاب پر اس کے مکمل قبضہ کی ابتداء ہے۔ ہمیں یہ تاثر دینا چاہئے کہ اس سے اجازت دینا چاہئے نہ پاکستانی حکام کے نقطہ میں بہت حد سے اہل صاحب کے دستخانہ مراسم تھے۔ انہیں وہاں زیادہ تر دسترس حاصل تھا جس کی وجہ سے وہاں ان کی حیثیت تھی اور اس پر اسے کوئی طرح پر اثر رکھنا چاہئے تھے۔

اہل کے دستخانہ کی شہرہاں اب خان کی نظریوں سے ہوئی تھی جس کی وجہ سے اہل کی حیثیت خاصی محکم تھی۔ اہل صاحب نے اسی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے یہاں کیا ہے کہ صاحب اب مجھ سے کیا کرتے تھے اور کوئی آج پاکستان میں وہ تم کو لوں لیکن اس سے تمہاری حیثیت پر اثر چڑے گا اس لئے میں یہاں نہیں کر پاؤں۔

## ریاست کی آئینی حیثیت

نوابی ریاستوں کی جانب سے مکمل آزادی کے مفروضہ کو تسلیم کئے جانے کے بعد 15 اگست 1947ء کو حکومت پاکستان اور ریاست سوات نے اپنے اہم مستقبل کے تعلقات کا ضمنی ضابطہ الامان کی عمل میں کیا۔ یہ ضابطہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کی شرٹاک سے مطابقت رکھتا تھا جسے حکومت پاکستان نے قبول کر لیا تھا۔ ریاست میں اپنے الگ اسیل کو برقرار رکھنے ہونے پر ان کے حکمران نے دفاع، عدلیہ اور مذہبی معاملات پر حکومت پاکستان کا اختیار تسلیم کر لیا تھا۔ اس ضابطہ کی فیہا ہر ریاست سوات نے نہ صرف پاکستان کے رفاق میں اس کے ایک وفاقی جزو کی حیثیت سے بلکہ حاصل کر لی بلکہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کی ذیلی حصہ 5 کے تحت (ا) سے جیسے لئے حوالہ بھی حاصل کیا۔

دوسرے کے علاوہ دیگر وفاقی ریاستوں کی طرح ریاست سوات نے بھی 1954ء میں ضمنی ضابطہ الامان کی عملی صورت دی جس کے مطابق وہاں نے اپنے اختیارات پاکستان کے وفاقی قانون ساز ادارے کو سونپ دیے۔ اب اسے پاکستان کے دیگر حصوں کی طرح اس ریاست کے لئے بھی قانون سازی کا حق وفاقی اور دیگر حشرات میں انوں (نمبر 3، 4، 5، 6، 7، 8، 9، 10، 11، 12، 13، 14، 15، 16، 17، 18، 19، 20، 21، 22، 23، 24، 25، 26، 27، 28، 29، 30، 31، 32، 33، 34، 35، 36، 37، 38، 39، 40، 41، 42، 43، 44، 45، 46، 47، 48، 49، 50، 51، 52، 53، 54، 55، 56، 57، 58، 59، 60، 61، 62، 63، 64، 65، 66، 67، 68، 69، 70، 71، 72، 73، 74، 75، 76، 77، 78، 79، 80، 81، 82، 83، 84، 85، 86، 87، 88، 89، 90، 91، 92، 93، 94، 95، 96، 97، 98، 99، 100) میں مل گیا ہے اور اسے ان ہر ریاست میں عمل درآمد قانون حاصل ہو گیا۔ حکمران کے اعلان میں مزید کہا گیا کہ:

اس مزید یہ اعلان کیا گیا کہ پاکستان کو تو ہمیں حصہ پاکستان کی قانون ساز اسٹیبلشمنٹ کے لئے اس طرح کی ریاست کا بھی آئینی مواد جس طرح پاکستان کے دیگر حصوں کے لئے ہو گا اور اس پر اس کی تمام باتوں کے مطابق عمل کرنا ہو گا۔ جانے گا اور اس آئینی کی تمام باتوں میں اس کے علاوہ ہونے ہی ہوتی ہیں۔ اور اس سے خداوند گنہگار بنائے گا۔ اس کی ساری باتوں کو تسلیم کر لیا گیا۔

اس ضابطہ سے قانون ساز اسٹیبلشمنٹ نے وہ اختیار حاصل کر لیا جس کے تحت وہ سوات کو پاکستان کی آئینی تنظیم میں ایک جگہ سے نکلے اور وہاں کیجئے۔ قانون ساز اسٹیبلشمنٹ نے بنیادی اصولوں کے لئے قائم کئی کمیٹی کی مشورہ پر ممبرانہ پاکستان میں سوات کو گورنری ریاستوں کی طرح جگہ سے کرنا ہے، اس کے علاوہ اس کا حصہ بنانا اور اس کے تحت قانون ساز اسٹیبلشمنٹ کی طرف سے سوات کو آئینی پاکستان میں جگہ دینے جانے کے بعد ریاست اس کی پابند ہوگی۔ اب آئینی اسٹیبلشمنٹ نے سوات کو گورنری ریاست کی حیثیت سے کوئی صوبہ بنانا ہے یا کسی اور میں سے وٹم کرنا ہے یا اسے پہلے کی طرح کام کرنا ہے۔

1956ء کے آئین کی تشکیل اور الامان سے عمل بنیادی اصولوں کے لئے قائم کئی اور قانون ساز اسٹیبلشمنٹ کے جوائنٹ پیپرری ممبرانہ نے سوات اور دیگر وفاقی حصہ بننے والی ریاستوں کے مستقبل کے بارے میں مختلف وفاقی





A25، 1969ء کو ایپ سٹون کی حکومت سے دست برداری اور ملک میں مارشل لا کے آغاز کے بعد 1962ء کے آئین میں صوبہ سرحد کی ریاستوں کو ری گئی قہاٹی علاقہ کی حیثیت کو ماضیہ آئینی حکم نامہ کی وضاحت (۱) کے تحت برقرار رکھا گیا۔ جس میں کہا گیا کہ

”8 جون 1962ء سے انڈیا سے واپس آئے ہوئے پاکستان کے آئین کی ترمیم کے اجراء کے عمل کو آئین سے سروبیڈ نہیں کیا اور بہت بدانتہا ہدف مارشل لا مابین مشترکہ کے حکم نامہ کے اجراء کے بعد حکومت پاکستان نے آئین کے تحت جتنی سبکی۔ اس لئے ان قانونوں کے جو اس حکم نامہ میں آئی ہیں۔“

حالات کو ماضیہ آئینی حکم نامہ سرحدیہ 1969ء کے تحت ریاست سوات کی حیثیت کو بحال رکھا گیا تھا لیکن چند ماہ کے اندر اس ریاست کا خاتمہ کر دیا گیا۔ 1954ء کے ضمنی ضابطہ الحاق کے تحت دہلی نے اپنے دستور اختیارات پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کو سونپ دیے تھے جو آئین پاکستان کے تحت ریاست سوات کو کوئی مناسب حیثیت دینے کی بجائے ماضیہ آئینی حکم نامہ 1969ء کے تحت آئینی قانون جیٹ مارشل لا، ایٹمی سٹریٹجی اور صدر کی حیثیت سے قانون ساز اسمبلی کے اختیارات استعمال کر سکتا تھا۔ اسی اختیار کے تحت والی کے اہلکار اور سوات کی ریاستی حیثیت کا خاتمہ کر دیا گیا۔

ادغام کی وجوہات:

### مطلق العنانیت

ایپ کی تحت سے اس کے جن میں دست بردار ہونے کے بعد یہاں گج مہاکن جہاں ذریعہ (1908ء، 1987ء) نے 12 دسمبر 1949ء کو اہلکار سنبھالا۔ اس نے ترقیاتی کاموں اور خصوصاً پوسٹل سروس اور جہاز رکنی، تعلیم، صحت اور سوسائٹس اس کی ترقیات میں۔ قہاٹی تعلیم کے باوجود ریاست سوات میں سکول اور ترقی کے سونے کے طور پر ابھی ۲۴ مہر ایک مطلق العنان حکم نامہ ریاست قہاٹی اور قہاٹی طور پر بقدرت کھلنے والے سٹریٹس میں اس کے لئے اپنے وجود کو برقرار رکھنا ممکن نہیں تھا۔

پانچ صاحب کچھ برطانوی اداروں کے لئے بڑے پرورش تھے۔ انہوں نے لیکن قانون نظام گانے کی استعداد کی اور برطانوی ٹیکنیکی مدد سے لگایا۔ برطانوی اداروں اور ٹیکنیکی مشورہ نے بادشاہ کا کردار کوئی رعایت سے گنوا 19۵۱ اور سوات کے بہتوں کو اپنی بار سٹھائی آ کر کے ذریعہ آگئے۔ صورت حال کو اس حقیقت نے مزید تکلیف دہ بنا دیا تھا

کراچیوں نے غوری اس پادشاہ کو منتخب کیا تھا۔ میاں گل محمد اور دوسرے میاں گل جہاں زیب نے 'عظیم اور وفاقی انقلاب' سے حکومت کی اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ پڑوسی ریاستوں اور اور جبرائیل کے مطالبہ میں یہ ترقی اور استحکام کا ایک نمونہ تھی لیکن یہ ریاست بحال طور پر نئے قسم کی مطلق العنان حکومت کے تحت تھی اور یہاں کا حکمران ہی حکومت قرار حکومت ہی حکمران تھی۔ زیر اٹن نے میاں گل جہاں زیب کا مشاہدہ یوں کیا۔

اس میں مطلق العنانیہ کو اپنا توجہ حاصل یعنی ریاستی سے کسی کا سر تسلیم کر سکتا تھا۔ دراصل ریاست سوات اس بات کی ایک مثال ہے کہ مطلق العنانیت کی حد تک وہی ہو سکتی ہے۔ یہ ایک سوز لاتی ہے۔ میرانا کا ہے اور پیرنا کا مال ہو سکتا ہے کہ مطلق العنانیت بہترین صورت میں قابل تعریف انقلاب میں مل سکتی ہے۔ جیسے کہ مجھ سے وہاں ہی صورت میں ایک نمونہ ہے اور اس میں مل سکتی ہے۔

ای ڈی ایچ آر کی کا یہ مشاہدہ بھی ریاست سوات پر لگا کر ہو سکتا ہے۔

"ایک وفاقی ماری کی نئے اپنے تمام کی سرکٹ لگاتار جو شخص حکومت کی ریاست میں زندہ ہے۔ یوں ایک باہمی دہائی لوگوں کو اپنے حکمران سے جوڑے رکھی ہے لیکن یہ دہائی بنیادی طور پر غیر حرام قسم کی ہوتی ہے جو حکمران پر کسی اندرونی اور بیرونی حکمران کی صورت میں ہے حقیقی کا مشاہدہ کرتے ہوئے اسے پہاڑیں تھکی۔ جس طرح نیا نیا کے دیگر مضمون میں حکمرانوں کو اپنی اپنی مصلحتوں سے حال میں کوئی لٹو کی کر دیا اور ان کے کے قابل نہیں بنے۔"

تقسیم ہند سے پہلے اور چوٹس نے سوات کے حکمرانوں کو ایک بہت ہی صاحب مشورہ دیا تھا کہ 'قدیم دہائیوں میں دہائی ریاستوں کی حرید رہنمائی نہیں کر سکتیں۔ ریاست سوات کا باہمی وقت کے بدلے حجاج کو دیکھتے ہوئے خود کو ان اور دوسرے تعمیرات کے مطابق مراحل لے کر اچھا ہو گا۔ اس لئے کہ ان ریاستوں کے تمام کے اندر اپنے اپنے علاقوں میں ذمہ دار حکومتیں قائم کرنے کی خواہش ابھی ایسی لے رہی ہے۔ اس نے میاں گل جہاں زیب کو امید کی کہ ان تمام ریاستوں کے حریہ کیا کہ 'نہیہ مختلف نظریہ' خصوصیت پر مغرب کی پھاپ۔ جہاں زیب خان کو اپنے اور اگر کے تمام قبائلیوں میں ایک ممتاز مقام کا مالک بنا رہی ہے۔"

دو ذرا عظیم پاکستانی طاقت ملی خان نے بھی ریاست سوات کے امور میں دہائی کے لوگوں کی ملٹی مصداقی کی ضرورت پر زور دیا۔ 12 دسمبر 1949ء میں اہلی کی دستا۔ بھائی کی تقریب میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا: "آج کی دہائی میں کہ ریاست کی ذہنی کا اندازہ دہائی کے لوگوں کی خوشحالی اور اپنے ملٹی مطالبات میں ان کی مصداقی سے لگایا جاتا ہے۔ کسی ملک کو آج کل صرف ان صورت میں عظیم اور ذہنی یافتہ کر دیا جاتا ہے جب وہاں کے لوگ صرف سماجی طور پر خوشحال نہ ہوں بلکہ وہ اپنے ملک کا انتظام چلانے میں ملٹی طور پر مصداقی ہوں۔"

اہلی صاحب نے اپنے ہر سے اور حکومت میں ملٹی چوٹس اور طاقت ملی خان کے مشورہ اور امیدوں کو نظر انداز کیا۔ اس نے نہ تو تمام لوگوں کو سماجی طور پر خوشحال بنانے کی طرف زیادہ توجہ کی نہ ہی انہیں ریاستی امور میں شریک

ہونے کی اجازت دی۔ حلالوں کو ایک طرف سے تختہ اسود میں حصار دہی کے لئے مطالبہ زور بیکار باقیا۔ جب کہ 1954ء میں اس نے خود یہ دعویٰ کیا تھا کہ سمیری ہمیشہ سے یہ کوشش صورت فرما رہی رہی ہے کہ ایک ترقی یافتہ زور سردار حکومت کے مقصد کے حصول کے لئے عام لوگوں کو باقی امور میں زیادہ سے زیادہ شریک کریں۔

### ڈومدارنما کندہ حکومت کی عدم موجودگی

آل انڈیا ایٹینس مسلم لیگ نے 25 جون 1948ء کو کراچی میں ایک نئی روزہ اجلاس منعقد کیا۔ اجلاس کے دوسرے دن پاس ہونے والی پانچ قراردادوں میں سے سب سے اہم قرارداد میں پاکستان میں موجود ریاستوں میں ایک ڈومدارنما حکومت کے قیام کا مطالبہ کیا گیا اور اس ضمن میں پاکستان کی وزارت خارجہ کی انہی وزارت خارجہ کے مقابلہ میں بے عمل پرامنوں کا اظہار کیا گیا۔ وزیر داخلہ فرید شاہد نے انہی ریاستوں میں ڈومدارنما حکومت کے قیام کے سلسلہ میں کاغذوں کی آرا کو حلقہ زور پر لکھ بیچانے کا مطالبہ کیا۔

چوں کہ آل انڈیا ایٹینس مسلم لیگ دو شاخوں میں بٹ چکی تھی۔ پاکستان لیگ کے آئین کی نمایاں ترین خصوصیت اس کا یہ بیان تھا کہ پاکستان میں شامل ہونے والی تمام ریاستوں میں ڈومدارنما حکومت کا قیام۔ ڈومدارنما نے ان تمام ریاستوں میں موجود سیاسی جماعتوں کا جائزہ لینے کے بعد اپنے شعور میں کہا کہ اسید ہے کہ کئی ایک عام لوگوں کو باقی سیاسی زندگی میں شامل کرنے کی ترکیب کی تلاش کر کے ان کی ترقی اور ترقی کو ترجیح دینے کا صحیح راستہ ڈومدارنما نے ہی۔ حکمرانوں کے لئے ملاحظہ یہ ہے کہ اس ترکیب کے ساتھ تعاون کریں۔

حلالوں کو ریاست سوات میں کسی سیاسی سرگرمی کی اجازت نہیں تھی لیکن شیر اٹھل اور نیر اٹھل نے 1948ء میں ریاست سوات مسلم لیگ کی داغ بیل ڈالی لیکن چوں کہ حکمران کی آزادانہ ترکیب کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھے اس لیے ریاست سوات مسلم لیگ بے اثر رہی اور آزادانہ ترکیب کو برداشت نہ کر سکی۔ سوات میں سیاسی سرگرمی اور نیک ملاپ کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی اس لیے اسکی ابتدائی کامیابیوں کا نتیجہ ہی بے اثری سے نکل آیا۔

1951ء میں حکومت پاکستان نے سرحدی ریاستوں کے حوام کی اپنی حکومتوں کے معاملات میں مؤثر شمولیت کے مقصد کے حصول کے لئے عملی اقدامات کا ارادہ کیا۔ خیال یہ تھا کہ حکمران کی جانب سے چلنے پھرنے کے مطالبات کو اجاگر کرنا ایک نئی حکمران کی حیثیت قبول کرنے پر رضامند ہونے بغیر کسی حقیقی ترقی کا حصول ممکن نہیں ہے۔ مزید یہ کہ حکمران اس طرح اپنے حوام کے مقابلہ میں صرف اپنی حیثیت ہی تسلیم نہیں کریں گے بلکہ اپنے لوگوں میں اٹھالی اور آخری کے دور مقامات ہیں انہی نے اس سبب بننے سے بچا جائیں گے جو مسلسل انہی کے

قانونی حقوق اور جائز خواہشات سے محروم کر کے انہیں ایک عالم جبر میں رکھنے سے ان طاقتوں میں بڑا اور لازمی اثر ہے۔ ریاست عدالت کے بارے میں مخصوصاً کہا گیا کہ

’ہالی نے ہمسایہ کی ترقی رحمت کے سہاں کے عمل اور انہوں کے تمام کی طرف خاص توجہ دی ہے۔ اسے صاف کبڑی جانب سے اپنے لوگوں کو سب نامہ کی اپنے کا سہل بھی اٹھا دیا لیکن یہ ایک فغری اثر ہے کہ ان بات کے نئی سامنے آنے میں مدد ملے۔“

گورنر نے کسی بھی سرحدی ریاست میں جمہوریت کی طرف توجہ ترقی کے لئے واضح اقدامات کی سفارش نہیں کی۔ بس یہ کہا کہ ’مستوحق آنے پر ان اقدامات کو خلاف کرانے کے لئے وہ قدم اٹھا لیں گے۔‘ حکومت پاکستان نے اس کی رائے سے اتفاق کیا۔ دیکھا گیا کہ یہ لکھتے باطل جائز لگتا ہے کہ ’جمہوری اصلاح میں داخل ہو جو رساں صاف ظاہر ہے۔ جہاں دہلاوری ہی امن وامان کے لئے شرط اول ہو وہاں اختلاف کو کیسے برداشت کیا جاسکتا ہے۔ جب ریاست کی سلامتی ممانعت کا استحکام اس سماجی عدم مساوات کا سرہون منت ہو جس میں ایک جنگ خفقانیت میں کرتی۔ جبہاں اکثریت کی حکمرانی کا خواب کیسے پورا ہو سکتا ہے۔‘

حکومت پاکستان نے کسی طرح کی لٹاکہ حکومت قائم کرانے کے لئے ملٹی مشابہ اطلاق پیش کیا جس پر نواب مر کے علاوہ دیگر ریاضی حکمرانوں نے دھمکا کر دیے۔ والی صاحب نے 12 فروری 1954ء کو اس پر دھمکا کیے لیکن دیگر حکمرانوں کے برعکس ان کو پیش کی جانے والی شرائط بڑی ناپسند تھیں۔ حاکم اسے ایک مشابہتی اصول قائم کرنے کے لئے کہا گیا جس کے چند دکان تکب اور اس دکان نامزد ہیں اس کو نسل کا مصدر اور ریاضی اور حکمرانوں کے علاوہ تھا۔ اس مشابہتی اصول کا بنیادی فریضہ یہ تھا کہ وہ اختلاف پزیر ترقیاتی منصوبوں اور قانون سازی کی تیار بن کے بارے میں عمومی پالیسی کے ضمن میں حکمرانوں کو مشورے دے لیکن ان معاملات کے بارے میں اسے ہر کہنے کا اختیار حاصل نہیں تھا جن میں وہ اپنی صوابیہ یا ذاتی رائے سے تفسیر کر سکتا ہے۔

اس اصول کو درحقیقت کوئی اختیار حاصل نہیں تھا اور ریاست میں مطلقاً ایسا ہی طرز حکومت اور سلامتی اختصاں میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آئی۔ مثلاً اصول باطل غیر اہم رہی اور کوئی باطنی فعال کو رد اور کرنے کی جگہ یہ والی کی ناکہ کاری کرانے کے ہاتھوں میں کھلتی رہی۔ نتیجتاً ایک ڈسار لٹاکہ حکومت خلاف کرانے کے سلسلے میں کسی قسم کی کوئی توجہ دقت نہیں ہو سکی۔ نتیجہاً والی کے جاہلانہ اور آسرا طرز حکومت میں کوئی تغیر لائے اور نہ ہی لوگوں کی شکایات کا کوئی ازالہ کر سکی جو اس طرز حکمرانی کو بدلنے کے خواہاں تھے۔

## معاشرہ کا جاگیردارانہ ڈھانچہ اور جاگیردار طبقہ کی تاریخی

ریاست سوات کا راجہ سواتی معاشرتی ڈھانچہ اپنی ازیمت کے لحاظ سے جاگیردارانہ تھا اور پانچ سو زمینوں کے اٹھارہ سو بہت قدر و منزلت تھی۔ خواتین، منگ اور بارہ سو ستارہ سو زمینوں پر اقلیت میں تھے لیکن سوات میں خلیفہ کی مکمل طاقت اور طبقہ خراسانی پر مشتمل تھا۔ میدانوں، بنیادی چاکہ سیاست میں اور ہر سو کے لیے سے سیاسی تنظیم کی تمام ذمہ داریاں سواتی معاشرے کے ہاتھ تھیں۔

”ابراہیم زئی اقلیت کے دور میں زمینوں پر قرار رکھا۔ بہترین خطہ پر زمینوں کے ساتھ ساتھ ان کے لیے پیمانوں میں سواتیوں کو حصہ دیا گیا اور ان کے لیے سواتیوں کو اپنی حق کا کافی ثبوت دیا گیا۔ سواتیوں کو ایک توپوں کی فوج میں دیا گیا اور ان کو سواتیوں کی زمینوں کی نگہبانی میں رکھا گیا۔“

سوات میں جہاں ذریعہ کتبے ہیں کہ جاگیرداروں کے سوا ہر ایک کا اپنے آپ کے ساتھ نقطہ نظر کا اختلاف تھا۔ 12 دسمبر 1949ء کو اقتدار سواتیوں کے ہاتھ میں آیا اور ان کو بدل سکتے تھے۔ نومبر 1950ء میں انہوں نے اس جاگیرداروں نظام کو توڑنے کا آغاز کر دیا۔ جاگیردار طبقہ پہلے ہی اپنے فیصلے کی کردار، حیثیت اور پوزیشن کے خاتمہ سے انہیں اور میدانوں کے آمرانہ طرز حکومت سے تکلیف محسوس کر رہا تھا۔ جب جہاں ذریعہ نے بہترین خلیفہ اور جاگیردارانہ ڈھانچہ کو باطل ٹھہرانے کی کوشش کی تو یہ طبقہ بگاڑا۔

حالاں کہ یہ راجہ سواتی طور پر دو ذیلیوں (دھڑوں) میں بٹے ہوئے تھے لیکن ضرورت پڑنے پر سواتیوں کا کوئی مشترکہ اتحاد نظر نہیں آتا تو یہ لوگ متحد ہو جاتے تھے۔ اس سے پہلے 1863ء کی اسپیل جنگ، 1895ء اور 1897ء کی ٹانڈہ جنگوں، 1915ء میں نوابوں کے خلاف جنگ، ریاست سوات کی تشکیل کے بعد اور اپریل 1915ء میں عبداللہ شاد کو سوات میں تختہ کرنے، 1917ء میں اسے تختہ سے الگ کرنے اور اپریل 1917ء میں سوات میں گل عبداللہ کو تختہ پر بٹھانے کے مواقع پر انہوں نے یہی اپنی کیا تھا۔

سوات میں دونوں ذیلیوں (دھڑوں) سے تعلق رکھنے والے سرکردہ خواتین نے خلیفہ سواتیوں کے ہاتھوں سے خلیفہ ختم کرنے میں اس کے اقتدار کا خاتمہ کرنے اور ریاست پر کی جانے والی حکومت کے انداز کو بدلنے کا مقصد کیا۔ اس مقصد کو پورا کرنے میں انہیں بیخود کوششیں خود ساختہ 14 اہل فوجی اختیار کر کے ریاست سے چلے گئے۔ جو لوگ روکے انہوں نے بھی وہاں سواتیوں کے تختہ شکنی کے وقت ایسا کیا تاکہ اپنے جلاوطن ساتھیوں کی مدد کر سکیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنے ذیلیوں (دھڑوں) کے ساتھ ساتھ اپنی اپنی حیثیت کا دفاع بھی کیا تھا۔

یہ مقصد پورا کامیاب ہو گیا اور سوات میں جہاں ذریعہ نے اپنے خلاف ایک جگہ سے ترمیم کے کراہم لگایا کہ جہاں جلاوطن خواتین نے انہیں ہلاک کرنے کا مقصد بٹھایا تھا لیکن اس پر سے معاملہ نئے مسائل اور بے چینی پیدا کی۔

سراج الدین خان نے وزیراعظم پاکستان لیاضت علی خان کے ۲۰۱۶ء کے ایک خط میں لکھا کہ ہندوستان کی حکومت نے اپنے بائیس نامہ پاکستانیوں کو ملک میں مدغم کر دیا ہے اور یہ کہ سوات کے لوگوں کو پاکستان کے ساتھ اور اقوام کے بارے میں بڑی توقعات تھیں لیکن وزیراعظم نے لوگوں کی خواہشات کے برعکس والی کے سر پر بگڑنی پاندھی۔ والی کے لئے مناسب یہ تھا کہ وہ حکومت کا ہدف کارنامہ از اختیار کرے اور اپنے تمام کام کو سہولیات فراہم کرے تاکہ انھیں اور جد کرے۔ یہ خط ۱۹۹۰ء کے ایک روزنامے میں شائع ہوا، اس کے بعد اس موضوع پر کئی خطوط شائع ہوئے۔ ۲

والی کو اس قسم کے خطوط اور اٹھادی بیانات سے چڑھی۔ ان چار اہم حضرات کے جان کے مطابق ان سے مختلف ذرائع سے رابطے کیے گئے۔ والی کا دعویٰ اس کے برعکس ہے۔ دراصل پرنسٹن یونیورسٹی نے فرینچین میں توسیع کے لئے کمیشنوں کا آغاز کیا لیکن پہلے سنہ ۱۹۷۰ء سے توجہ دینی۔ 1953ء تک خوانین واپس لوٹ آئے اور والی صاحب نے فرخ جلیلم کیا کر پائیگ بھارہ حالت درگروہ تھا۔ زینتی لاک اور دیہاتوں پر قبضہ کے لحاظ سے نہیں لگا اور سورج کے لحاظ سے جو انھیں حاصل تھا۔ دورانِ حالیکہ یہ لوگ اُس وقت اپنے مقام کے حصول میں تہ کاہر ہے لیکن ان کے مشورہ اور غائب کو قلم نہیں کیا جاسکا۔ بعد میں ان لوگوں نے امریت اور والی خائف انکار اور سرگرمیوں میں بڑھ چڑھا کر حصر کیا۔ ووالی کو بتانے میں کامیاب ہوئے لیکن اُس کے ساتھ ہی ریاست سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔

### اصلاحات کا مطالبہ

سراج الدین خان والی کے قریبی ساتھی بنگورہ کے شیرزادہ خان کا چچا تھا۔ وہ تحصیل دار تھا اور سید ابوالفتحی سومرو کی قریبیوں سے منجھڑ تھا۔ اُسے تو اپنے عہدہ کی پروا تھی اور نہ ہی باپ کی والی سے دوستی کا خیال تھا۔ اپنی تحصیل داری کے دوران والی کی شہرہ نامہ شخص کے بارے میں اصلاحات کے لئے کوٹوالی۔ تین تین اُس نے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا لیکن ایک سرکاری رپورٹ کے مطابق اُسے نوکری سے نکال دیا گیا تھا اس لئے کہ وہ کونٹر سومرو کی تھا۔

سراج الدین خان دو پہلا شخص تھا جس نے کلمہ لکھنویوں سے اصلاحات کا مطالبہ کیا۔ ۱۹۵۳ء میں ان کے جہان زہب کہ اصلاحات کی اپنی بارداشت اُس کی تخت نشینی سے دوران پہلے جوش کی تھی۔ اس بارداشت میں کہا گیا تھا کہ پاکستان بننے کے بعد بھی قبائلی ریاستوں کا وجود اس ملک کے نام پر ایک دھبہ ہے۔ سوات میں اسے جمہوریت کو تحریف کرنے اور پاکستانی نظام کے خلاف کے ذریعہ صاف کیا جاسکتا ہے۔ لوگوں کی اکثریت ان پر چھوٹنے کی وجہ سے جمہوریت ناقابل عمل ہے لہذا اسلامی نظام کا خدو حکمران اور حکومتوں دونوں کے لئے بہترین رہے گا۔ اس طرح کہ

ذکر ہو گیا۔

سراج الدین خان نے لٹرائی کی جاوائی کے بعد وزیراعظم پاکستان کے نام ایک خط لکھا جو کہ اخباروں میں شائع ہو گیا۔ وہ اخباروں کے نام مسلسل غلطو کے ذریعے مطلقاً منسوخ ہوئے اور اس میں اس وقت کے سرکاری کے خلاف مائے عام کو ہمہ گیر کرنے کے لئے کوٹا ہے۔ سوات میں جو سوائی مشرفی اسکول کی جوصلہ خزانہ کے خلاف اس نے روز گار کو بہتان کو ایک خط لکھا کہ اس اسکول کو کینٹ کا کالج میں بدلنے کی تجویز پیش کی۔ یہ خط اس روز گار کے لاہور ایڈیشن میں 5 اکتوبر اور راولپنڈی ایڈیشن میں 17 اکتوبر 1962ء کو چھپا۔ اس کے نتیجے میں سراج الدین خان کو عدالت کے سزا کے سہارے سے جیل گھر تیس سال کے لئے جیل بھیج دیا گیا۔

اس واقعہ سے بہت دیر پہلے جیل گئی۔ روز گار کو بہتان کے ایڈیٹر نعیم گلازی اور سید علی رضوی، روز گار نوائے وقت کے ایڈیٹر ظفر علی، روز گار سمرقند کے ایڈیٹر اور دیگر اخبارات مسلسل ذریعہ بیٹھے تک ریاست حکومت کی طرف زبردستیوں کے خلاف ہم چلائے رہے۔ سراج الدین خان کے ایک دوست مہارائف نے مشرفی پاکستان کے ہاتھوں میں اس وقت کے خلاف ایک عرضداشت پیش کی۔ جیل میں سوات مقرر گوارا اور جنس سوات میں اس وقت کے مشرفی اور جنس سوات نے 14 دسمبر 1962ء کو انہیں کی طرف 98 کے تحت یہ درخواست سامت کے لئے حضور کر لی۔ یہاں سراج میں پہلی بار ہوا کہ اپنی کورٹ نے سوائی حکام اور وہاں کے ایک باشندہ کے اور اپنے دائرہ اختیار کو استعمال کیا۔ مہارائف نے سیاست دانوں اور اسٹریٹیجیوں سے رابطہ کیا اور اسٹریٹیجی میں آزاد گروپ کے سربراہ حبیب اللہ خان صدیقی نے سراج الدین خان کے بارے میں 8 دسمبر 1962ء کو مشرفی پاکستان کی سوائی اسٹریٹیجی میں ایک تحریک اترا پیش کی جو کہ ذریعہ قانون کی طاقت کے باوجود بحث کے لئے حضور ہو گی۔ سراج الدین خان کو شہید ہونے کے نتیجے میں 40 دن کے بعد رہا کر دیا گیا لیکن اس سے پہلے اور اس کے اختیارات اور زبردستیوں کے خلاف سیاسی عقروں اور اختیارات میں تاہم اس کی سطح بہت بڑھ گئی۔ اس واقعہ کے بعد اب خان نے ایک فریم کے ذریعہ ریاست پر اپنی کورٹ کے دائرہ اختیار کو ختم کر دیا۔

سراج الدین خان نے اپنی جدوجہد جاری رکھی اور وہ کئی علاقوں اور جہتوں کے نام سے ایک کتاب لکھ کر اسے 1966ء میں چھپوا دیا۔ جس میں اس نے نواب ریا ستوں کی مثبت و تقابلی مطلقہ معنوں کے بارے میں حکومت پاکستان کی پالیسی اور ریاست سوات کے معاملات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا۔ اس نے سوات کے بارے میں ایک اور کتاب لکھی اور اسے بڑی محنتوں سے لاہور سے چھپا دیا لیکن اس کتاب کی تقسیم سے پہلے اسے اپنے والد کا اطلاق سے کتاب کے مضمون کے بارے میں نہیں سنیں تھی۔ اس خط نے سراج الدین کو مشکل میں ڈال دیا اس لئے کہ اس میں کہا گیا تھا کہ اس نے اپنی کتاب تقسیم کی تو اس کے پورے خاندان کو بطور سزا شہید و صاحب و آقا کام سامنا کرنا

پڑے گا۔ سراج احمدین خان نے کتاب کی مداری کا پیاں جلا کر اپنی جان لینے کی ضمانت لی۔ کتاب کی کاپیاں تو جل گئیں لیکن خود کئی کی اسی کی کوشش کام ہو گئی۔ بعد میں اُس نے سرگزشت سوات کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں سواتی کتاب کے فکر پر سواتی سواد کو مثال کیا گیا۔ اُس نے سوات میں اصلاحات کے لئے اپنی کاوشوں کو جاری رکھا جس کے نتیجے میں اُسے شہرہ منگلا، اور تھکانا، اٹھانے پڑے لیکن اُس کی تحریروں اور جہد نے یقیناً ریاست سوات کے خاتمہ میں ایک اہم کردار ادا کیا۔

مہاراج (پڑا) کے بیٹے کا ایک باشندہ تھا اُس نے کئی سال دہلی میں گزارے تھے اور تقسیم کے بعد لاہور میں قیام پزیر تھا اور وہاں پانچا کارہ پارکر ہاتھ دہرتی پینہ، سیاسی لحاظ سے فعال اور ریاست وادوں اور سماجیوں سے وابستہ رکھتا تھا۔ اُس نے سوات وائس ایسوسی ایشن کے نام سے ریاست میں اصلاحات اور لوگوں کے شہری حقوق کے لئے ایک تحریک شروع کی جس کے تحت وہ وہاں منتقل کرنا، اخبارات میں مضامین لکھنا اور صوبائی اور قومی قانون ساز اسمبلیوں کے ارکان کے ذریعے قراردادیں اور قراردادیں منظور کروانے اور قبائلی علاقوں اور نوابی ریاستوں کے پاکستان میں اہتمام کے لئے مسلسل کوششیں کرتا رہا۔ وہ اُس انجمن کے صدر کی حیثیت سے صدر، گورنر ہونڈوا، مرکزی قانون ساز اسمبلی کے ارکان اور تمام سیاسی جماعتوں کے سربراہان کو تار بھیجتا رہا اور پمفلٹ اور کتابچے شائع کرتا رہا۔

برابری اہتمام کے طور پر دہلی نے مہاراج کو اُس کے اپنے بھائی کے ارہیے یا تیر میں اپنی زمینوں سے محروم کر دیا (سہاں گل مہاراج اور سہاں گل جہاں زب دہلی کی بیابک مشہور حکمت ملی قومی اور اُس کی حکمت کے دستاویزی ثبوت بھی منظر آئے۔ مارچ 1962ء کو جب دہلی کی عدالت میں حاضر ہوا تو اُسے گرفتار کر لیا گیا۔ اُس کی گرفتاری نے پاکستان میں کئی لوگوں کو ناراض کر دیا۔ محمود علی قصوری نے مہاراج سے اپنے تعلق کی وجہ سے پمفلٹ لکھتے سے کہا کہ دہلی اُسے کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔ دہلی نے پاکستانی مطلقوں کے سخت سیاسی دباؤ کی وجہ سے تیس مہینے بعد اُسے چھوڑ دیا۔ پاکستان کے سیاسی اور سماجی مطلقوں میں اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے مہاراج کے اس معاملے سے بہت دوری اثرات مرتب ہوئے۔

ریاست کے اندر بھی جدید تقسیم یافتہ لوگوں کا ایک مطلق اہتمام ملحقہ حکومت سے ہوا خوش تھا۔ سواتیوں نے اُس کی ایک سرگورنڈا پنکھی اسے بی این نے بعد میں اپنے ایک تحریری تبصرہ میں کہا کہ "تیسویں صدی کے دوران سوات کے سابق حکمرانوں سے زیادہ اعتبارات کا حال کوئی اور فرد وادہ نہیں رہا۔" کچھ لوگ دہلی کی جانب سے ملازمتیں دینے میں ہتھیاری سواک پہنچی پالیسی، کم تعلیم یافتہ لوگوں کے اہم انتظامی مہدوں پر فائز ہونے اور اقربا پروری سے ہی بیان نہیں تھے بلکہ ملازمتوں کے عدم حفظ کے بھی شاکھی تھے۔ یہاں کسی کی ملازمت کا تمام تر دار و مدار دہلی کی سمن مرضی پر ہی تھا اس سلسلے میں وہ کسی شہری کا یا بند نہیں تھا۔



جون 1961ء میں قہراً بین صوبہ کے نام سے ایک نئی تحریک شروع ہوئی۔ دسمبر 1964ء میں اسے  
 'جمہوری اتحاد' کا نیا نام دیا گیا۔ دیکھ کر کئی نام جیسے صوبہ قومی تحریک، اسحاق دوسالی، اسحاقی اتحاد اور پنجتون دوسالی  
 'پنجتون اتحاد' اور نوراً نے لیکن جنوری 1967ء میں اسے نکل دوسالی (قومی اتحاد) کا نام دیا گیا۔ اس  
 کی بنیاد رکھنے والے نعیم افشار اور اسحاق ملازم تھے جو سید شریف میں بہ سلسلہ کارمات کا دست نرزی تھے لیکن ان کا  
 تعلق دینی حلقوں سے تھا۔

ان کے بنیادی مقاصد اور دل چاہی کے امور میں مطلقاً اقلیت کا خاتمہ، دہلی پر اصطلاحات، آئین اور  
 شہرہ بیا صحافت کرانے، جمہوری طرز حکومت کے آغاز کے لئے دہلی لوگوں کی مزمت و دھاک کا خیال رکھتے اور شہری  
 حقوق کا تحفظ شامل تھا۔ 'اسکول کے دروازے' و مولوی فضل دہلی اور مولیہ عارف پانچتیب اس کے پہلے صدور اور نرزی  
 نیکر نرزی جٹے تھے۔ مولوی فضل دہلی اپنے دہلی کے مطابق نظر آتی انتظامات کی وجہ سے صوبہ قومی اتحاد سے مستقل  
 ہوئے اور ایک ماہر کن کی حیثیت سے تنظیم سے وابستہ رہے۔ جب کہ مولیہ عارف اس ضمن میں کہتے ہیں کہ اسے تنظیم  
 کی کوشش نے گراپ بندی کرنے کے الزام میں صوبہ قومی اتحاد سے بنا دیا تھا۔ اس کے بعد جہان زیب کاشی کے ایک  
 پروفیسر ایمان الملک صدر بنے اور آٹھک اس صدر پر برقرار ہے۔

یہ ایک جہان جو کھوں والا کام تھا۔ حق و انصاف اور ضمیر کے معاملات کو ریاست کی حدود میں حرام سمجھا جاتا تھا۔  
 اس تنظیم اور اس کی سرگرمیوں سے تعلق کارکنوں نے غیر فنی کی ذات، ملازمت اور قائدانوں کے لئے ایک اور نظار  
 میں داخل ہو گیا۔ ملازم تھا تحریک کو تھیں۔ کارکنوں پر اصطلاحات اور توجہ ملی کے لئے ان کے طریقے اور فیئر  
 معمولی حکمت عملی اپنائی گئی اور ایک لبرل زمین پر پیکچرہ ہم شروع کر دی گئی۔ وقتے وقتے سے بھلت گئے جاتے اور  
 انہیں پتہ اور میں اجمل تنگ اور افضل گلش کی مدد سے طبع کر لیا جاتا۔ ضمنی کارکنوں اور وقت پر انہیں ریاست میں  
 عوامی مقامات، سرکاری دفاتر اور ملازمت پر چسپاں کیا جاتا۔ انہیں قسطنطنیوں کے اندر پھینکا جاتا بلکہ دہلی کے نکل کے اندر  
 بھی اس کے کارکنوں میں سے تحریک کے حدودوں کے ذریعہ پھینکا جاتا۔ 1965ء کے پاکستانی صوبہ قومی اتحاد میں  
 اس تحریک نے نظریہ طور پر بلا طرح جہان کے لئے ہم چلائی۔ جب کلاہر میں ایوب خان کے دہلی کے ساتھ خاندانی تعلقات  
 تھے۔

دو خواتین جنہوں نے 1951ء میں دہلی کے خلاف ایک کوشش کی تھی اور جن کے مقاصد بھی تک پہنچے  
 نہیں ہوئے تھے۔ تحریک نے ان کی حمایت بھی حاصل کر لی۔ اس سے یہ تحریک بے حد مضبوط ہو گئی۔ یہ ریاست کے  
 ہر گوش تک پہنچ گئی اور ہر طبقہ لگے لگے لوگوں میں اس کی حمایت پیدا ہو گئی۔ دہلی کی ذاتی زندگی کے بعض پہلو جیسے شراب

پندرہ ایک دکانوں سے اس کی شادی جیسے معاملات بھی ماموںوں میں ہاتھ پائی کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ عالاں کہ اس بار سے اس کے پاس بیٹے سیاں گل اور نگ زیب کا کہنا تھا کہ یہ شادی اس کا ذاتی معاملہ تھا اور یہ صرف خاندان کے لئے برا تھا۔ بہ صورت اس قسم کے معاملات اور مزہ برآں والی کے بلکہ پرہیزگراں کے ایک طبقہ کی خواتین کی نظریں ماموںوں میں داخل ہائیں تھیں۔ ٹھیک ہی جیسے معاملات میں والی کی جانب سے سادہ بچے کے اہل خانہ فیصلہ بھی (جن کی ذمہ داری صرف والی ہوتی تھی) ماموںوں میں ذمہ داری تھی۔ بعض اوقات ماموں بھی کبھی اپنے افسران کے ساتھ اس کا انتہائی بگ آیز رو یہ بھی اس کی نکالت میں اضافہ کا ایک سبب تھا۔ روز افزوں اقربا پروری، تحصیل داری، ماکوں اور مشیروں کی جانب سے رشوت کی گرم بازاری اور چند چیتوں کا سرکاری حکام کی مدد سے جنگوں کا سہارا بھی ماموںوں کی طرف سے ملتا تھا۔ اسی طرح ملازمتوں میں بھرتی اور ترقیوں کے لئے نہ کوئی اصول و ضابطہ تھا اور نہ معیار اور نہ ہی مطالبہ کے مطابق کا کوئی تصور تھا۔ ان ساری باتوں نے مل کر ماموںوں کے ایک خاص حصہ میں (جن میں تعلیم یافتہ افسران، چارواکوں شامل تھے) والی کے خلاف شدید قسم کی ہراساںی پیدا کر دی تھی اور اس بے چینی کو سنگینی اور نفی نے استعمال کیا۔ اس کے اثرات کو کم نہیں کر دیا جاسکتا۔

### جماعت اسلامی کا کردار

جماعت اسلامی جو پاکستان کی ایک ذہنی سیاسی اور انتہائی منظم جماعت ہے اور جس کا بچا پروگرام اور اپنے اصول ہیں۔ ریاست کے ہر طبقہ سے اس سے متاثر ہو کر اس میں شامل ہو گئے۔ ایک بے شک مطلق اعلان عسکرین کی حیثیت سے والی کی قسم کی سیاسی سرگرمی برداشت کرنے کے لئے چارٹریجس قاسمیان کو 1954ء میں ضمنی ضابطہ اعلان پر دستخط کرنے کے بعد یہ سرگرمیاں اب غیر ممنوعہ ہیں۔ والی نے طوریان کیا ہے کہ ریاست والی یہاں احتجاج کر سکتے ہیں بلکہ کچھ سیاسی جماعتوں نے ایسا کیا بھی۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ ریاست میں نہ تو اس نے کبھی احتجاج کی اجازت دی اور نہ ہی سیاسی سرگرمیوں کی۔

جماعت کے بعض ارکان کو سخت تنگ کیا گیا بلکہ 1952ء میں پنجاب میں آنے ہوئے سیلاب میں مدد دینے کے لئے جب اس کے ارکان نے فنڈ اکٹھا کرنے کی کوشش کی تو ان میں سے بعض کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔ کچھ فرار ہونے میں کامیاب ہوئے۔ جماعت اسلامی نے ایک ممبر میں مطلق اعلیٰیت کے خلاف ایک پروپیگنڈہ مہم چلائی جس نے والی کی پوزیشن کو بہت نقصان پہنچایا۔ جماعت کے گرفتار ارکان کو تو چھوڑ دیا گیا لیکن عداوت برقرار رہی۔ جماعت اور اس کے اخبارات نے والی اور ریاست مخالف اپنے پروپیگنڈہ کو جاری رکھا حتیٰ کہ

## سماجی اور معاشرتی عوامل

دراست سحرآ نے دہلی ہائی و سائنسی تہذیبوں اور انتہات نے بھی اور نام کے معاملہ میں پانچ سو ۱۱۔ دہلی نے اپنے باپ کے پرانے وقتوں اور عاصیوں سے مزہ سوز کرنے دیکھا اوروں اور عاصیوں پر بھی شروع کیا اور نوزائیدہ ۱۲ پر پیشہ طبقہ کی حمایت کر کے اسے اپنی دولت اور حیثیت بڑھانے کا موقع دیا گیا۔ ان تہذیبوں سے مدد دینی مفادات یافت طبقہ اور قیادت کی حیثیت پر زور پڑی۔ یہ بات بھی ان کی ہر اشکلی بڑھانے کا سبب بن گئی۔ اور پآ نے دہلی تہذیب کی حیثیت پر ناز اس قدر تھا لیکن پرانے طبقہ کی طرح وہ تہذیبوں میں تقسیم اپنے اپنے مقام کے حصول کے لئے دوڑیں گزرتی اور والی مخالف ٹریک کا حصہ بن گئے۔ اور نام کی رہنمائی کرنے میں اس اتحاد نے بھی حصہ لیا۔

دوسری نمایاں سماجی تبدیلی دولت معنوی رہنمائی پزیرانے والی طبقوں کا ترقی تھا۔ ردا و شہ و دعا کے مشیر ۱۱۔ پیدار پر ٹیکس کی چھوٹ کی وجہ سے یہ طبقہ بہت کمزور ہو گیا اور پزیرانہ پزیرانہ کرنے لگے۔ ملک کے دیگر حصوں میں لاکھ لیکھوں کی وجہ سے وہاں کے صنعت کار بازار میں سوات کی طبقوں میں تیار کرو پزیرانے کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ سوات کے بعض مال مالکان کی ملک کے دیگر حصوں میں بھی نہیں تھیں۔ دو سوات کے نام پر وہ آ کر وہ دھاک اور دیگر چیزیں سوات سے باہر بھی استعمال کرتے تھے۔ ملک کے صنعت کار جہاں سہولیات سے محروم تھے وہاں ان کی اپنی ٹھکانوں کے خلاف پروپیگنڈہ میں شریک ہو گئے۔ انہوں نے روزنامہ نوائے وقت کے ساتھ ساتھ پنجاب سے تعلق رکھنے والے دیگر سماجی اداروں کے ذریعہ بھی اس پروپیگنڈہ کم کو تیز کر دیا۔ اور یہ عناصر اسلامی پچھلے ہی سماجی طبقوں سے تعلق رکھنے والے تھے۔

## سیاستدانوں کا کردار

پاکستان کے بعض سیاست دانوں اور حکومت میں شامل لوگ جیسے عبدالقیوم خان، خواجہ شہاب الدین، اجمل تنک، افضل بخش، باب تنک، رفیق اور فیض خاں ان سرحدی ریاستوں سے تعلق رکھتے تھے۔ عبدالقیوم خان بڑے بڑے مال مندوں کی صوبہ کے وزیر اعلیٰ تھے خصوصاً ان ریاستوں کے مسلسل وجود کے سخت خلاف تھے۔ وہ ان ریاستوں میں عدم استحکام پیدا کرنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ ان کے لئے زمین ہمہ دار کرنا چاہتے تھے۔ سوات کے والی

خالف فرمائیں کہ انہوں نے اپنی حمایت کی جتنی دہائی کرائی تھی لیکن جب ان لوگوں نے 1951ء میں جلا وطنی اختیار کی تو انہوں نے اپنے بیکاری میں اپنی کڑی ہڈیوں میں جلا وطنی سے لاشعور اختیار کر لی۔ جس شخص کو دلی کا دوست تھا لیکن ریاست کے بے چین عناصر کے لئے وہ ایک ٹوک کے طور پر کارگر تھے۔ جب دو صوبہ سے مرکز منتقل ہو گئے تو ریاست کے لئے بالکل بے اثر ہو گئے لیکن دلی خائف عناصر کہ انہوں نے جو فریکہ دی تھی وہ ان کے سحر سے بہت جاننے کے باوجود نہ دہری اور پانا فرختر پار ہوئی۔

جہاں تک سرہانی گورنر لوبہ شہاب الدین کا تعلق ہے تو وہ سوائی عکرموں سے ان کی انگریز حکومت کا سکندر مرزا اور اسی طرح کے لوگوں سے ان کے دوستانہ تعلقات سے ناخوش تھے۔ اور ان کے اختیارات اور اثر و رسوخ کو ٹھکانا چاہتے تھے۔ حکومت پاکستان کی پالیسی یہ تھی کہ ریاستی عکرموں سے ضمنی مضابطہ الٹائی کی وہی منظوری حاصل کر لے۔ دلی سے دھتکا لینے میں شہاب الدین کے خصوصی کردار نے بہت اہم کام کیا۔ اس لئے کہ دلی کے اپنے جان کے مطابق اس کی مثبتیت ایک گران پختگی کی ہو گی اور سب جانتے تھے کہ اب ریاست کا کسی بھی وقت اور کام ہو سکتا ہے۔ شہاب الدین ہی کے کہنے سے دلی نے جدید تعلیم کو ریاست میں پروان چڑھایا جو تعلیم یافتہ طبقہ میں جمہوری دماغ پیدا کرنے کا سبب بنی۔

اصل انگلینڈ پر زمین خریف تعلیم نگاروں کی ہم کارو دھائی تھی۔ اس کے لئے 'سوات' عمل دہا ہے کے نام سے یہاں پبلٹ انہوں نے ہی آزادی کیا تھا۔ نئی بننے والی تعلیم سوات لبریشن سوسائٹی کو بھی اصل انگلش کی تائید و حمایت حاصل تھی۔ افضل گلشن صاحب سیکرٹری جنرل اور جی فضل خاں نے بھی ان دونوں تنظیموں کی ہم کاری اور حمایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی منزل آسان ہوئی۔

### طلباء و عنصر

پاکستان میں صدر ایب کی عکرائی کے خلاف نومبر 1968ء میں اپنے گروہ پر پہلی گیارہ اکتوبر 1968ء میں 20 سے زیادہ نوجوانی مظاہر ہوئے۔ طلباء بھی اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ اس تحریک میں شامل ہونے پر جہاں زیب کالج کے طلباء کو دیکر طلباء کی طرف سے مسلسل طغیان رہے تھے۔ اسی ضمن میں انہیں ایک حقیر آئینہ لٹکا کے ساتھ چڑیاں بھیجی گئیں۔ حالانکہ ریاست میں طلبہ ریاست اور احتجاج پر پابندی تھی لیکن اس نفاذ اور چڑیوں نے اپنا کام ادا کیا۔ طلباء نے ایب خائف مظاہرہ اور جلسہ کا اہتمام کیا۔ اس سے سوات میں بھی حالات تسخیر ہو گئے۔ طلباء کو چاہا گیا۔ کہہ کے نام کالج سے خارج کر دینے گئے اور کچھ گرفتاری سے بچنے کے لئے زور ہونے میں

کا سیلاب ہو گئے۔ ان سوالی طلباء نے پرسس کا ٹولہ سیں منتقلہ کیں اور ملک بھر کے طلبہ نے ان کی حمایت میں احتجاج کیا اور انہی کی بیانات جاری کئے۔

اس دوران صاحب خان حکومت سے دست بردار ہو گئے اور ملک میں ایک اور بھرپور داخلہ داخلہ کیا گیا۔ سوالی طلباء کے ایک ماہنامہ افضل خان نے (جو کہ گرفتاری سے بچا کر فرار ہوئے میں کا سیلاب ہو گیا تھا) از اپنی بیوی داخلہ اور اپنے منسٹر نے نورخان سے ملاقات کی (نورخان ہی طلباء اور دوسروں کے معاملات کے گروہ تھے) اور ان تک اپنی لڑیاں پہنچائی۔ نورخان نے اُسے اپنی بددعا تھیں داتے ہوئے بتایا کہ اس سلسلہ میں حکومت کو توجیہ کیا جائے گا۔

طلباء میں سے افضل خان، اہلی عیوب (سابق طالب علم)، عدالت خان اور نسیم کے آسریت مخالف اجلاس، پرسس کا ٹولہ سیں، اخباری بیانات اور ریاست کے باہر سے کئے جانے والے پورے پریکٹس نے نتیجہ طور پر نام کے عمل کو تیز کر دیا۔ انہوں نے سوات کے مختلف اضلاع کے ام سے ایک تنظیم بھی بنائی تھی۔ وہ اور اپنی بیوی کے طلباء کے تعاون سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے۔ ان میں طلباء، مہتمم، شیخ رشید، جناب سید نور اللہ شریف، پیر، پیر شریف، میر تقی اللہ خان، جمالی، چوہدری شہادت حسین اور شاکت مزین کی حکومتوں میں وفاقی وزیر کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور دوسرا نور شمال تھے اور اپنی بیوی پرسس کلب نے بھی ان کی بہت مدد کی۔

### سوات لبریشن سوسائٹی کا کردار

اس تناؤ والی صورت حال میں اہل نے امان اللہ خان، محمود اکمن، بہت اور اسلم آندھی کے گروہوں کی حمایت کا حکم دیا۔ یہ سب کے سب کسی وقت اس کے قریبی ہم نشین رہے تھے لیکن اب اس کے مخالف تھے۔ یہ ایک اشتعال انگیز کارروائی تھی۔ امان اللہ خان، محمود اکمن، بہت سرن، زیب (سوالی)، امین خان، شہزادہ شاہ پھانسی، امانی گل، شیر زادہ (تھیکیدار) اور دوسروں نے راولپنڈی میں ملاقات کی (بٹ کو جنرل بھی زادہ نے آئے کے بلا جاتا تھا اور عدالت لبریشن سوسائٹی کی تشکیل کردی گئی لیکن قیادت کے معاملہ پر آ کر سوئی بانگ گئی۔ سب کو اپنے اہل خاندان کے تحفظ کا خوف دامن گیر تھا۔ باآفریہ پہلے کیا گیا کہ آفرین خان نامی ایک شخص کو (جو کہ پٹی کے ایک غیر صرف ملاقات میں رہتا تھا) جیل میں ڈالا جائے۔ وہ اس سہوہ کے لئے مثال لہر رہا۔ اس لئے کہ اس کا سارا خاندان پٹی میں شہم تھا اور اسے کچھ بھی کھونے کا کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا۔ تمام تر سرگرمیوں کا اہتمام ہیچے پرسس کا ٹولہ سیں اور انہی کی بیانات وغیرہ اسلم آندھی کے ذریعہ تھا۔ جسے نگرانی مقرر کیا گیا۔ آفرین خان کو انہی سرگرمیوں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ ان سے سوات لبریشن سوسائٹی کا جیل میں ڈالا گیا ہے۔ پیر، پیر خیر زیدی (در حقیقت اسلم آندھی) کے مطابق تحریک کا مقصد

ریاست کا وہ عام پرجنٹیشن تھا بلکہ خیال یہ تھا کہ وہاں پر وہ باؤ ڈال کر لوگوں کی شکایات کا اندازہ کر لیا جائے اور اس ضمن میں شہادت کے لئے ایک گول میز کانفرنس کا انتظام کیا جائے گا۔ یہ کہ  
اس بار سے عمل کے دوران سواتی، ایلان پراسید نے کئی بار یہ زہم بھگایا اور انہیں سمجھا کر کے لئے لایا جائے گا۔ اس کے  
دسم ماہ میں ہی ایلان پراسید نے انہیں بہت خوش کنی لیکن وہ کسی سے قریب سے ترقی میں ترقی آنے کے ساتھ ساتھ وہاں کے رہے ہیں اور  
بہت جلد ہی حتمی ہو گئی۔

اور حقیقت یہ ترقی المبارکات میں عمل رہی تھی۔ عام لوگوں میں اس کا کوئی اثر نہیں تھا۔ سواتی سرب (سواتی)  
یہ حقیقت تسلیم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ایک طویل مدت لبریشن سوامت تھی ترقی نہیں تھی۔ سواتی حکام نے آفرین  
خان کی جانب سے 28 جون 1989ء کو پاکستان ٹرانسپورٹ اور اینڈری کی اشاعت میں ایک اخباری بیان چھاپتے ہو  
پاکستان پریس انٹرنیشنل کے ٹیڑ کو ان الفاظ پر مشتمل ڈس بیجا۔

”آپ یہ ایم ہے کہ ہمارے لئے بھی ہمارے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لئے بھی حلف لیا ہے کہ ہم سے معلوم کریں کہ ہمارے  
پانچویں ماہی نہیں ہوں ہے۔ ہماری مسلمات کے مطابق یہ ایک نقل آئی ہے۔ انکالی طور پر اس طرح لکھی یا محمود اس  
دو دنوں میں سواتی (جو کہ ایک پانچ ماہ سے ہے)۔ اگر ہماری یہ بات نہیں مانی گئی تو ہم قانونی کارروائی پر  
تیار ہو جائیں گے۔“

سوات لبریشن سوامت کی جانب سے ایلانوں میں خدامہ سے متعلق المناہیت کے خلاف کیا جانے والا  
پرہیز گزارہ اور عام کے عمل کو ختم کرنے میں جتنی ترقی ہو چکی ہے وہ ایک سزاوارت ثابت ہو۔

## پاکستان کی سیاست میں آنے والی تبدیلیاں اور جنرل پیرزادہ کا کردار

دہلی صاحب نے قوم خان کی جانب سے ریاست کو صوبہ کا حصہ بنانے کی کوشش دینی طور پر کامیابی تھی  
اور ریاست کو صوبہ تک قائم رہی لیکن وہاں نے بدلتے مظہر نامہ کو کنگ طور پر چاہتے ہیں غلطی کی۔ جس سے بے مہربانی  
میں اضافہ ہوا اور اس کی سحرانی کے خلاف ایک دیوار حلقہ ترقی کا باعث بنا۔ اس نے جنرل پیرزادہ کو موقع فراہم  
کیا اور اس کا خصوصاً کردار اس سلسلہ میں دہلی اور ریاست دونوں کے لئے مہلک ثابت ہوا۔

ایک انٹرویو میں بیان کی جاتی ہے کہ فوج پاکستان میں اپنی ملازمت کے دوران وہاں کے بچے اور ولی مہد میں  
کل اور گزریب نے جو کہ جنرل صاحب خان کا داماد بھی تھا۔ جنرل پیرزادہ کی توجی کی تھی اور یہ کہ ایب خان کی  
صداقت کے دوران اس کو نظر انداز کر کے اس کی جگہ کسی اور کو ترقی دی گئی تھی اور اس کی مرضی کے خلاف اس کا  
صداقتی ٹیکر ریٹ سے جنرل بیڑ گورنر چھوڑ کر دیا گیا تھا۔ اس لئے وہ انکشاف ریاست سوات کو ترقی دہلی کے سماں

گل اور گزب کو آکھو والی بنے سے روکا جاتا تھا۔ جب وہ بچی خان کا بیٹا آف خانہ جاتا تو اس نے محمود امین بہت کو آج کہ سوات کا ایک غیر سوائی باشندہ تھا ایک امین جا کر امریت کے خلاف پرو چیکڈ کرنے کے لئے کہا۔ انہارے سے کہا کہ وہاں کے فن میں کوئی بیان نہ چھائی۔

میں گل اور گزب کہتے ہیں کہ نہ تو میں نے کبھی نزل ہی زارہ کی توہین کی تھی اور نہ ہی اسے نظر انداز کر کے کسی اور کو تزیی دی گئی تھی۔ حقیقت میں اب پخان نے طعی لکھا سے مظلوم معیار نہ ہونے کے باوجود اسے ترقی دے دی تھی۔ اور یہ کہ سوات کا وہ عام ہو اسی تھا۔ چون کہ تاشہ یا ستون کو گم کرنا تھا اس لئے صرف سوات کو استثنائی صورت نہیں دی جا سکتی تھی۔ تاہم میں گل اور گزب سے مصنف کے انٹرنیو اور ڈاکٹر لیب لکھ کی گفتگو سے اس بات کا اندازہ لگا، مشکل نہیں کہ نزل ہی زارہ اور وہاں گل اور گزب کے درمیان کوئی جھگڑی نہ ہو تھی۔ وال صاحب کی اس بات سے گل اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ اور گزب اور ہی زارہ کے تعلقات اسے بھی سمجھے تھے:

## دیگر حوالہ

نزل اب کے زوال سے کئی دورانی اور راستہ پر طلبا اور راستہ کے باہر اور اندر بنے والے امریت اور والی خانہ کا مسرور، نہا، سوات لبریشن سوسائٹی کی سرگرمیوں اور پرو چیکڈ ہم میں بہت ہی جزوی آگئی۔ والی کے خلاف نزل بچی خان کے ہم بے شمار خطوط اور سال کے مجھے ڈاکٹر لیب لکھوں سے اور ایک ہی شخص نے کئی کئی نذول پر خط لکھے۔ اس قسم کے خطوط اور رسالت کے ساتھ ساتھ ملک کے دیگر حصوں سے بھی ارسال لکھے۔

والی نے خان بہادر سلطنت خان آف خوار کے بیٹے فتح محمد خان اور اس کے بھائیوں کو اور سچ بڑا کے سرور خان کو اس الزام میں گرفتار کر لیا کہ وہ اس پر حملہ کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ حالانکہ خان بہادر کسی زمانہ میں اس کے باپ یعنی باپا صاحب کا سچا راستہ بنا کر تھا۔ اس نے پہلے ہی پروفیسر عبدالواحد خان کی عازت منگ کر دی تھی۔ وہ کئی دورانی کے ابتدائی ارکان اور اس کے انتظامی افسر کے ذریعے تھے۔ والی خانہ سرگرمیوں جیسے ملاقات کے تحت بہت سے دیگر افراد کی مدد میں ان کی اپنی زبان کے قریبی رشتہ داروں کی سرگرمیوں کی وجہ سے باوقاف منگ کر دی گئی تھیں۔ ان پر کارروائی جاری تھی۔

والی خانہ سوقت رکھنے کے الزام میں ایمان اللہ خان اور ملک شیر محمد خان (سابقہ ریاستی وزیر خزانہ اور والی کے قریبی ہم نشین) کو گرفتار کرنے کا حکم دیا گیا۔ ایمان اللہ خان نے بلا حراست خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔ جب کہ ملک شیر محمد خان کی رہنمائی گاہ کا سلیجانے کا مسرور کر لیا اور اسے گھر پر نظر بند کر دیا گیا۔ اس کارروائی کے دوران گولی

پلے کا واقعہ پیش آیا اور انہیں پانچا کا ایک حاکم (جو کہ اپنے باگ کے ساتھ سابقہ وزیر خزانہ سے ملاقات کے لئے آئے تھے) کو مارا گیا۔ ۱۹

اس واقعہ کی اطلاع ملنے ہی سوات لبریشن سوسائٹی کے چیئرمین آفرین خان، نکتہ نشاہ پانچا اور چاہ پانچا کی کل صدر بن گئی۔ فوری ملاقات کر کے اُسے سوات کی انتہائی اہم صورت حال بتانے میں مدد سے۔ وہ چوں کہ چندی میں موجود نہیں تھا اس لئے اُس کے فٹری بیکروزی لینکنٹ کرل عارف (بعد میں جنرل عارف) سے رابطہ کیا گیا۔ اُس نے صوبائی حکام سے کہا کہ وہ رانی کا ایسے واقعات کے سوا باب کے لئے کہے۔

بمیل ٹیک، افضل بگل، ارباب سکندر خان قلیل، جی افضل خانی، بی بی خاتون کے ایک بھائی اور کچھ دیگر سیاستدان پہلے ہی رانی کا صف ترکوں کا ساتھ دے رہے تھے۔ کچھ فاکٹریوں نے محمود علی قصوری اور ذوالفقار علی بھٹو سے مل کر ان سے تعاون انکارا۔ بھٹو نے انہیں اپنی مدد کی یقین دہانی کرائی بلکہ صورت حال کو ذاتی طور پر جانچنے کے لئے آفرین خان کے ہمراہ سوات جانے کے لئے چاہا گیا۔ ستر سے زرا پہلے ہی بھائی نے آفرین خان کو خبردار کیا کہ بھٹو کو سوات نہ لے جایا جائے۔ ورنہ صورت حال بے حد خراب ہو جائے گی اور کی سہاکی پیدا ہو جائیگی۔ جس کے نتیجے میں یہ پروگرام بالکل آفری کو میں متروک کر دیا گیا۔

دیں میں بھی حالات بدل گئے اور نواب کے خلاف اُنہوں نے صحیح شکل اختیار کر لی۔

”یافتہ خبروں اور اہل چندی، پاکستانی حکام کی ان کی بے جا مداخلتوں نے بوشہرہ کی حالت سے انتہائی حد تک بڑھائی تھی۔ مشائخ کی کٹھن کھانکھت پر گورنر کو یہ خبریں ملنا سوات کے نتیجے میں تقریباً سارے سرکاری دفاتر، اسکول اور پینٹل چھو کر رہ گئے۔ حالات کو دیکھ کر بوشہرہ کے اُن سے باہر نکالنے کا سلسلہ خراب ہو گیا، گولہ بارود ختم ہو جانے پر ہاکر تم گیا۔“

لگتا ہے اس سے بھی ان ریاستوں کے اور حکام کے فیصلہ پر اثر پڑا ہوگا۔

ادعایم



نہال کردی تھی۔ دن رات مل شہنشاہی میں اس کا ذکر نہیں تھا۔ یہ تقریر 28 جولائی 1969ء کو نشر ہوئی۔ تاہم پہلی صاحب کے مطابق:

”جب ریاست کے اور تمام فیصلے ہو گیا تو میاں گل اورنگ زب اور ذوالکرہ اور پٹنہ کی طرف سے اس کے بارے میں پتہ چلا۔ یہ 25 جولائی کو۔ اور اس کا ان تمام فیصلوں کا مجموعہ اس کے دن 28 جولائی 1969ء کو ریاست کا نام ہوا۔“

انگریزی کی بات بھی ہے تو پھر اس نام سے متعلق نام سونچا گیا ہے اور اس کا فیصلہ بھی خان کی تقریر سے پہلے کر لیا گیا تھا۔ جیسا کہ سرخان نے پہلے ہی گفتگو میں بیان کیا تھا کہ وہ کارروائی کرنے والے ہیں۔

### اور تمام کا فوری رد عمل

دہلی کے کانفرنس نے ریاست کے اور تمام کا غیر مستقیم کیا لیکن اس کے حامیوں اور حکومت پاکستان نے اس پر براہ کئی کا اظہار کیا۔

دہلی کے حامیوں نے اس فیصلے پر احتجاج کیا اور محمود الحسن بٹ کی پاکستانی ایگزیکٹوری اور دیگر اہلکار پر حملہ کر دیا جو کہ ایک غیر سوائی تھا اور دہلی کانفرنس کے سربراہوں میں سے ایک تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے اور تمام کے اعلان کے بعد پاکستانی بلڈنگ پر پاکستان کا بیڑا اٹھرایا تھا۔ یہ شخص ایک ایکٹ واپس جانے والے تھے۔ ساتھیوں کے لئے بیڑا اٹھایا تھا، سخت عملی سے کام لیتے ہوئے اور تمام مخالف لوگوں کا اصرار تھا کہ اس نے انہیں اپنی عمل حمایت و تائید کا یقین دلاتے ہوئے کہا کہ وہ احتجاج بند کر دیں تاکہ الیہ صاحب اور سرخان کے خلاف فوری کارروائی کا جواز نہ بن جائے۔ اس نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اس سلسلے میں اور تمام کے مخالف خطوط اور عرضداشتوں کی ہم شروع کریں جسے صدر ایجنسی خان کے آگے پیش کیا جائے گا۔

ریاست کے حق میں سرے لگانا جنوں دہلی کے بلڈنگ آجیباں نہیں نے سامنے آ کر لوگوں کو بڑھ سکون دینے کے لئے کہا۔ اس کی جانب سے کئے جانے والے اس دعویٰ پر کہ وہ اپنے حق میں ہونے والے ایسے احتجاج کی حمایت نہیں کرتے سوائے نشان لگا دیا گیا تھا۔ احتجاج ختم ہو گیا۔ کھسے کئے خطوط اور دستخطوں کے ضمن میں ایک جملہ ستر فہ دستخطوں کی تعداد سات کی کل آبادی سے دو گنی تھی۔ یہ عمل مسلسل سازشی ایجنسی خان تک نہیں پہنچا سکی اس لئے کہ انہیں خان نے فوری اس کو ہٹا دیا۔

انسان حکومت نے ان نئے سرحدی ریاستوں، سات، اور اور چترال کے اور تمام پر احتجاج کیا۔ ایک ترجمان نے اس ضمن میں کہا کہ اس وقت تک اس اور تمام کا کوئی جواز نہیں بنا جب تک پٹنہ اور تمام اس کی فریڈم نہ کر دیں۔ اس

## ادغام میں والی کا کردار

یہ سوال ابھی تک جواب طلب ہے کہ والی صاحب خود کہاں تک دست رسات کے ادغام کے ذمہ دار ہیں۔ جاگیرداری کے تنازعہ کے سلسلہ میں اپنی کوششوں کی صفائی پیش کرتے ہوئے والی صاحب کہتے ہیں کہ "میرا اپنا خیال یہ تھا کہ رسات کے لوگوں کو ایک آئینی قسم کی حکومت کے لئے تربیت دی جائے۔ مگر آپ لوگوں کو تقسیم دی۔ پھر ان سے مشورہ نہ لیا اور انہیں روکنے کا حق وغیرہ بھی چیزیں نہ دیں۔ پھر لوگ احتجاج کرتے ہیں۔ مگر آپ لوگوں کو تقسیم دینے میں تو وہ کسی غیر تقسیم یافتہ آدمی کی مداخلت کیسے کریں گے۔ نہ مزے دیتے ہیں۔"

"ایک بار میرے محلے کے ایک شخص نے کہا کہ اگر میری مرضی ہو تو میری مرضی سے یہ شرط یہ کہ آدمی کا اور اُس کا پھر جائے۔ ان کا اس نظریہ پر عمل تھا۔ میں نے بھی اس پر عمل کیا جس لئے یہ تھا کہ ایک وقت میرا آئے گا کہ میں اس پر مزہ مل نہیں کر سکتا گا۔ مجھے وقت کے ساتھ چنا ہوا۔ مجھے پیش نبی سے کام لینا ہوا۔ میں کیونکر اس ساری بات کا اظہار کر سکتا ہوں۔ انکسٹن میں بھی ایسا ہوا ہے اور انہوں نے انہیں کے اختیارات پر نظر پڑی کہ ہے یہ اور ان پر اور بعد رسات ان کی مداخلت بہت زیادہ ضرورت کے ذریعہ اس رسات یافتہ حکومت کر رہے ہیں۔ اس لئے جب میں پھر ان کا تو میں نے شرط اور آہستہ آہستہ اس جاگیرداری نظام کو بدلنا شروع کیا۔"

والی صاحب کا یہ تنازعہ فریضی اپنی وضاحت آپ کرتا ہے۔ جاگیرداری کے خاتمہ کے لئے کوشش کرتے ہوئے انہیں شرط اور ایک آئینی حکومت کو متعارف کرانے کا آغاز کرنا چاہئے تھا کہ ایک آئینی قسم کی مشاورتی کونسل بنا کر صرف ایک قسم کی لپیٹ پٹی سے کام لیا۔ وہ انگلستان کی مثال کی نقل تو کرنا چاہتے تھے لیکن صرف خرابیوں اور رکبوں کی مدد تک وہیں کے بادشاہ کی نہیں۔ جس کے اختیارات بہت پہلے کم کئے جا چکے تھے۔ ان کی کارروائیاں تقاضات پر مبنی تھیں۔ انہوں نے لوگوں کو تقسیم یافتہ بنانے کی کوشش کی اور اس کے ساتھ ساتھ روایتی قیادت کے اختیارات ختم کر دیے لیکن ایک آئینی طرز حکومت متعارف کرانے اور اپنے اختیارات کم کرنے سے انکاری رہے۔

والی صاحب یہ دن رسات سے آنے والے ملاقاتیوں سے تو بہت نرم اور بلا تکلف انداز سے ملتے تھے لیکن اپنی رعایا سے قطعاً نہ کئے والے ملاقاتیوں اور اپنے حکام سے اپنے وہ میں وہ تہذیبی نہیں لائے۔ وہ اپنے حکام سے تو بہت جگہ کی توقع رکھتے تھے لیکن خود ان سے ان کی بات اور مدعا جاننے کے لئے زبانی پوچھنے کے بجائے سر کی جھنجش

سے کرتے تھے۔ یہ لوگوں اور بے اہل خانوں کے خلاف کچھ کہنے کی جرأت کرنے والوں کی یہ ضمانت دے دیتا،  
 گرفتاری اور ذلت کا سلسلہ جاری رہا، وہ کسی قسم کی ناکھ و نکستہ کاٹم کرنے یا ٹوک ٹوکسی قانون اور ضابطہ کا پابند  
 بنانے کے لئے بڑگڑ تیار نہیں تھے بلکہ کھڑوہ اپنے فریڈم کا بھی، اور نور احمد نہیں سمجھتے تھے۔

دہلی صاحب دینی حقیقت کا پہلے سے اندازہ کرنے میں ناکام رہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ احتجاجی پر مجبور  
 ہو گئے۔ انہوں نے کسی قسم کی رعایت دینے، اصلاحات، اختلاف کرنے یا اپنے اقتدار پر کسی ذمہ دہن کی ترغیب نہ دی  
 قسم کی آواز کی خاطر جس کی بلکہ دہلی بات سنانے کے لئے اور زیادہ کھڑی ہو، اور ٹوک ٹوکسی کا اندازہ ہو گئے۔ ان کا خیال تھا  
 کہ وہ ای طرح مکمل اقتدار کے ساتھ سحر فرما کر رہیں گے۔

پاکستانی سیاست کا سحر ناسرہ بدلنے کے ساتھ ہی دہلی کے پرانے دو حتموں اور قریبی اقتداروں نے سوچا کہ  
 انہیں اس بار احوال کے لئے مشورہ دینے کا مناسب موقع ہے۔ کامران خان، اور مرزا فضل خان (انٹیکسٹن 1948) نے  
 موجودہ طرز حکومت کو بدلنے کے لئے مجوزہ اصلاحات پر مشتمل ایک یادداشت چمڑکی۔<sup>11</sup> اسے مہاں گل اورنگ  
 زیب کی وساطت سے دہلی صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔<sup>12</sup> اس یادداشت کا جواب انہوں نے اس طرح دیا  
 کہ میں سحران ہوں، وسعت پر مجھے حکومت کرنی ہے۔ تو انہیں حکومت نہیں کرنی۔ مہاں گل اورنگ زیب نے یہ  
 بات تسلیم کی کہ نتیجہ انہوں نے مجھے کاغذ کا ایک ٹکڑا دیا تھا جس پر بہت دیر جوڑی تھی۔ ریاست اور کام کے کنارے  
 تک آچکی تھی، نہیں کوئی ایسا اور نہیں ہوئی تھی۔ دہلی صاحب اب بھی اس پر یقین میں تھے کہ مناسب آئینی  
 اقدامات اٹھاتے، اصلاحات، اختلاف کرتے، طرز حکومت میں تبدیلی لاتے اور کام سے ریاست کو بچا لیتے۔

دہلی صاحب خود کہتے ہیں: 'آوی کو اصل صورت حال جانچ کر اس کے مطابق ماہانہ لکھی جانے والی یہ  
 بیانا ہے کہ اس وقت ان کے پاس بہترین راستہ کونسا تھا؟ انہوں نے تو صدر پاکستان کی تجویز کو جاننے سے پہلے کہ پاک  
 ریاست پر قبضہ کرو، اس طرح انہوں نے اپنا فیصلہ بنا لیا۔ جس کے نتیجہ میں ریاست جاتی رہی۔ ان کا مقصد جو کام اور  
 اور ان کی رہا یا اپنی ریاست سے محروم ہوگی۔ انہیں کام کے جائز مطالبات مان لینے چاہئے تھے، ان کی تھی پر حقیقت  
 شکایت کا ازالہ کر کے سوات کی علامہ شناخت برقرار رکھنے کی تھی، مزاح کشش کرنا چاہئے تھی۔ ایک بار انہوں نے  
 دعویٰ کیا کہ میری پالیسی تھی کہ بیٹے چوکنار ہوں اور اپنی جدا شناخت کو برقرار رکھوں۔ لیکن ان کی خود سرتی اور سوت  
 دھری نے ان کے اور ان کی حکومت کے خلاف ہم چلانے اور پروپیگنڈے کو پھیلنے پھرنے کے لئے بہترین مواقع  
 فراہم کئے جو صرف ان کے ذہن کا باعث ہی نہیں بلکہ ریاست ہی کا خاتمہ ہو گیا۔

اور کام کا اعلان ہو گیا لیکن قانون دہلی صاحب اب بھی سارے اقتدار کے مالک تھے، اس لئے کہ ان کا کام

نہ تو ابھی باقاعدہ اطلاع دیا جا رہا تھا اور نہ ہی تیاریاں اور نہ ہی ٹھکانے سے اختیار لے لئے جانے کی کوئی رہی کارروائی سرانجام پائی تھی۔ انہوں نے یہ سمجھتے ہوئے اپنے اختیارات استعمال کرنے اور سرکاری فرمائش سرانجام دینے سے منع کر دینے کو لوگوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ ریاست کا کام کر دیا گیا ہے۔ اس لئے میرے پاس کوئی اختیارات نہیں ہیں۔ تاہم اور دوسرا کام بھی ہے جس کے قانون نافذ کرنا بھی ٹھکانے سے ہے۔ یہ اور کام مختلف احتجاج اور غلط اور دستکاریوں کی بیم نے ان لوگوں کو پریشان کر دیا جنہوں نے کسی نہ کسی شکل میں دہلی مخالف سرگرمیوں میں حصہ لیا تھا۔ جبکہ ان لوگوں کو معلوم ہونے سے روکنے کے لئے انہوں نے ریاست قانون اور حکام سے رابطے کے تاکہ اور کام کو آگے بڑھایا جائے۔

خبر کی بات یہ ہے کہ گورنر جنرل آف پاکستان نے 1989ء کو (جس کے تحت جہاں اور اور سوات کے ٹھکانوں سے ان کے اختیارات لے لئے گئے) یا انہوں نے ضابطہ اور کام کیا جا رہا ہے لیکن نہ تو اسے اس قسم کا مضمون دیا گیا ہے اور نہ ہی اس میں ان تمام ریاستوں کے کام کی بات کی گئی ہے۔ اس کا مضمون ہے جہاں اور اور سوات (ضابطہ اور کام) 1989ء۔ اس میں کہا گیا ہے کہ ایک ضابطہ قانون ہے جس کے تحت ان قبائلی علاقوں کی انتظامیہ میں تبدیلیاں کر دی گئی ہیں جو سابقہ ریاستوں جہاں اور اور سوات پر مشتمل تھا۔ تاہم اس ضابطہ کے تحت 3 میں مذکورہ ریاستوں کے ٹھکانوں کے اختیارات کے استعمال اور انتظامی امور کی اہم دہلی کے خاتمے کی بات کی گئی ہے۔ اور ان ریاستوں کی اور سوات اور جہاں اور سابقہ ریاستوں کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس ضابطہ کے تحت ریاست سوات 15 اگست 1989ء کو باقاعدہ طور پر ختم ہو گئی۔

## نوٹس

1. سربراہان اور ان کے مشیرین، پاکستان، اسلام آباد، جوائنٹ نیگوشی، دستور ساز اسمبلی آف پاکستان، سیشن 2، 1973ء۔  
پہلے کے پرانے وقت کے برائے ریاست کھلی اور علاقہ آزاد گجرات کے لوگوں اور ریاستوں اور پاکستان میں سے کسی ایک سے بھی ملانے نہ کرے۔ اگر اس کی مرضی ہو گے تو انہیں جھلی ڈاکٹر ایلیس سینٹر، اسلام آباد، پاکستان اور انہیں  
ریکارڈ نمبر: RP/S/13/1827 اور RP/S/13/137۔
2. سربراہان اور ان کے مشیرین، پاکستان، اسلام آباد، سیشن 11 جنوری 1973ء۔ سوائے ان کے ملنے کے سلسلے میں گورنر  
انہیں اختیار دینے کی بات نہیں کی گئی تھی۔ اس لیے کہ سوائے ان کے ملنے کے سوائے ان کے ملنے کے سوائے ان کے ملنے کے  
ڈاکٹر کے گورنر کے لئے کیا گیا تھا تاکہ جانے والے۔ یہ واقعہ اپنے گورنر کو بت نہیں دیا تھا۔ وہ جانے والے میں



## بعد از ادغام

ریاست سوات اور والی کی عہد رانی کا 15 اگست 1969ء کو باقاعدہ اختتام ہو گیا لیکن اس علاقہ کو دونوں یونٹ کی تشکیل کے وقت جو خصوصی حیثیت دی گئی تھی، ابھی تک برقرار ہے۔ اُس وقت سے آئینی دستاویزات میں اسے جوں کا توں رکھا گیا ہے۔ اسے لوگوں کی مرضی کے بغیر ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے یہ خصوصی حیثیت ابھی تک قائم ہے اور یہ علاقہ صوبائی زیر انتظام قبائلی علاقہ (پانچا) کا حصہ ہے۔

## ادغام کے اثرات

ریاست سوات کے ادغام کے فوائد و نقصانات کا فیصلہ آدمی کے نقطہ نظر اور طرز فکر پر منحصر ہے لیکن یہاں دو غیر ریاستی باشندوں کی آراء بیان کرنا دل چسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ دونوں کا تعلق چارسدہ سے ہے۔ عبدالولی خان اور پیر فضل خالق۔

عبدالولی خان کے مطابق ریاست کے دور میں امن و امان تھا۔ فوری انصاف تھا۔ سڑکوں کی مناسب دیکھ بھال تھی اور قیمتیں کم تھیں۔ ریاست کی پختون شناخت، اس کے جھنڈے پر اس کی علامت اور پشتو زبان سرکاری زبان تھی۔ اُس نے بیگورہ کے شیرزادہ خان کے حجرہ میں والی کے مخالفین سے کہا کہ پاکستانی نظام حکومت کی برائیوں سے وہ بے خوفی واقف ہیں۔ ریاست سوات سے اُس کا مقابلہ ہرگز ممکن نہیں۔ اگر ادغام ہو گیا تو پاکستانی نظام کی تین برائیاں یعنی پیواری، پولیس اور وکیل بھی سوات میں داخل ہو جائیں گی اور لوگوں کے دکھوں میں بے پناہ اضافہ ہو جائے گا۔ تاہم پیر فضل خالق کا اس سلسلہ میں کہنا تھا کہ ریاست سوات میں مقدمات اور فیصلے بغیر دلیل، بغیر وکیل، اور بغیر ایبل (بے دلیل، بے وکیل، اور بے دلیل) کے کئے جاتے ہیں۔ یعنی والی کے سامنے دوران مقدمہ حجت کی اجازت نہیں۔ فریقین وکیلوں کی خدمات سے محروم ہوتے ہیں اور والی کے فیصلے حتمی ہوتے ہیں اُن کے خلاف کوئی

## آمریت کا خاتمہ

ادغام سے اُس آمریت کا خاتمہ ہو گیا جس میں پیر مائٹن کے بقول 'مگر حکمران چاہتا تو ملامت اٹل اپنے عوام میں سے کسی کا سر کاٹ سکتا تھا اور جہاں حکمران پر کسی اپنے حکم کا لحاظ رکھنا بھی لازم نہیں تھا۔ مثال کے طور پر اُن کا ایک حکم یہ تھا کہ سید شریف کے سرکاری گھروں میں رہائش پذیر اگر کسی ملازم کو نوکری سے نکال دیا گیا تو گھر خانی کرنے کے لئے اُسے ایک ہفتہ کی مہلت دی جائے گی اس دوران اُسے گھر سے نہیں نکالا جائے گا۔ اُس نے افضل خان کے ایوب مخالف طلبہ تحریک میں اہم کردار ادا کرنے کی وجہ سے اُس کے بھائی کو نوکری سے درخواست کر دیا اور فوراً اُس کے گھر کا سارا سامان باہر پھینک دیا۔ اسی طرح پروفیسر عبدالواحد خان کو 18 مارچ 1969ء کو جہاں زیب کالج کے وائس چانسلر کے ذریعہ والی کا یہ زبانی حکم سنایا گیا کہ 'تمہاری ملازمت ختم کر دی گئی ہے، ایک مہینہ کے اندر اندر سرکاری گھر خالی کرو۔' انہوں نے اُس دن شدید بارش کے باوجود اس حکم کی تعمیل کی۔

ادغام سے اُن لوگوں کی تالیفِ قلب ہوئی جنہیں ریاست کے دوران ریاستی حکمرانوں کی ذاتی پسند ناپسند یا چند لوگوں کی بے جا سرپرستی کی وجہ سے جسمانی، نفسیاتی اور مالی مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ لوگ جو والی کے ہم نشین رہے تھے لیکن پھر اُس کے خلاف ہو گئے تھے، انہیں بھی تسکینِ نصیب ہوئی۔ درآن حالیکہ وہ والی کو اصلاحِ احوال پر مجبور نہیں کر سکتے تھے لیکن اُسے اقتدار سے الگ ہوتے دیکھ کر انہیں اطمینانِ ضرور نصیب ہوا۔ اسے انہوں نے اپنی کامیابی کا پہلا دور قرار دیا۔

## سیاسی آزادی

والی کی جانب سے ضمنی ضابطہ الحاق کی منظوری کے باوجود ریاست میں نہ تو اظہار رائے کی آزادی تھی اور نہ ہی کسی سیاسی سرگرمی کی اجازت تھی۔ ادغام کے ساتھ ہی سیاسی سرگرمیوں پر سے پابندی ہٹ گئی اور قانون کی نظر میں کم از کم اصولی طور پر سب مساوی ہو گئے۔ زین العابدین کے کہنے کے مطابق ووٹ ڈالنے کے لئے حق دار ہونے کی سابقہ شرائط اتنی سخت تھیں کہ بہت کم لوگوں کو یہ حق حاصل تھا۔ اب ادغام کے بعد وہ سب کچھ بدل گیا۔ اب سب کو انسان گردانا جانے لگا۔ جب کہ والی کے عہد حکومت میں بہت کم افراد کو انسان سمجھا جاتا تھا اور اکثریت کو دو جٹوں والا جانور سمجھا جاتا تھا۔ ضمیر، اظہار اور سیاسی سرگرمیوں کی آزادی اب ایک حقیقت بن چکی تھی۔

## ملازمتیں

پہلے ریاستی انتظامیہ اور دیگر عہدوں کے لئے مقابلے کے استعمالات نہیں ہوتے تھے۔ نہ تو ملازمت کو کوئی تحفظ حاصل تھا، نہ ملازمت کے لئے مساوی مواقع تھے۔ نہ ہی دوران ملازمت ترقی کے لئے کوئی یکساں نظام رائج تھا۔ تمام تقرریاں، ترقیاں اور زبر خواستگیاں حکمران کی مرضی پر موقوف تھیں۔

اب مقابلتا سب کو یکساں مواقع کی فراہمی کا اہتمام تھا۔ ریاستی دور میں ملازم صرف اپنی کسی کوتاہی یا غلطی کی وجہ سے ملازمت سے ہاتھ نہیں دھو بیٹھتا تھا بلکہ کسی رشتہ دار کے کئے کا خمیازہ بھی اُسے بھگتنا پڑ سکتا تھا۔ یہ عدم تحفظ ختم ہو گیا اور اب حکام اور ملازمین کو ایک معلوم پالیسی کے تحت ترقی ملنے کا ایک یقینی نظام مل گیا۔

## جائیداد کا تحفظ

عبدالوہود اور جہان زیب کی حکومتوں کے دوران ایک بڑا مسئلہ ان کی ناراضگی کی صورت میں جائیداد سے محرومی کا تھا۔ کسی کو بھی ریاست میں جاری بدنام زماں طریقوں سے حکمران یا اُس کا کوئی منظور نظر اپنی جائیداد سے محروم کر سکتا تھا۔ فتح محمد خان کے مطابق یہ سب باختم ہو گیا۔ اب کوئی حکمران بھی نہ تو کسی کو جائیداد سے محروم کر سکتا ہے اور نہ ہی سوات سے باہر نکال سکتا ہے۔

## سوات پر افغانستان کے دعویٰ پر ایک ضرب

یوں تو سوات نے کئی صدیوں تک اپنی آزادانہ حیثیت کو برقرار رکھا، تاہم برطانیہ اور افغانستان دونوں کی سوات، دیر، باجوڑ اور سرحدی قبائلی علاقہ پر حریصانہ نگاہیں لگی ہوئی تھیں۔ تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے اس مسئلہ کا تجزیہ کرتے ہوئے اسلم آفندی کہتا ہے کہ امریت اور والی مخالف تحریک نے 'اونٹ کی پیٹھ پر آخری تنکے کی صورت' اُس کی کمر بھگی توڑ ڈالی اور نہ تو ریاست سوات وغیرہ کی "متنازع علاقہ" والی حیثیت جاری رہتی۔ وہ مزید کہتا ہے:

"افغان حکومت نے شدید احتجاج کیا لیکن حکومت پاکستان نے ایک اچھی دلیل کے ساتھ اس کا جواب دیا کہ ادغام کا فیصلہ لوگوں کی خواہشات کے عین مطابق کیا گیا ہے۔ پچھلے منظر نامہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے سوات کا پاکستان کے ساتھ ادغام کوئی معمولی تاریخی واقعہ نہیں۔ اس لئے کہ یوسف زئی قبائل نے جو بنیادی طور پر افغانی تھے اس ادغام کے ذریعہ رضا کارانہ طور پر خود کو پاکستان کا حصہ بنا دیا۔ اور ایک زمانہ کے بعد بالآخر ان افغان یوسف زئی قبائل نے پاکستان کے حق میں ووٹ دے کر اس علاقہ پر افغان حکومت کے دعویٰ کو ختم کر دیا۔"



## انتشار اور بے یقینی

ادغام کا اعلان 28 جولائی 1969ء کو ہوا لیکن ڈیر، چترال اور سوات (انتظامی) ضابطہ قانون، 1969ء کا اجراء 15 اگست 1969ء کو ہوا۔ اس کی شق 3 پر عنوان ”حکمران انتظامی و وظائف ختم کر دیں وغیرہ“ میں کہا گیا کہ ”اس ضابطہ قانون کے روپ میں آنے کے بعد اس سے پہلے کے قانون، ضابطہ رسم، دروان، احکامات یا ہدایات کے باوجود اس کے آغاز سے

(الف) صراحت شدہ علاقوں (ڈیر، چترال اور سوات) میں سے ہر ایک کا حکمران اپنے اختیارات پر عمل درآہ ختم کر دے اور وہ تمام معاملات جو کہ صوبائی قانون ساز ادارہ کے تحت آتے ہیں یا ان علاقوں کی انتظامیہ سے متعلق ہیں ان کے بارے میں وہ کوئی کارروائی نہ کرے۔

(ب) اختیارات اور وظائف جن کا جزو (الف) میں حوالہ دیا گیا ہے، جن پر اس ضابطہ قانون کے آدوہ نے سے پہلے مذکورہ بالا علاقوں میں سے کسی کا حکمران عمل درآہ کر رہا تھا، اب صوبائی حکومت کی عمومی دیکھ بھال اور ہدایت کے مطابق اس کا مقرر کردہ افسر، شخص یا بااختیار جیسا کہ صوبائی حکومت چاہے عمل درآہ کرے گا۔“

اس کے باوجود بھی ”کوئی افسر، شخص یا بااختیار ان حکمرانوں کے اختیارات و وظائف سرانجام دینے کے لئے مقرر نہیں کیا گیا۔ 16 اگست 1969ء کو اس ضابطہ قانون کو قابل عمل بنانے کے لئے یہ حکم جاری ہوا۔

”مغربی پاکستان کی حکومت یہ خوشی ملا کہ ڈوہین کے کسٹرو کو اختیارات تفویض کرتی ہے کہ وہ صوبائی حکومت کی عمومی دیکھ بھال اور ہدایت کے مطابق وہ تمام اختیارات استعمال کرنے اور وظائف سرانجام دینا شروع کر دے جو کہ اس ضابطہ قانون کے مین پیبلے ان صراحت شدہ علاقوں کے حکمران استعمال کرتے تھے یا سرانجام دیتے تھے۔“

اس طرح ادغام کے اعلان نے دو دروں تک ایک انتشار اور الجھن کی سی کیفیت پیدا کر دی اور سوات پر بے یقینی کی سیاہ چادر تن گئی۔ والی صاحب نے اپنے سرکاری وظائف کی ادائیگی بند کر دی لیکن اُن کی جگہ کوئی ایسا بااختیار شخص بھی موجود نہ تھا جو ان وظائف کو سرانجام دے۔ ریاست کے انتظامی حکام بھی الجھن کا شکار تھے۔ ادغام کا اعلان آئندہ حکومت کے لئے مناسب منصوبہ بندی اور اس کے عواقب و نتائج کا اندازہ لگانے بغیر کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد میں کافی منفی اثرات اور تنازعہ فیہ نتائج سامنے آئے۔

## ملازمتوں کا مشکل مسئلہ

ضابطہ قانون آف 1969ء کے تحت ریاست سوات کے سابق ملازمین حکومت مغربی پاکستان کے ملازمین بنوائے گئے جیسا کہ اس ضابطہ کی ایک شق کی ذیلی شق پر عنوان ”سابقہ ریاستوں کے ملازمین کی ملازمتوں کا

تبادلہ میں بیان کیا گیا ہے۔

”وہ تمام افراد جو اس ضابطہ کے آغاز سے قبل کوئی شہری عہدہ یا ملازمت رکھتے تھے۔ اس میں وہ ملازم بھی شامل ہیں جو اس زمانہ قائم رکھنے کے لئے موجود فوج کے ملازم تھے اور صراحت شدہ علاقوں کی انتظامیہ کے تحت خدمات نبھال رہے تھے۔ ان سب کو ضابطہ کے لاگو ہونے سے مغربی پاکستان کے ملازم گردانا جایا جائے گا۔“

لیکن آنے والی ذیلی شق (2) میں اسے مشروط کر دیا گیا تھا۔

”بادجو یہ کہ قانون، ضابطہ، حکم یا ہدایت جس کا اطلاق وقتی ہو یا ملازمت کی طے شدہ شرائط اس کے خلاف کیوں نہ ہوں پھر بھی وہ ٹوک، جن کا حوالہ شق (1) میں دیا گیا ہے ان کی ملازمتوں کے بارے میں صوبائی حکومت ایسے شرائط کا رکھنے سے جس کا اطلاق ان پر ہوگا۔“

ملازمین کی ملازمتوں کی بریت بدلنے اور نئے قوانین و ضوابط کی تشکیل اور نیا معیار بنانے سے پہلے ہی ڈپٹی کمشنر سوات نے 9 نومبر 1970ء کو پاکستانی قانون کو آڑ بنا کر مختلف شعبوں میں مختلف عہدوں پر تعینات ملازمین کی ایک بڑی تعداد کو جبراً ریٹائر کر دیا۔ سابقہ ریاستی قوانین کو بہانہ بنا کر پاکستانی قوانین کے مطابق پینشن اور دیگر فوائد کے ان کے حق سے بھی انہیں محروم کر دیا گیا۔ کچھ لوگوں کو بغیر کسی مناسب وجہ کے ان کی ملازمتوں سے محروم کر دیا گیا۔ ایسا سب کچھ یحییٰ خان کی ان یقین دہانیوں کے باوجود کیا جا رہا تھا جو کہ ادغام کے وقت اُس نے کرائی تھیں۔

سرکاری ملازمین کو صوبائی تنظیم میں کھپانے میں تاخیر سے لوگوں میں خوف اور بے چینی پھیل گئی۔ کسی دل چلے کا یہ کہنا بالکل صحیح تھا کہ حکومت نے اسکول، کالج، اسپتال اور ڈسپنسریوں کو تو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے لیکن ان جگہوں پر ملازمت کرنے والوں کو ابھی پاکستانی تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ یوں گویا سرکاری اداروں میں پرائیویٹ اساتذہ خدمات انجام دے رہے ہیں جو کہ تمام منطقی اصولوں کی خلاف ورزی ہے۔

1971ء میں مندرجہ ذیل اطلاع نامہ کے ذریعہ یکم جنوری 1971ء سے سابقہ ریاستی ملازمین کو صوبائی ملازمتوں میں شامل کر لیا گیا۔ دیکھئے اطلاع نامہ نمبر پی ایس / او ایس / این ڈبلیو ایف پی 17-70/1، تاریخ 01/01/1971ء کا حیرانگراف 11۔ لیکن سب ریاستی ملازمین کو صوبائی ملازمتوں میں جذب نہیں کیا گیا تھا۔ ایسا کرنے میں تاخیر کر کے کچھ کو درخواست اور بہت سوں کو جبری ریٹائر کر دیا گیا اور جن کو صوبائی ملازمتوں میں جذب کیا گیا ان کی درجہ بندی مقرر کرنے میں تاخیر سے ان کو مزید پریشانی میں مبتلا کر دیا گیا۔

سابقہ ریاستی ملازمتوں کو موجودہ کے ساتھ ساتھ مزید حقوق، سہولیات اور رعایات دینے کی یقین دہانیاں غلط ثابت ہوئیں۔ انہوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے مختلف قسم کی انجمنیں قائم کیں۔ ان تمام انجمنوں کو ایک پلیٹ فارم کے تحت لاکر متحدہ جدوجہد کے لئے سوات ایپلائز ایسوسی ایشن قائم کی گئی۔ جلوس نکالے گئے۔ احتجاج کیا گیا۔ یاسی مہیشا نے ملاکنڈ درہ تک مارچ کیا۔

## نیا ڈھانچہ، نئی طرز انتظامیہ اور شکایات

سوات کے باشندوں کو ادغام کے بعد نیا ڈھانچہ اور نئی طرز انتظامیہ کی وجہ سے عجیب صورت حال سے گذرنا پڑا۔ نوکریاں کی ایک نئی تنظیم آمو جو ہوئی جو ایک مشترک طریق عمل کے تحت کام کرنے لگی لیکن اس نے لوگوں کے مسائل حل نہیں کئے۔ ان میں کوئی جواب دہ نہیں تھا اور ہر ایک نذر پیش کرتا تھا کہ یہ میرے وارد اختیار میں نہیں اور یہ میری ذمہ داری نہیں۔ کسی حد تک یہ بات صحیح تھی اس لئے کہ مرکزی اور صوبائی گرفت اور اختیارات کی وجہ سے ان کے اختیارات محدود تھے۔ اور شرط و طور پر اس بات سے بھی اتفاق کیا جاسکتا ہے کہ نئی انتظامیہ کی راہ میں رکاوٹیں موجود ہیں اس لئے کہ بنیادی قانونی اور انتظامی ڈھانچہ تو وہی کا وہی رہا لیکن اب انتظامیہ کے پاس نئے نئے وسائل ہیں اور نہ ہی وسیع پیمانہ پر اصلاحات کرنے کے لئے مشینری موجود ہے۔ لیکن نئی انتظامیہ کا طریقہ اور پالیسی مسائل کو حل کرنے کی جگہ وقت، گذاری پر مبنی تھی۔

نتیجتاً ہر طرف وسیع پیمانہ پر بد نظمی، عدم تحفظ، پہلے سے بڑھ کر بد عنوانی، بے انصافی اور قدرتی وسائل کا قتل عام نظر آنے لگا۔ لوگوں میں غصہ پیدا ہوا بالخصوص ان لوگوں میں جو ایک نیک مقصد کے لئے خلوص کے ساتھ امریت کے خلاف سرگرم رہے تھے اور دو سال کے اندر اندر انہوں نے آواز اٹھانی شروع کر دی۔ شائدانی عمل (جو کہ امریت مخالف مہم کی حسب اول سے تعلق رکھتے تھے) کی قیادت میں ایک وفد نے جوائنٹ میگزینی صیغہ انور کے سوات کے سرکاری دورہ کے دوران انہیں ایک یادداشت پیش کی۔ یہ دورہ دو دستر انفران کے خلاف شعبہ جاتی کارروائی کے سلسلہ میں کر رہے تھے جس کی تفتیش ریٹائرڈ جسٹس عبدالحمید نے زمر دکان فائرنگ کے سلسلہ میں کی تھی۔ جس میں چار افراد ہلاک اور 18 دیگر زخمی ہو گئے تھے۔ اس یادداشت میں بیان کردہ شکایات کا نچوڑ یہ تھا۔

”عجیب بات ہے کہ جب سے ریاست سوات کا ادغام مغربی پاکستان کے ساتھ ہوا ہے کسی ایک شکایت کا ازالہ بھی صحیح انداز میں نہیں کیا گیا ہے۔ انصاف کا حصول صرف ان کے لئے ممکن ہے جو یا تو انتظامیہ میں رسوخ رکھتے ہیں یا رشوت دے سکتے ہیں... ریاست کے ادغام کے بعد نئی انتظامیہ یہاں ہونے والے کسی ایک ترقیاتی کام کی مثال پیش نہیں کر سکتی...“

موجودہ انتظامیہ کے پاس فنڈز کی موجودگی کے باوجود اسپتالوں، اسکولوں، سڑکوں اور صفائی وغیرہ کی صورت حال بد سے بد تر ہوتی جا رہی ہے۔ جگہروہ کے لئے فراہمی آب کا منصوبہ ابھی تک زیرِ غور ہے۔ بازار میں گھروں کی تعمیر کے لئے لکڑی، تیا ب ہے۔ حالانکہ سابقہ ریاست نے گھروں کی تعمیر کے لئے خواہش مند لوگوں کو یہ سہولت دے دی تھی۔“

اسی طرح پروفیسر عبدالواحد خان جو کہ پہلے ابن زیاد، خالد ناصر اور ایومار ق کے نام سے لکھا کرتے تھے اور جنہوں نے اس سے پہلے امریت کے خلاف ’سوات: زیادتیوں کا گہوارہ‘ کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا۔ انہوں نے بھی ادغام کے بعد نئی انتظامیہ کی بیگانگی والے رویہ اور سوات کی افسوسناک صورت حال کا رونا رویا۔ انہوں نے

لوگوں کی شکایات کو یہ عنوانات دیئے۔ 'یہ سوات ہے' اور 'ہم کہہ کر کے رہے۔' سراج الدین خان جنہوں نے آمریت کے خلاف لکھ کر سب سے زیادہ اذیتیں برداشت کی تھیں، انہوں نے بھی اس موضوع پر ان عنوانات کے تحت لکھا: 'ضم شدہ و تباہی ریاستوں کے مسائل' اور 'سوات حال کے آئینے میں۔'

ایم ایس انور نے کئی دفعہ سے ملاقاتیں کر کے اور اپنے سامنے پیش کردہ یادداشتوں، پمفلٹوں اور خطوط کا جائزہ لینے کے بعد صورت حال کو اختصار کے ساتھ یوں بیان کیا۔

"میراثا یہ ہے کہ سوات کے لوگوں پر ریاست کے ابتدائی طور پر مفری پاکستان اور بعد میں سو بہ سرحد کے ساتھ ادغام کا کچھ ایجا اثر مجرب نہیں ہوا ہے۔ نئی انتظامیہ گورکھ کا ڈٹوں کا سامنا ہے۔ چون کہ بنیادی قانونی انتظامی ڈھانچا تو ہی کا وہی ہے، جب کہ انتظامیہ کے پاس نہ تو وسائل ہیں اور نہ ہی وسیع پیمانہ پر اصلاحات کرنے کے لئے مشینری موجود ہے۔ اگر چہ یہ بات غیر منصفانہ لگتی ہے لیکن سوات کے عام لوگوں کا یہ خیال ہے کہ نئی انتظامیہ کارویہ ان کے مسائل کے حل کرنے اور ان کی شکایات کا ازالہ کرنے کے لئے غیر ہمدرد ہے۔ اور یقیناً والی کی آمرانہ حکومت سے کسی طرح بھی یہ بہتر نہیں۔"

انہوں نے کہا کہ یہ تھی کہ صوبائی نوکر شاہی نے ایم ایس انور کی بیان کردہ شکایات کا ازالہ کرنے کے لئے قدم اٹھانے کے بجائے اس پر اعتراضات کئے کہ اس نے دفعہ سے ملاقات کیوں کی اور ان کی درخواستیں کیوں وصول کیں۔

ریاستی دور میں دفتری سرخ فیتہ نہ ہونے کی وجہ سے معاملات بہت جلد نمٹائے جاتے تھے اور ترقیاتی کام اور منصوبے مقررہ وقت میں مکمل کر لئے جاتے تھے۔ اب فیصلہ سازی، منصوبہ بندی، فنڈ مختص کرنے اور اس کی ادا لگی کے سارے اختیارات سوات سے مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو منتقل ہو گئے تھے۔ ڈپٹی کمشنر سوات ارشد فاروق ریاستی دور اور بعد از ریاست دور کی تنظیم، اُس وقت کے والی اور اب اُس کی جگہ لینے والے کے اختیارات کا موازنہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

"ریاست سوات کا ادغام تین سال پہلے ہوا۔ سابقہ والی مگن ہے ایک جاہل آمر قسم کا حکمران ہو لیکن اُس کی ظلم حکومت میں فیصلہ بہت جلد ہو جاتے تھے اور کئی ترقیاتی کام مکمل کئے جاتے تھے۔ اب ڈپٹی کمشنر اس کی کرسی پر بیٹھا ہے تو لوگ ہر قرین قیاس مسئلے کے پاس آتے ہیں... لیکن اُس کے پاس ان کے مسائل کا ازالہ کرنے اور ان کے فائدے کے منصوبے تیار کرنے کے لئے وسائل بے حد محدود ہیں۔"

نئے منتظمین کے لئے از خود اقدامات کرنے کی راہ میں یقیناً کچھ قانونی رکاوٹیں حاصل تھیں لیکن اپنی برطانوی نوآبادیاتی تربیت اور سوچ نے انہیں ترقیاتی منصوبوں یا سوات کی مجموعی ترقی کے لئے بالکل بہرا بنا دیا تھا۔ وہ اگر چاہتے تو اپنے ضلع کی ترقی کے لئے صوبائی اور مرکزی حکومت سے اپنے قلم کے زور پر لڑ جھگڑ کر بہت کچھ کر سکتے تھے۔ یہ کام کرنے میں وہ بری طرح ناکام رہے بلکہ ملاکنڈ ڈویژن کے پہلے کمشنر سید منیر حسین نے یہ تحریر کیا کہ

سوات میں مزید کسی ترقیاتی کام کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں پہلے ہی ضرورت سے زیادہ کام ہو چکے ہیں۔ ہمارا کام اب صرف انہیں برقرار رکھنا ہے۔

اس سوچ اور طرز عمل کی وجہ سے مزید کوئی ترقیاتی کام تو کیا ہوتا سڑکوں اور دیگر موجودہ ترقیاتی کاموں کی مناسب دیکھ بھال بھی رکھنی۔ صحت کی مفت ہولت دم توڑ مہنگی اور یہ احساس پیدا ہوا کہ پاکستانی حکومت کی چھتری کے نیچے آنے سے امیدوں کی بھتیجی ہری ہو جانے اور ایک بہتر زندگی کا آغاز ہونے کی جگہ سوات ایک انڈیجینیٹی میں گر پڑا ہے۔ صورت حال ہر لحاظ سے ابتر ہوتی چلی گئی۔

یہ تبدیلی اتنی اچانک آئی کہ ساری آبادی ایک قسم کے صدمہ سے دوچار ہو گئی۔ پہلے غیر سواتیوں کو انہیں غیر قانونی سرگرمیوں سے روکنے کے لئے یہاں رہنے کے لئے تحریری ضمانت دینی پڑتی تھی۔ حکمران یا دیوہ کی اجازت کے بغیر انہیں یہاں زمین خریدنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ اجازت بہت ہی خاص صورتوں میں دی جاتی تھی۔ یہاں کاروبار کرنے یا صنعت لگانے کے لئے بھی ضمانت درکار تھی۔

والی کی اجازت کے بغیر سوات کی عورتوں کی غیر سواتی افراد سے شادی ممنوع تھی۔ عورتیں سوات سے بغیر راہداری لئے نہیں جاسکتی تھیں حتیٰ کہ علاج کی غرض سے جانے کے لئے بھی راہداری درکار تھی۔ یہ بات مقامی اور غیر مقامی دونوں قسم کے باشندوں پر لاگو ہوتی تھی۔ راہداری کی ضمانت یکساں شرح سے نہیں تھی۔ سوات سے عورتوں کی سنگلنگ روکنے کی غرض سے بھی ضمانت لی جاتی تھی۔

ادغام کے ساتھ ہی ان پابندیوں اور اجازت نامے لینے کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ کئی غیر سواتی سوات میں بس گئے جس کی وجہ سے طاقت کے ڈھانچے میں ہی تبدیلی نہیں آئی بلکہ نئے مسائل نے جنم لیا۔ آبادی میں تیزی سے بوئے اضافہ اور نیکورہ اور اُس کے مضافات میں تیز اور بغیر کسی منصوبہ کے پھیلاؤ نے سوات کے لوگوں اور ناؤن کسٹی پر بے حد بڑا ہتھیار مارا۔ ملک کے ہر طرف سے لوگوں کی آمد نے زمین کی قیمتوں میں بے تحاشہ اضافہ کر دیا اور سراج الدین خان کے مطابق سواتی معاشرہ نئے دور کی برائیوں کا آسان ہدف بن کر ان میں لت پت ہو گیا۔

## ملکیت زمین کے تنازعات

مختلف لوگوں کی طرف سے اس بات کی سفارش کے باوجود والی صاحب نے جدید خطوط پر بندوبست اراضی کا کام نہیں کیا۔ اسی نتیجہ تھا کہ ادغام کے بعد زمین کی ملکیت پر جھگڑے شروع ہو گئے۔ وہ لوگ جن کی زمینیں شامی خاندان یا دیگر طاقتور خاندانوں نے بزور یا کسی اور طرح سے قبضہ میں لے لی تھیں، انہوں نے اپنی زمینوں کا قبضہ واپس

لینے کے لئے کوششیں شروع کر دیں۔ کچھ نے عدالتوں میں درخواستیں دائر کر دیں۔ گو جرجواکٹر ویشتر مزار میں تھے اور اس خاص نسب کی وجہ سے ملکیت زمین کے حق دار نہیں تھے، انہوں نے انتظامی تبدیلی اور پاکستان پیپلز پارٹی کے نفروں سے شپا کر جن زمینوں پر وہ کام کرتے تھے، ان پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کر دیا بلکہ وہ لوگ جنہوں نے اپنی زمینیں بیچ دی تھیں ان میں سے بعض نے یہ کہہ کر کہ یہ ان سے ضبط کر لی گئی تھیں ان پر دوبارہ دعویٰ کر دیا۔ کچھ بہت پرانے زمینی جھگڑے دوبارہ زندہ ہو گئے۔ اس تمام سے صورت حال بے حد گھمبیر ہو گئی اور تصادم کے نتیجے میں جانی اور مالی نقصانات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس بحرانی کیفیت سے نکلنے کے لئے شمال مغربی سرحدی صوبہ کی حکومت نے اکتوبر 1970ء میں اطلاع نمبر 66/11س او (ایس پی ایل) ایچ ڈی 701 تاریخ 18 اکتوبر 1970ء کے ذریعے ایک کمیشن کی تشکیل کر دی جس کا کام تھا ضلع سوات میں زمینی الماک کے سلسلہ میں سرانٹھانے والے جھگڑوں کی کیت اور کیفیت معلوم کرنا۔ خصوصاً (الف) والی اور بے دخل کئے گئے دعویدار اور (ب) زمیندار اور مزارعین (الف) قسم کے کیسوں کی تعداد 469 تھی جب کہ (ب) قسم کے کیسوں کی تعداد 26 تھی۔ کمیشن نے اپنی رپورٹ حکومت کو پیش کر دی۔ اور دستاویزی صورت میں کمیٹی کے اُن ارکان کو جن کو کمیشن کی سفارشات پر غور و خوض کے لئے اجلاس میں حاضر ہونا تھا بتایا گیا کہ

”کمیشن نے ہر دعویٰ کا فراہم کردہ جوتوں کی روشنی میں پوری طرح جائزہ لیا ہے۔ یہ ایک انتہائی وقت طلب کام تھا جو بہ حسن خوبی انجام دے دیا گیا ہے۔ اس مرحلہ پر ہر سفارش کی جانچ پڑتال سوبائی ایگزیکٹو سطح پر کسی اور بااختیار ادارہ سے کرنا مستحسن نہیں ہوگا۔ علاوہ ازیں ایسا کوئی قدم تازعات کی بنیاد پر دوبارہ کھول دے گا۔ اس لئے یہ بے حد اہم ہے کہ ہم کمیشن کی ساری سفارشات کو سن و سن قبول کرنے کے لئے اپنا ذہن بنائیں۔“

اس سلسلہ میں مزید یہ تجویز کیا گیا کہ حکومت کی طرف سے قانونی فیصلہ اور اُس کے اعلان کے بعد اُس پر عمل درآمد انتہائی اہم ہوگا۔ اس لئے اس باب کو ہمیشہ کے لئے بند کرنا ہوگا اور تصفیہ شدہ تازعات کے سلسلہ میں از سر نو تفتیش کی اجازت کسی صورت نہ دی جائے لیکن اس مسئلہ میں اصل مسئلہ عمل درآمد ہی کا تھا۔ اس لئے کہ سفارشات کی کاغذی منظوری اس پر درحقیقت عمل درآمد سے بالکل مختلف چیز تھی۔ یہ قانونی فیصلہ اور رپورٹ بے نتیجہ ہی رہی اس لئے کہ اس پر بحیثیت مجموعی عمل درآمد ہی نہ ہو سکا۔

## جنگلات کی بے دریغ کٹائی

جنگلات کی منصوبہ بند بارود کٹائی کا کام ریاستی دوری میں شروع ہو گیا تھا۔ والی کی طرف سے جنگلات کو

ایک سیاسی رشوت کے طور پر استعمال کیا جانے لگا تھا لیکن عام لوگوں پر والی کی جانب سے اس سلسلہ میں کسی قسم کی پابندیاں عائد نہیں۔ ادغام کے ساتھ ہی یہ پابندیاں ہٹ گئیں اور نئے والی آزادی کا بہت بڑی طرح استعمال کیا گیا۔ جنگلات کو ٹھیکیداروں نے سرکاری حکام کے گٹھ جوڑ سے قتل عام کر کے تباہ کر دیا تاکہ زمین کا ممکنہ حد تک خون کر کے اپنی جیبیں بھری جا سکیں۔ اس سے علاقہ اپنے جنگلات سے محروم ہو گیا۔ سوات کے اکثر و بیشتر پہاڑ تک دھڑنگ رہ گئے۔ قدرتی ماحول برباد ہو گیا۔ مٹی کی فرسودگی کا عمل تیز ہو گیا۔ وادی کا قدرتی حسن تہ و بالا ہو گیا اور ماحول برباد ہونے سے آب و ہوا میں خوف ناک تبدیلیاں پیدا ہو گئیں۔

## تحریک بحالٹی ریاست

پولٹیکل ایجنٹ ہمایوں خان نے ادغام کے وقت ادغام مخالف جذبات کو وقتی طور پر ٹھنڈا کر دیا تھا لیکن سید و شریف سے تعلق رکھنے والے ایک طالب علم محمد ابرار (المعروف ابرار چنان) نے تحریک بحالٹی ریاست کے نام سے ایک تحریک شروع کی۔ وہ نعرہ بازی کرتا تھا۔ پوسٹر تقسیم کرتا تھا۔ ڈپٹی کمشنر سوات نے فریڈرک رائٹرز ٹیلیویشن کے تحت اُس کی گرفتاری کا حکم جاری کیا۔ وہ ناکام رہا۔ والی صاحب کے حامی لائق رہے اور یہ تحریک عوامی حمایت نہ ہونے کی وجہ سے اپنی موت آپ مر گئی۔ اس بات سے اسلم آفندی کے اس دعویٰ کی توثیق ہو جاتی ہے کہ سوات کے یوسف زیوں نے پاکستان کے حق میں ووٹ دے دیا ہے۔ ابرار چنان نے بھی بعد میں اپنی اُس تحریک کو ماننے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ ریاست کی بحالی کے لئے نہیں تھی بلکہ سابقہ شاہی خاندان کو خوش کرنے کی ایک کوشش تھی۔ اس تحریک کے صرف تین بنیادی ارکان تھے (ابرار چنان، میاں گل فروش آف قدیل اور ایک کوئی اور) اور اس کا مقصد ریاست کی بحالی نہیں بلکہ سابقہ حکمرانوں کی خوشنودی ہی تھا۔

## انتظامیہ کے لئے پیچیدگیوں

ڈپٹی کمشنر سوات نے 1972ء میں اضافی پیچیدگیوں پر بحث کرتے ہوئے بتایا۔

”سوات ملیشا کا سوال، کالام کے لوگوں کے لئے جنگلاتی کلزی کے آمدنی میں ان کے حصہ میں اضافہ کا معاملہ، سوات پولیس، عشر کا ایک جبری نظام، موٹر خانہ اور کٹی اور چیزیں بھی حتمی طور پر تصفیہ طلب ہیں۔ مسائل کی موجودہ صورت حال مراعات یافتہ طبقہ کو بحالٹی ریاست اور اس طرح کی دوسری باتیں کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔“

## معیار تعلیم کا زوال

طلباء اور اساتذہ پر لقمہ و مضبوطی کی کڑی پابندیاں بننے سے معیار تعلیم اور تعلیمی اداروں کی مجموعی فضا ادغام کے بعد خراب ہوگئی اساتذہ کو طلباء کو احتجاج پر کساتے تھے۔ جہاں زیب کالج کے طلباء نے اگلی کلاسوں میں جانے کے لیے لے جانے والے سالانہ امتحان کا بائیکاٹ کر کے بلا امتحان ترقی کا مطالبہ کر دیا۔ طلباء یونین کی جانب سے جبری بائیکاٹ کی وجہ سے فضا میں تناؤ پیدا ہو گیا۔ پرنسپل نے کالج کے ضوابط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تمام طلباء کو ترقیاں دے دیں۔ ان کے نمبروں کی پروا نہیں کی۔ اس طرح مستقبل میں اپنے تعلیمی ادارہ کی تعلیمی زیوں حالی کی راہ ہم وار کر دی۔ اس معاملہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈپٹی کمشنر سوات نے بتایا: 'بد معاملگی کی کیا مجب صورت ہے کہ جہاں ضلعی انتظامیہ نے طلباء کو امتحان دینے پر آمادہ کرنے کی پوری کوشش کی، وہیں تعلیمی حکام نے خود اپنے وضع کردہ قوانین و ضوابط کی پروا نہ کرتے ہوئے امتحانات کے پورے عمل کو بے معنی بنا دیا ہے۔'<sup>1</sup>

## معاشی پہلو

معاشی نقطہ نظر سے ریاست سوات کے حکمرانوں کا کردار قابل تعریف نہیں رہا۔ اسلم آفندی نے ادغام کے اعلان کے بعد کہا تھا کہ 'یہ ہماری جیت کا صرف پہلا دور ہے۔ اصل جیت تب نصیب ہوگی جب سوات کے لوگوں کو غربت سے نجات حاصل ہوگی۔' لیکن جیت کا یہ خواب صرف خواب ہی رہا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے حکومت پاکستان نے کبھی کوئی سنجیدہ قدم کے اقدامات نہیں کئے۔

ادغام کا فوری نتیجہ لوگوں کے لئے زیادہ مثبت ثابت نہیں ہوا۔ سابقہ ریاستی ملازمین کے ایک حصہ کو پیشنہ کے فوائد کے بغیر جبری طور پر ریٹائر کر دیا گیا۔ آنے والے برسوں میں سوات کی ریاستی ملیشا کو بھی درہم برہم کر دیا گیا۔ مسلسل ہڑتالوں اور ملیں بند ہوجانے اور تنازعات سے مصنوعی ریشمی کپڑے کی صنعت بری طرح متاثر ہوئی جس سے وہاں کام کرنے والے مزدور بے روزگار ہو گئے۔ البتہ کسانوں، مزارعین اور غریب طبقہ پر سخت پابندیاں ختم ہونے سے انہیں اپنی مرضی سے روزی کمانے کے مواقع میسر آ گئے۔

## عدالتی پہلو

ادغام سے پہلے فیصلے منصفانہ ہوں یا نہ ہوں لیکن بہت جلد ہو جاتے تھے۔ فریقین کو نہ تو غیر ضروری اخراجات



کرنے پڑتے تھے اور نہ ہی انہیں مقدمہ بازی میں عمر سزایہ پٹائی پڑتی تھی۔ اور فیصلوں پر مناسب اور مکمل طور پر عمل درآمد کیا جاتا تھا۔ 1969ء کے ضابطہ کے نتیجہ میں صرف یہ تبدیلی آئی کہ حکمران کے اختیارات اور وظائف ختم کر کے ان کو صوبائی حکومت کی جانب سے بااختیار بنائے جانے والے کسی شخص، افسر یا ادارہ کو سونپ دیا گیا لیکن تمام سابقہ قوانین و ضوابط جوں کے توں برقرار رہے۔

اس سے انتشار اور بے یقینی کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ اس لئے کہ باقاعدہ طور پر مرتب شدہ شکل میں قوانین و ضوابط کا ایسا کوئی مجموعہ موجود نہیں تھا۔ یہ بات انتظامی مع عدالتی افسران کے ہاتھ میں چھوڑ دی گئی تھی کہ وہ اپنی صوابدید اور عقل کے مطابق رواج<sup>2</sup> کی تعریف اور توجیہ کریں۔ اس لئے 1971ء کے شروع میں ایک انجمن کی تشکیل ہوئی جس کا نام 'جسٹس ریگ' رکھا گیا۔

27 جون 1970ء کو 1925ء کے کوآپریٹو سوسائٹیز ایکٹ کو سوات تک توسیع دے دی گئی۔ 31 دسمبر 1970ء کو سپریم کورٹ آف پاکستان اور صوبائی ہائی کورٹ کا دائرہ اختیار صدارتی حکم نمبر 28 کے ذریعہ سوات تک بڑھا دیا گیا۔ اسی دن گزٹ اطلاع نامہ برائے (قبائلی علاقہ جات (اطلاق قوانین) ضابطہ قانون 1970ء کا بھی اجراء ہوا، جس سے سوات میں فوجداری عدالتیں ان قوانین کے نفاذ کے ساتھ متعارف کرائی گئیں: پولیس ایکٹ، 1861ء (1861ء کا V)، فوجداری قوانین، 1898ء (1898ء کا ایکٹ V)، تعزیرات پاکستان (1860ء کا ایکٹ XLV)، شہادت ایکٹ، 1872ء (1872ء کا I) اور فرنیچر کرانٹرنر ریگولیشن، 1901ء (1901ء کا ریگولیشن III)۔ پرانے قوانین کو صرف اس حد تک ختم کیا گیا۔

پورے ملاکنڈ ڈویژن کے لئے ایک سیشن عدالت قائم کی گئی اور 1972ء کے ریگولیشن I، بحریہ 30 مارچ 1972ء کے ذریعہ لوکل گورنمنٹ آرڈی نینس 1972ء کو سوات تک بڑھا دیا گیا۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے عبوری آئین کو 15 اپریل 1972ء کو نافذ کیا گیا اور قبائلی علاقوں کی وضاحت کی گئی۔ عبوری آئین کی دفعہ 260 میں قبائلی علاقہ جات کے بارے میں بیان کیا گیا کہ (الف) (ii) 'سابقہ ریاستیں سب، چترال، دیر اور سوات؛ (ب) "صوبائی زیر انتظام قبائلی علاقہ جات" کا مطلب ہے (i) چترال، دیر اور سوات (جس میں کالام شامل ہے) کے اضلاع؛ اس طرح پہلی بار صوبائی زیر انتظام قبائلی علاقہ جات (پانچ) کی تشکیل اور مکمل وضاحت کی گئی۔ اس طرح عزی خیل والا ڈلہ (دھڑا) کی جانب سے کشر ملاکنڈ ڈویژن کو پیش کیا گیا ملاکنڈ ڈویژن کو پس ماندہ علاقہ قرار دینے کا مطالبہ کسی حد تک تسلیم ہوا۔

عبوری آئین کی دفعہ 261 کے تحت یہ بیان کیا گیا کہ (1) اس آئین کے دائرہ کار یا اس آئین میں تفویض کردہ اختیار کے تحت، وفاق کا انتظامی اختیار مرکز کے زیر انتظام قبائلی علاقہ جات کو وسیع ہوگا اور صوبے کا انتظامی

اختیار صوبہ کے زیر انتظام قبائلی علاقہ جات کو۔ اس کے بعد وائی ذیلی شتوں 2 سے 7 تک میں کسی قانون و آرڈی نرس وغیرہ کو قبائلی علاقہ جات تک توسیع اور سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے دائرہ اختیار کی توسیع کے سلسلے میں درکار طریق کار کی تفصیلات، بیان کی گئی تھیں۔

ان اقدامات سے عام لوگوں کی شکایات کا ازالہ اس وجہ سے نہ ہو سکا کہ اصل بڑے علاقوں میں اب بھی رواج کا غلبہ تھا۔ اس کی کوئی مرتب کردہ شکل موجود نہیں تھی بلکہ یہ اصطلاح ہی غیر واضح اور مبہم تھی۔ دیوانی اور نو جداری معاملات کی بالکل صاف حد بندی بھی نہیں تھی جس کی وجہ سے اس ابہام کو خفی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ مزدوروں نے مطالبہ کیا کہ رواج اور ایف سی آر (فرنٹیر کرانٹری رگولیشن) کو ختم کر دیا جائے۔ اور کچھ دیگر لوگوں نے مطالبہ کیا کہ سوات میں پاکستانی قوانین کو نافذ کیا جائے۔

1973ء میں 1970ء کا صدارتی حکم نمبر 28 منسوخ کر دیا گیا۔ اور پشاور ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ آف پاکستان کے دائرہ اختیار کو 9 فروری 1973ء کو 1973ء کے ایکٹ XXVII سے تحت توسیع دی گئی۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے 1973ء کے آئین کی دفعہ 247 کی ذیلی دفعہ 7 کے مطابق:

”سپریم کورٹ اور نہ ہی ہائی کورٹ آئین کے تحت اپنے دائرہ اختیار کو قبائلی علاقوں میں استعمال کرے گا۔ جب تک ... (پاریمان) کسی قانون کے ذریعے اسے اختیار نہ دے دے۔ بشرطیکہ یہ دفعہ کسی صورت بھی سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے اس دائرہ اختیار کو متاثر نہیں کرے گا جو قبائلی علاقوں کے تعلق سے اس دفعہ کے یوم آغاز سے پہلے استعمال کیا جا چکا ہے۔“

17 اپریل 1974ء کو رگولیشن 1 آف 1974ء کے ذریعہ سول اور ریونیو عدالتوں کا قیام مندرجہ ذیل پانچ قوانین کی توسیع کے ذریعے لایا گیا: چالیسی ایکٹ، 1940ء (1940ء کا ایکٹ X)، شمال مغربی سرحدی صوبہ کا کرایہ داری سے متعلق ایکٹ، 1950ء (این ڈبلیو ایف پی کا 1950ء کا ایکٹ XXV)، مغربی پاکستان سول کورٹس آرڈی ننس، 1962ء (ڈبلیو پی کا 1962ء کا آرڈی ننس II)، گوڈ آف سول پروسیجرز، 1908ء (1908ء کا ایکٹ V)، مغربی پاکستان لینڈ ریونیو ایکٹ، 1967ء (ڈبلیو پی کا ایکٹ XVII آف 1967ء)۔ 1974ء کے رگولیشن II کے ذریعہ 20 مئی 1974ء کو 53 قوانین کو سوات تک توسیع دے دی گئی۔

لیکن اصل میں بڑی تبدیلی 1975ء کے رگولیشن I، پانانوجداری قانون (خصوصی قوانین) رگولیشن (جسے فی الفور نافذ کر دیا گیا) اور 1975ء کا رگولیشن II، پاناسول پروسیجر (سیٹش پروویژنز) رگولیشن، 26 جولائی 1975ء، تھا جسے صرف شائع کر دیا گیا اور جس کے سیکشن 3 میں یہ کہا گیا کہ یہ اس تاریخ سے نافذ العمل تصور ہوگا جو حکومت (صوبہ سرحد کی حکومت) سرکاری گزٹ میں اس کے لئے مقرر کردے گی۔ 9 مارچ 1976ء کو 1975ء کے رگولیشن II کے نفاذ کی تاریخ 25 مارچ 1976ء دی گئی۔

29 دسمبر 1976ء کو جاری کردہ ریگولیشن IV آف 1976ء کے ذریعہ 1975ء کے ریگولیشن اور 1975ء کے ریگولیشن II میں ترامیم کردی گئیں۔ اس نئی ریگولیشن کو صوبائی زیر انتظام قبائلی علاقہ جات کے لئے خصوصی قوانین (ترمیمی) ریگولیشن 1976ء کا نام دیا گیا اور اس کے ذریعے نو جداری اور دیوانی مقدمات میں زیادہ تر اختیارات عدلیہ سے لے کر انتظامیہ کو دے دئے گئے۔ انتظامیہ مقدمات کو جرگوں کے حوالے کر دیتی لیکن جرگے اس ضمن میں اس لئے زیادہ مؤثر نہیں ہوتے تھے کہ ان کے فیصلے بھی انصاف کے بہ جائے اکثر بیرونی دباؤ کے تحت کئے جاتے تھے۔ اس تبدیلی کا ایک دوسرا پہلو یہ تھا کہ مقدمات نمٹانے میں بہت وقت لگنے لگا جس سے لوگوں میں شدید ناراضگی پیدا ہو گئی۔ لوگوں کی شکایات کا ازالہ کرنے کی جگہ ان پانچ ریگولیشنز (1975ء کے ریگولیشن اور 1975ء کے ریگولیشن II) کو عام طور پر پانچ ریگولیشنز کہا جاتا ہے) کی وجہ سے حالات ابتر سے ابتر ہوتے چلے گئے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے 1973ء کے آئین کی دفعہ 175(3) کے تحت عدلیہ کا انتظامیہ سے علاحدہ کیا جانا لازمی تھا۔ جب 1985ء میں وزیراعظم پاکستان محمد خان جونیجو نے ایمر جنسی ختم کی تو کچھ فریقوں نے پانچ ریگولیشنز کو پشاور ہائی کورٹ میں چیلنج کر دیا۔ پشاور ہائی کورٹ کی ڈویژن بینچ نے 24 فروری 1990ء کو انہیں اسلامی جمہوریہ پاکستان کی آئین کی دفعہ 25 کے خلاف قرار دے دیا۔ اس طرح عام طور پر جانے جانے والے پانچ ریگولیشنز غیر مؤثر ہو گئے۔

صوبہ سرحد کی حکومت نے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں درخواستیں دائر کیں۔ جنہیں 12 فروری

1994ء کو مع حکم ادا بجلی اخراجات خارج کر دیا گیا۔

لازماً موجود عدالتی کارروائیوں، غیر ضروری تاخیر، ناقابل برداشت اخراجات، رشوتوں، رواج کا غلط استعمال اور پانچ قوانین کے تحت حالات کو مزید ابتری نے سوات کے لوگوں کو پہلے ہی بے حد برا فروخت کر دیا تھا۔ انتظامی حلقے سپریم کورٹ کے فیصلے کو اپنے لامحدود اختیارات کے خلاف ایک ضرب سمجھ کر تاؤ میں آ گئے۔ وہ اپنے ان اختیارات کو بچانا چاہتے تھے۔ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ شریعت کو صرف ملائند ڈویژن میں نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ حکومت مجبوراً پانچ قوانین دوبارہ نافذ کرے گی یا اسی قسم کے دیگر قوانین کو نافذ کیا جائے گا۔ جس میں انہیں بے پایاں اختیارات حاصل ہوں گے۔ اسی امید پر انہوں نے تحریک نفاذ شریعت محمدی (ٹی این ایس ایم) <sup>3</sup> کو اپنی کارروائیوں کے لئے کھلی چھوٹ دی۔ دراصل وہ اس کی خاموش تائید کر رہے تھے۔ سوات میں ٹی این ایس ایم کو ملنے والے انتہائی عروج اور شریعت کے نفاذ کے مطالبہ کی گھن گرج کے پیچھے ان تداہیر کا ہاتھ رہا ہے۔

جون 1971ء میں دانی گل نے کہا تھا کہ سوات کے تمام مسائل کا حل اسلامی شریعت کے نفاذ میں ممکن

ہے۔ یہ یہاں کے لوگوں کے مزاج کے بالکل مطابق ہے۔ سوات کے مسائل کے حل کی اس کلید کا پہلا خیال سراج الدین خان نے 1949ء میں پیش کیا تھا جب انہوں نے سوات کے حکمران سے شریعت نافذ کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ اس لئے نفاذ شریعت کے مطالبہ میں پہل کرنے کا اعزاز اگر کسی کو دیا جاسکتا ہے تو وہ سراج الدین خان اور دانی گل ہیں جنہوں نے صوفی محمد سے بہت پہلے یہ مطالبہ پیش کیا تھا۔ تاہم تینوں کے نقطہ نظر میں ایک فرق ضرور ہے۔ پہلے دونوں کی تجاویز کا دائرہ کار ریاست سوات کے علاقوں تک محدود تھا جب کہ تیسرے کی تحریک کا پھیلاؤ پورے ملاکنڈ ڈویژن اور ضلع کوہستان تک ہے۔

## نوٹس

1. ضلع سوات کی پندرہ روزہ سیاسی روداد، جون 1972ء کا پہلا حصہ 'ٹائٹلز آف گورنر سیکریٹریٹ، شمال مغربی سرحدی صوبہ، صوبائی آرکائیوز، پشاور، بندل نمبر 10، سیریکل نمبر 84-83 میں طلبہ کے بائیکاٹ اور احتجاج کی تفصیلات اس میں جا پہنچا موجود ہیں۔ اس وقت کالج میں طلبہ کے لیڈر علی حیدر تاہم اس بائیکاٹ اور فری پروموشن کو جائز قرار دینے کی اپنی سی سی کرتے ہیں۔ علی حیدر، بالمشافہ گفت گو، ریکارڈ شدہ، بیگورہ، سوات، 5 ستمبر 2000ء۔
2. رواج کا مطلب یوں تو رسم، فیشن، عام قاعدہ اور چلن ہے۔ یہاں اس سے مراد رسوم، روایات، استعمال اور رکی قوانین کے ساتھ ساتھ ریاست سوات کے حکام کے فیصلے اور احکام بھی ہیں۔
3. تحریک نفاذ شریعت محمدی کا مطلب اسلامی قوانین کے نفاذ کی تحریک ہے۔ اس تحریک کا قیام جون 1989ء میں میدان، ضلع دیر، میں عمل آیا۔ اور صوفی محمد کو اس کا سربراہ نامزد کیا گیا۔ اسے مرحلہ وار ملاکنڈ ڈویژن کے دیگر حصوں تک پھیلا دیا گیا۔ اس کا مقصد پاکستانی حکام کو مجبور کر کے ملاکنڈ ڈویژن میں شریعت کا نفاذ تھا۔ جب مئی 1994ء میں اس نے ملاکنڈ روہ سے گزرنے والی مشہور شاہراہ کو ایک ہفتے کے لئے بند کر دیا تو اسے بہت شہرت ملی اور عالمی اہلکار عامہ نے اسے بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ آخر میں اس نے نومبر 1994ء میں تین دن تک سوات میں حکومت کی مشینری کو بالکل مفلوج کر دیا۔ اگرچہ اس تحریک کا آغاز دیر میں ہوا لیکن اسے قوت سوات میں ملی۔ اسی کے نتیجے میں یہاں سرکشی ہوئی۔ حالانکہ اب اس تحریک پر پابندی ہے اور اس کے سربراہ جیل میں ہیں لیکن خاصے لوگ اب بھی اس سے متاثر ہیں اور اس کی سرگرمیاں کسی نہ کسی صورت جاری ہیں۔ (2005ء کی بات ہے)۔

## اختتامیہ

ارضی حکمت عملی کے لحاظ سے انتہائی اہم علاقہ میں واقع تاریخی وادی سوات ایک عظیم تہذیب کا گہوارہ رہا ہے۔ یہاں جاہ جاموجود آثار قدیمہ کی دولت اسی بات پر شاہد ہے کہ یہاں کے باشندوں کی زندگیاں بار آور مصر و فیات میں گذری ہیں۔ اپنی معلوم تاریخ کے زیادہ تر عرصہ میں سوات نے اپنی جداگانہ حیثیت کو برقرار رکھا ہے۔ اچھے جغرافیائی محل وقوع اور ایک مہربان دست قدرت نے اسے اردگرد کے علاقوں کے مقابلہ میں زیادہ ترقی یافتہ تہذیب کی آماجگاہ بنائے رکھا ہے۔ اس کا حال اور ماضی دونوں اس بات کے گواہ ہیں۔ یوسف زئی قبائل کے اس پر قبضہ کے بعد سے یہ علاقہ غیر ملکی یا نوآبادیاتی استعمار کے چنگل سے ہمیشہ آزاد رہا ہے۔ یہاں کے پختونوں نے اپنی آزاد حیثیت کو برقرار رکھا ہے۔

جب 1849ء میں برطانوی حکومت نے پشاور اور اٹلیا کے شمال مغربی سرحد کے میدانی علاقوں پر قبضہ کر لیا تو اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے بارے میں فکرمند سواتیوں نے اپنی ایک ریاست بنا کر اس کا ایک بادشاہ مقرر کر دیا۔ 1857ء میں اس بادشاہ کی موت کے بعد یہ ریاست تو قائم نہ رہ سکی لیکن 19 ویں صدی کے دوسرے نصف حصہ میں سواتی برطانوی استعمار کے لئے درہم برہم رہے۔ انہوں نے پہلے تو اسے 1863ء میں اسمیلہ کی جنگ میں چیلنج کیا۔ پھر 1895ء اور 1897ء کی ملاکنڈ جنگوں میں اس عظیم طاقت کو پریشان کئے رکھا۔ زیریں سوات کو تو برطانوی حکومت نے پشاور چترال گذرگاہ کو محفوظ بنانے کی خاطر ایک ڈھیلے ڈھالے نظام کے تحت اپنے زیر نگیں رکھا تاکہ زیریں سوات اور درہم برہم سے گذرنا سہل رہے لیکن انہوں نے نہ تو زیریں سوات کے داخلی امور میں مداخلت کی اور نہ ہی سوات بالا کی طرف کسی توسیع کی کوشش کی۔

داخلی ہم آہنگی کی کمی، گروہی سیاست اور سواتی علاقوں پر قبضہ کے لئے دیر اور سوات کے مابین ایک طویل جنگی کشمکش نے سوات بالا کے قبائل کے کچھ حصہ میں ایک قسم کی بے یقینی پیدا کی۔ اس لئے انہوں نے کئی بار

برطانوی حکومت سے استدعا کی کہ وہ ان کے علاقے کو بھی زیریں سوات کی طرح ایک حفاظتی جمہوریت کے نیچے لے لے۔ انہوں نے اپنی یہ پیشکش کئی افراد تک پہنچائی۔ برطانوی حکومت نے ضبط کی پالیسی اپنائے رکھی لیکن اس کے ساتھ ہی 1914ء میں سوات میں حکومت بننے کی راہ میں روڑے اٹکائے اور عبدالجبار شاہ کو مستحب کیا کہ وہ سوات کی طرف نہ بڑھے۔

دیر کی غارت گری سے بچنے، اپنی مشکلات پر قابو پانے اور اپنے مفادات کی حفاظت کے لئے دریائے سوات کے دائیں جانب مہتم سوات بالا کے قبائل، شامیزئی، سیبوزئی اور نیک پی خیل سنڈاگنی بابا کی زیر سرپرستی 1915ء کے شروع میں متحد ہوئے اور کامیابی نے ان کے قدم چومے۔ اپنی پوزیشن کو مزید مستحکم کرنے کے لئے دوبارہ انہوں نے میاں گل عبدالودود کو تخت نشین ہونے کے لئے کہا لیکن وہ ہنگامہ کٹ کا شکار رہے۔ انہوں نے دوبارہ عبدالجبار شاہ سے رجوع کیا۔ اور ستانہ سے اُسے لاکر سوات کا بادشاہ بنا دیا۔ اُس نے دو سال تک حکومت کی لیکن کئی عناصر نے اُسے اپنی حکومت مستحکم کرنے کا موقع نہیں دیا۔ ستمبر 1917ء کو جرگہ نے اُسے تخت سے ہٹا دیا۔ اُس کی جگہ جرگہ نے میاں گل عبدالودود کو سوات کا نیا بادشاہ بنا دیا۔

ریاست سوات کو مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے کا سہرا کرشمہ ساز قائد میاں گل عبدالودود کے سر بندھتا ہے۔ تاہم یہ کام انہوں نے سیاسی قیادت کے ایک مضبوط گروہ کے تعاون اور دریادلان اور حسد کی مدد سے کیا۔ تاہم عبدالودود کی لیاقت اور بہت ہی کارگر اقدامات نے استحکام کے اس عمل اور ریاست کی توسیع میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ یہ مقصد اندرونی و بیرونی رکاوٹوں، نامساعد حالات، رقابتوں اور سازشوں کے باوجود انتہائی ماہرانہ انداز سے حاصل کیا گیا۔

انگریزوں سے عبدالجبار شاہ کی وفاداری گو بہت گہری تھی لیکن ریاست سے اُس کے عہد میں برطانوی حکومت سے تعلقات زیادہ دوستانہ نہیں تھے۔ اس کی وجہ ریاست میں سنڈاگنی بابا کی موجودگی اور اثر و رسوخ تھا۔ جب کہ عبدالودود کے عہد حکومت میں تعلقات بہت دوستانہ تھے۔ اُس کی انگریزوں کے متعلق پالیسی اس کے دادا سید و بابا کی طرح مفاہمت اور اطاعت پر استوار تھی۔ سوات اور دیر کے درمیان تعلقات عبدالجبار شاہ کے عہد میں تناؤ کا شکار تھے۔ اکثر و بیشتر جنگ و جدل کا بازار گرم رہتا تھا۔ عبدالودود کے عہد میں بھی دونوں ریاستوں کے درمیان تعلقات اسی ڈھنگ پر چلتے رہے۔ بالآخر برطانوی حکومت نے مداخلت کر کے 1922ء میں دونوں میں شرائط طے کر دیں۔ یہ برحال دونوں میں تناؤ کی کیفیت برقرار رہی۔ دونوں ریاستوں کے حکمران ایک دوسرے کے علاقوں پر لچکائی نظریں گاڑ رہے اور ایک دوسرے کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے پیٹھیں بڑھاتے رہے اور ایک دوسرے کے خلاف حکم کھلا سازشوں کے ذریعے اپنی بدعتی کا اظہار کرتے رہے۔

جہاں تک ریاست سب سے تعلقات کا تعلق ہے تو مشترک سرحد نہ ہونے کی وجہ سے عداوت اور رقابت کی کوئی فوری وجہ نہیں تھی لیکن تعلقات اُس وقت کشیدہ ہو گئے جب عبدالجبار شاہ تاج و تخت چھین جانے کے بعد دوبارہ اُسے حاصل کرنا چاہتا تھا اور جب بونیر پر قبضہ کے لئے سب اور سوات کے درمیان کشمکش جاری تھی۔ نواب برکی جانب سے سب اور عبدالجبار شاہ کے ساتھ سوات مخالف مخالف محاذ بنانے کے لئے کی گئی خط و کتابت اور پھر عبدالجبار شاہ اور نواب سب کا سوات کے خلاف گٹھ جوڑ مزید عداوت کی آگ بھڑکانے کا سبب بنے۔ بات جنگ تک پہنچی اور تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ کامیابی سوات کے حکمران کو ملی۔ یہاں بھی برطانوی حکومت نے مداخلت کر کے دونوں ریاستوں کے درمیان سرحد کی حد بندی کر دی اور دونوں پر پابندیاں عائد کر کے انہیں مستقبل میں جنگ و جدل کا بازار گرم کرنے سے روکا لیکن دونوں ریاستوں کے درمیان تعلقات کبھی کبھی دوستانہ نہیں رہے۔

جب برطانوی ہند کا بٹوارا ہوا اور دو نئے ملک معرض وجود میں آ گئے تو سواتی حکمران نے پہلے حکومت پاکستان کے ساتھ شینڈا اسٹیل ایگریمنٹ کیا اور پھر 3 نومبر 1947ء کو پاکستان کے ساتھ شامل ہونے کی منظوری دی۔ اس بات کو 24 نومبر 1947ء کو گورنر جنرل آف پاکستان نے باقاعدگی کے ساتھ منظور کر لیا۔ انہوں نے تحریک پاکستان کے دوران مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کیا۔ سواتی حکمران دل کی گہرائیوں کے ساتھ اس نئی مملکت کے وفادار تھے اور اس نئے ملک کی اخلاقی اور مالی امداد کرتے رہے۔

کالام پر قبضہ کا معاملہ دونوں کے درمیان وجہ نزاع بنا رہا لیکن اسے بھی 1954ء میں دوستانہ انداز سے حل کر لیا گیا۔ کالام اور جوڈاس (دارل اور تانگیر کی سرحد پر) جیسے تنازعات کے باوجود پاکستان کی مرکزی حکومت اور ریاست سوات کے درمیان تعلقات 15 اگست 1947ء سے لے کر مارچ 1969ء میں ایوب کے اقتدار سے دست برداری تک بے حد خوش گو اور دوستانہ رہے۔

ریاست سوات کے انتظامی ڈھانچہ کا معیار اوّل تو عبدالجبار شاہ تھا لیکن اسے اُس کی فراہم کردہ بنیادوں پر استحکام کے عروج تک میاں گل عبدالودود اور میاں گل جہان زیب نے پہنچایا۔ اس میں ان دونوں کی طرف سے متعارف کرائی جانے والی ترامیم و اصلاحات نے اس نیم پختہ ڈھانچہ کو انتظام و انصرام کا جیتا جاگتا نمونہ بنا دیا۔ انتظامیہ میں ترقی اور ملازمت سے برخواستگی کا تمام تر اختیار حکمران کے پاس ہوتا تھا۔ عبدالودود کے عہد حکومت کا آخری دور اور میاں گل جہان زیب کا پورا دور حکومت مکمل مطلق العنانیت پر مبنی تھا۔ تاہم دونوں ہی مستعد اور مہنتی تھے اور مجموعی طور پر حکومت پر ان کی گرفت مضبوط تھی۔ دونوں کا انداز حکمرانی رفاہی تھا۔ وہ ذاتی طور پر امور مملکت اور انتظامیہ کی کڑی نگرانی کرتے تھے اور تعطیلات کے علاوہ روزانہ کی بنیاد پر عدالت لگاتے تھے۔ چھوٹے بڑے معاملات سے خود کو آگاہ رکھتے تھے۔ بااثر اور بے اثر دونوں قسم کے لوگ اُن سے مل سکتے تھے لیکن حفظ مراتب کا

بالخصوص جہان زیب کے زمانہ میں بہت خیال رکھا جاتا تھا۔

انتظامی ڈھانچہ اوپر سے نیچے تک انتہائی مستعدی، عملت اور موثر انداز میں کام کرتا تھا۔ اس طرح کی دیگر ریاستوں میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ جہان زیب کے عہد حکومت میں براہ راست تحصیل داروں، حاکموں، مشیروں اور وزیروں کی تقرریاں نہیں کی جاتی تھیں بلکہ حکمران کے سیکرٹریٹ میں کام کرنے والے کلرکوں کو مرحلہ وار ان مناصب پر تعینات کیا جاتا تھا۔ بعض صورتوں میں تیز رفتاری سے ترقیاں دی جاتی تھیں۔

عبدالودود نے مقامی روایات و خواہشات کی بنیاد پر قانون سازی کا جو طریقہ اختیار کیا اور اسی طرح انتظامی مشینری چلانے کے لئے مقامی افراد سے جو کام لیا گیا یہ طریقہ بہت ہی کارگر رہا۔ معاصر برطانوی رپورٹوں میں بھی ریاست سوات میں متعارف کرائے گئے قوانین و ضوابط اور تقریرات اور ان پر عمل درآمد کو کامیاب اور انتہائی موثر قرار دیا گیا ہے۔

ایک باقاعدہ و مؤثر محکمہ جاسوسی نہ ہونے کی وجہ سے خصوصاً جہان زیب کے دور حکومت میں بہت سے انتہائی غیر دانش مندانہ اقدامات کئے گئے جن کی وجہ خاص مقاصد رکھنے والے لوگوں کی فراہم کردہ غلط معلومات تھیں۔ اس خامی کی وجہ سے والی مخالف اور آمریت مخالف تحریک میں شامل بہت سے اپنے قریبی لوگوں کے بارے میں اُسے کچھ اندازہ نہ ہو سکا۔

بجرم کو حوالہ کرنے یا اُس کی نشان دہی کرنے کی اُس کے پورے علاقہ کی اجتماعی ذمہ داری کے طریق کار نے مجرموں کا صفایا کرنے میں حیرت انگیز کمالات دکھائے۔ مجرم حواگی یا اُس کی نشان دہی میں ناکامی کی صورت میں پورے علاقہ کو جرم نامہ بھگتنا پڑتا تھا۔ یہ امر بھی دل چسپی سے خالی نہیں کہ عبدالودود کی حکمرانی کے ابتدائی دور میں چوروں کو دیکھتے ہی گولی مار دی جاتی تھی۔

شہری انتظامیہ کی طرح ریاست کی فوجی تنظیم بھی اپنی امتیازی خصوصیات کی حامل تھی۔ اس کا مالی نظام بھی عبدالودود اور جہان زیب دونوں کے دور حکومت میں اپنا ہی ایک ضابطہ کار رکھتا تھا۔ حکمران ہی دراصل خزانہ کا مالک و حکمران ہوتا تھا۔ حکمران کی اجازت اور دستخط کے بغیر وزیر مال اور مشیر مال تک ایک روپیہ بھی خزانہ سے نہیں نکال سکتے تھے جب کہ حکمران خزانہ سے جتنی رقم چاہتا نکال سکتا تھا۔ اس کا کوئی محاسبہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ سرکاری اور نجی آمدنی اور حکمران کے منافع کو خصوصاً عبدالودود کے دور میں ایک ہی تصور کیا جاتا تھا اور اسے اسی طرح خرچ کیا جاتا تھا۔ بھاری بھرم محصولات وصول کی جاتی تھیں۔

عدالتی نظام اسلامی نہیں تھا جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ یہ روایتی ضابطوں، اسلامی طرز عمل جو کہ روایتی طور طریق کے مطابق ہو، فرامین، احکامات اور حکمران کے منہ سے نکلا ہوا کوئی لفظ ان سب کا ایک ملغوبہ تھا۔ حتمی اختیار



اور فیصلہ حکمران کا ہوتا تھا اور روایتی ضوابط کی ثانوی حیثیت تھی جب کہ اسلامی قانون ان دونوں کے تابع تھا۔ مثلاً حکمران روایتی ضوابط اور شریعت دونوں کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند نہیں تھا۔ تاہم یہ نظام انتہائی موثر تھا۔ مقدمات کے فیصلوں میں نتوڑ زیادہ وقت صرف ہوتا تھا اور نہ ہی اس پر پیر خرچ کرنا پڑتا تھا اور فیصلوں پر صحیح انداز سے عمل درآمد ہوتا تھا۔ مقدمہ کا فیصلہ یا تو پہلی ہی سماعت میں ہو جاتا تھا یا زیادہ سے زیادہ بات دوسری سماعت تک جاتی تھی۔

دیگر پڑوسی ریاستوں کے رجعت پسندانہ رویوں اور انتہائی بری کارکردگی کے مقابلہ میں ریاست سوات میں تعلیمی میدان میں پیش قدمی بہت ہی قابل تعریف اور نمایاں رہی ہے۔ ریاست کے دور آخر میں تعلیم بالعموم مفت تھی۔ مستحق طلباء کو کتا میں اور یونی فارم ریاست کی جانب سے فراہم کی جاتی تھی۔ تاہم تعلیم نہ تو پوری آبادی کو مفت فراہم کی جاتی تھی اور نہ ہی تعلیم کا حصول سب کے لئے لازمی تھا جیسا کہ بعض پروپیگنڈہ نگاروں کا کہنا ہے۔ جس وقت تعلیم کو بڑی حد تک مفت کیا گیا تو اس وقت تعلیمی اداروں کی تعداد اتنی نہیں تھی کہ پوری آبادی کے لئے کافی ہوتی۔ ریاست کے دور دراز علاقوں میں تعلیمی ادارے کافی تعداد میں موجود نہیں تھے۔ اسکولوں کی زمین اور کھیل کے میدانوں کے لئے زمین علاقے کے لوگ دیتے تھے۔ تعمیر کا کام ریاستی ملبیشا اور علاقہ کے لوگ کیا کرتے تھے۔ البتہ ریاست کے آخری دور میں تعمیراتی کام ٹھیکیدار کرتے تھے اور ریاست انہیں اس کام کے لئے پیسہ دیتی تھی۔ عمومی انداز مائل پے پیش قدمی تھا۔ سوات میں جدید تعلیم کے فروغ کے لئے پہلے برطانوی اور بعد میں پاکستان کی مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی جانب سے بھی خاطر خواہ مدد فراہم کی جاتی رہی ہے۔

ریاست سوات کو دنیا میں یہ بھی ایک امتیاز حاصل تھا کہ یہاں کی سرکاری زبان پشتو تھی۔ علاوہ ازیں اس زبان میں تالیف اور دیگر زبانوں سے پشتو میں ترجمہ نگاری کے کام نے اس زبان کی ترویج اور ادب کو بڑھا دینے میں اہم کردار ادا کیا۔

چار ہزار مربع میل پر پھیلی ہوئی ریاست کے لئے جس کا ایک بڑا حصہ دشوار گزار اور پہاڑی علاقہ پر مشتمل تھا، علاج معالجہ کی سہولیات نا کافی تھیں لیکن دیگر ریاستوں بلکہ خود پاکستان کے زیر انتظام اضلاع کے مقابلہ میں بھی یہاں صحت کی سہولیات قابل تعریف حد تک بہتر تھیں۔ مریضوں کو دو آئیں مفت فراہم کی جاتی تھیں چاہے وہ اسپتال میں داخل ہوں یا روزانہ کی بنیاد پر آنے والے مریض ہوں۔

قبل از ریاست دور میں زیادہ تر لوگ مذہبی نہیں بلکہ توہم پرست تھے۔ اور اصل مذہب جس کے وہ پیروکار تھے وہ پختو یا پختون ولی، یعنی پختون ضابطہ اخلاق تھا۔ جدید تعلیم کے فروغ، بیرونی دنیا سے رابطوں اور ایک موثر نظام مواصلات کی وجہ سے لوگوں کے طرز فکر اور طرز بود و باش میں نمایاں فرق آ گیا لیکن ریاست نے جدید تعلیم کے مقابلہ میں مذہبی تعلیم کے فروغ کے لئے کچھ زیادہ مساعی نہیں کیں۔

سوات میں ایک زمانہ سے راج ویش (تقسیم) کا نظام جدید دور کے معاشی، سیاسی اور سماجی تقاضوں کا ساتھ دینے میں ناکام رہا۔ عبدالودود کی جانب سے مستقل بنیاد پر بندوبست اراضی نے سوات کو اقتصادی اور سماجی پیش قدمی کی نئی راہ پر ڈال دیا۔ مستقل بندوبست اراضی کے نتائج کو کسی طور گھٹایا نہیں جاسکتا۔

موصلات کے سلسلہ میں حاصل ہونے والی کامیابیاں شاندار رہی ہیں۔ اس سے ریاست اور حکمرانوں کو وہاں اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے مواقع میسر آئے۔ اس سے تجارتی سرگرمیوں میں تیزی آئی۔ بیرونی دنیا سے ریاست کا رابطہ بڑھا اور ریاست کے دور دراز علاقوں کا ریاست کے ترقی یافتہ علاقوں سے تعلق استوار ہوا۔

ریاست عموماً ترقیاتی کاموں کے لئے اپنے وسائل پر انحصار کرتی تھی۔ صرف فضا گٹ کے قریب کی سڑک اور بوئیر کے لئے سڑک کی تعمیر کے لئے برطانوی حکومت کی جانب سے اُسے خصوصی امداد ملی۔ بوئیر کی سڑک کڑا کڑوہ میں سے نکالی گئی لیکن زیادہ تر سڑکوں اور پلوں کی تعمیر عام لوگوں سے جبری مشقت کے ذریعے اور ریاستی ملیشیا سے کرائی جاتی تھی۔ زمین لوگوں سے مفت لی جاتی تھی۔ صرف کوہستان میں سڑکوں کے لئے لی گئی زمین کی قیمت ادائیگی۔ یہ ایک افسوس ناک امر ہے کہ ترقیاتی کاموں جیسے سڑکوں، اسکولوں، اسپتالوں اور پلوں کی تعمیر میں عام لوگوں نے جتنا بڑا حصہ لیا اسے بالعموم آج تک نظر انداز کیا گیا ہے۔

اقتصادی میدان کی ترقی اور صنعتی شعبہ کے فروغ میں حکمرانوں کی کارکردگی بالعموم اتنی قابل تعریف نہیں

رہی۔

ریاست سوات جن علاقوں پر مشتمل تھا وہاں سماجی تعمیر اور کچھ نئی اصلاحات متعارف کرائے جانے سے سماجی تنظیم میں بڑی تبدیلی آئی۔ اس عمل میں اہم کردار روایتی ڈلہ (دھڑا) نظام کو کمزور کرنے کی کوشش، حجرہ اور جرگہ کی اہمیت کم پڑ جانے، روایتی قیادت کے اختیارات اور طاقت کو لگام دینے اور نئی قیادت کی سرپرستی نے ادا کیا۔

لوگوں سے جدید برطانوی قسم کے ہتھیار اکٹھے کر کے انہیں غیر مسلح کرنے کو یقیناً ایک بہت بڑا کارنامہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کو برطانوی حکومت نے عبدالودود کی زندگی کا نمایاں ترین کام قرار دیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لوگ بالکل ہی غیر مسلح ہو گئے تھے۔ وہ اب بھی سرکاری لائسنس کے تحت اسلحہ رکھتے تھے جس کے لئے انہیں حکومت کو سالانہ خاص فیس دینی پڑتی تھی۔ یہ حقیقت یہ کارروائی اسلحہ ختم کرنے کی جگہ اسلحہ کو ایک نظام کے تحت لا کر اُسے باقاعدہ بنانا تھا۔ اس سے غیر لائسنس یافتہ اسلحہ تو ختم ہو گیا لیکن یہ اقرباء پروری اور حمایت حاصل کرنے کا ایک بڑا ذریعہ بن گیا۔ وفادار تو جتنا چاہے اسلحہ لائسنس کی آڑ میں رکھ سکتے تھے جب کہ غیر وفاداروں کو ان کے اسلحہ سے محروم کر دیا گیا۔ اس وقت کے مخصوص مزاج اور قبائلی سوانی معاشرہ میں اس اقدام کے سماجی و سیاسی اثرات کو یقیناً کم نہیں کیا جاسکتا۔

خان اور ملنگ کی طاقت کو مکمل طور پر توڑ نہیں گیا۔ بعض کو مضبوط کر کے ان کی وفاداری سے ریاست کے اختیار و اقتدار کو برقرار رکھنے کا کام لیا گیا۔ حالاں کہ وہ بالکل غیر اہم تو نہیں ہوئے لیکن ان کی حیثیت میں ایک بنیادی نوعیت کی تبدیلی ضرور لائی گئی۔

مغربیت اور سیکولر طرز زندگی کی میاں گل عبدالودود اور میاں گل جہان زیب دونوں نے حمایت جاری رکھی۔ خصوصاً جہان زیب اس سلسلہ میں اپنے باپ پر بازی لے گیا۔ اس معاملہ میں بھی ریاست سوات اپنی پڑوسی ریاستوں سے بہت آگے نکل گئی۔

میاں گل عبدالودود اور میاں گل جہان زیب دونوں کے عہد حکومت میں امن و امان کی صورت حال مثالی تھی۔ ان لوگوں کے علاوہ جنہوں نے کسی وجہ سے حکمرانوں کو ناراض کر دیا ہو باقی سب لوگ عدم تحفظ کے احساس سے ناواقف تھے اور پر امن زندگی گزار رہے تھے۔ تاہم قوانین و ضوابط لاگو کرنے کے سلسلہ میں صوابدہ، اور امتیازی سلوک کا استعمال عام سی بات تھی۔ حکمران، ان کے اہل خاندان اور رشتہ دار قانون سے بالاتر سمجھے جاتے تھے۔

ریاست سوات نے وجود میں آنے والی نئی مملکت پاکستان سے بھی انہی خطوط پر تعلقات قائم کئے جن پر اس نے پہلے برطانوی ہند کی حکومت سے استوار کئے تھے۔ پاکستانی حکام نے ان ریاستوں کے بارے میں اپنے قبل از تقسیم موقف کو تبدیل کر ڈالا تھا۔ ضمنی ضابطہ الحاق پر دستخط کرنے کے بعد دیگر ریاستوں کی طرح ریاست سوات کی پوزیشن بھی نازک ہو گئی تھی۔ تین سرحدی ریاستوں کے علاوہ دیگر تمام ریاستوں کو پاکستان میں مدغم کر دیا گیا۔ ان تین ریاستوں کو پاکستانی آئین میں خاص علاقہ کی حیثیت دے کر برقرار رکھا لیکن مرکزی حکومت کسی بھی وقت ان کے ادغام کی مشروط مجاز تھی۔

ضمنی ضابطہ الحاق پر دستخط کرنے کے بعد سے ریاست سوات کے سر پر بھی ادغام کی کموار مسلسل لٹک رہی تھی۔ یہ ہر صورت بدلے مظر نامے اور حقیقتوں کا احساس و اعتراف کر کے آئینی اصلاحات، نمائندہ اور ذمہ دار حکومت متعارف کرا کے اور سیاسی آزادیاں دے کر اس ہونی کو کچھ عرصہ کے لئے ضرور ٹالا جاسکتا تھا۔ حکمران اور مطلق العنان طرز حکومت کے لامحدود اختیارات میں کمی لانا ناگزیر تھا۔ میاں گل جہان زیب نے وقت اور لوگوں کے بدلے مزاج کے مطابق خود کو بدلنے سے انکار کیا جس نے آمریت مخالف اور دلی مخالف عناصر کے لئے صرف ایک بنیاد ہی فراہم نہیں کی بلکہ ناراضگی کی ہواؤں کو اتنا تیز کر دیا کہ ریاست کا وجود برقرار رکھنے والے عناصر مغلوب ہو گئے۔ والی کی ہٹ دھرمی اور ضد صورت حال کو بدترین انجام کی طرف لے گئی۔ اس سے پاکستان کے حکمران حلقہ میں شامل مخصوص مفادات والے گروہ کو انتہائی اقدام کرنے کے لئے راستہ ہم دار ہو گیا۔ جس سے صرف یہ ریاست ہی ختم نہیں ہوئی بلکہ سوات کی صدیوں سے قائم علاحدہ امتیازی حیثیت بھی ختم ہو گئی۔

کچھ اندرونی اور بیرونی عوامل کے پیش نظر 1950ء کے عشرہ میں دیر، چترال اور سوات کو دیگر ریاستوں کے ہم راہ پاکستان میں مدغم نہیں کیا گیا تاہم چترال اور دیر کے حکمرانوں سے ان کے اختیارات تقریباً پہلے ہی پاکستانی حکام نے لے لئے تھے۔ صرف وائی سوات ہی کے پاس ادغام کے وقت تک مکمل اختیارات تھے۔

بڑے پیمانے پر آمریت مخالف اور والی مخالف احتجاج کہیں نہیں ہوا۔ اس احتجاج میں اگرچہ آبادی کے ایک چھوٹے سے حصہ نے حصہ لیا لیکن ان کی پروپیگنڈہ ہم اور موثر کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس تاثر کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حکومت پاکستان نے ادغام کے اعلان کے بعد افغان ترجمان کے اعتراضات کے جواب میں ادغام کے حق میں کسی آئینی یا قانونی ثبوت کا حوالہ دینے کے بجائے صرف یہ کہنا کافی سمجھا کہ یہ قدم لوگوں کے اُس مطالبہ پر اٹھایا گیا ہے جس کا وہ ایک عرصہ سے مختلف طریقوں سے اظہار کر رہے تھے۔

والی مخالف اور آمریت مخالف تحریک میں شامل لوگوں کے مقاصد اور انداز میں یک رنگی نہیں تھی۔ تاہم ان کی اکثریت ریاست کے خلاف نہیں تھی۔ اُن کا اصل مقصد ایسی اصلاحات کا نفاذ تھا جن کے تحت ایک آئینی حکومت کی تشکیل ہو اور ایک موثر طاقت ور مشاورتی کونسل کا قیام عمل میں لایا جائے۔ چاہے برطانیہ کے طرز پر اُس کا آئینی براہ والی خود ہو۔ ان کی اکثریت ریاست کے ملازمین کی تھی جو خفیہ طور پر اس زیر زمین تحریک کا حصہ تھے۔ وہ ادغام بعد بھی ملازمت کرتے رہے اور کبھی کھل کر سامنے نہیں آئے۔ اس لئے آمرانہ طرز حکومت کے خلاف تحریک بنانے کا سہرا ان کے سروں پر سجا جاتا تھا۔ اُس میں گل عبدالودود اور میاں گل جہان زیب کے وفادار رہے لیکن بعد میں کہیں جا کر اس سے غیر مطمئن ہوئے اور اُن کے سروں پر بھی جو ریاستی ملازمت کا کبھی حصہ بنے تھے۔

6 اگست 1969ء کو افغان حکومت کے ترجمان کے بیان کا جواب دیتے ہوئے حکومت پاکستان نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ادغام سے ترقی کی رفتار تیز ہو جائے گی۔ 'صدر بھنگی خان نے بھی وعدہ کیا کہ موجودہ پہلوؤں اور مراعات کو نہیں چھیڑا جائے گا اور سابقہ حکمرانوں نے لوگوں کو جن حقوق سے محروم رکھا تھا، وہ انہیں دی جائیں گی۔ تاہم جب یہ سب کچھ نہیں ہوا تو لوگوں کی وہ امیدیں اور توقعات دم توڑ گئیں جو انہوں نے ادغام سے وابستہ کر رکھی تھیں۔

ادغام سے بہت بڑی تہدیل تو یہ آئی کہ آمرانہ طرز حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور سیاسی آزادی آئی اور پہلے کے مقابلہ میں لوگوں کو زیادہ مساوی مواقع سے استفادہ کرنے کی اجازت ملی۔ قانون کے مطابق ملازمتوں کو تحفظ نصیب ہوا اور یکساں پالیسی کے تحت سب کو دوران ملازمت ترقی کے مواقع ملنے لگے۔ یہ تو ادغام کے مثبت پہلو تھے۔ جہاں تک اس کے منفی پہلوؤں کا تعلق ہے تو سب سے پہلے تو ریاستی ملازمین کو ایک انتہائی مشکل صورت حال سے دوچار کیا گیا۔ ایک ایسی انتظامی نظم و نسق اور ایک نامانوس طرز حکمرانی کی کوکھ سے انتہائی بد نظمی، سوات کے قدرتی وسائل کی

نوٹ مار، سماجی ڈھانچے میں ایک شورش کی سی کیفیت، رفاد عامہ کے اداروں جیسے سڑکوں کی دیکھ بھال اور صحت عامہ میں نکلتے ورینٹ جیسے مسائل نے جنم لیا۔ نظام عدل میں طول طویل عدالتی کارروائی، غیر ضروری تاخیر اور مقدمات پر اٹھنے والے اخراجات نے لوگوں میں شدید بددلی اور بے زاری کی کیفیت پیدا کر دی۔

حالاں کہ ریاست کے ادغام کے بعد بھی علاقہ کی خصوصی حیثیت برقرار رہی لیکن منصوبہ بندی، ترجیحات کے تعین، فنڈ مختص کرنے اور فیصلہ سازی کے اختیارات اور اس سب کچھ کی ذمہ داری علاقہ سے نکل کر صوبائی اور مرکزی حکومتوں کے ایک اجنبی انتظامی تنظیم کے ہاتھوں میں منتقل ہو گئی۔ اس طرح سوات ایک بڑے نوآبادیاتی نظام کا حصہ بن کر رہ گیا جس سے اُس نے اپنی وہ الگ شناخت کھودی جو اگر ہزاروں نہیں تو سینکڑوں برسوں سے یقیناً اُس نے برقرار رکھی تھی۔

## نوٹس

- 1- اکبر ایس احمد نے اپنی کتاب 'میلیم اینڈ کرزا میں میاں گل عہدالودود کو کرشمہ ساز کا مدعی بنانے کا جنم لیا ہے۔
- 2- اس کا اشارہ سوات کی رواجمی سیاسی قیادت کی جانب ہے جس کا فریڈرک ہارٹھ نے اپنی کتاب 'پولٹیکل ایڈرپ آف سوات پنڈاز میں تجزیہ کیا ہے۔
- 3- اس کا اشارہ سواتی معاشرہ کی خصوصیات، ریادلی اور حدہ کی طرف ہے جس پر چارلس لینڈ ماسٹر نے اپنی کتاب 'جنرل ڈی اینڈ جیسی میں بحث کی ہے۔



## مأخذ

غیر مطبوعہ

مسوّدات

پشتو اکیڈمی لاہور بری، پشاور یونیورسٹی

مسوّدہ نمبر ۵۶۹- سوات نامہ دختر شمال خان خٹک۔ (تاریخ ندارد)

ضیاء اللہ خان (گل کدہ، سوات) کا ذاتی ذخیرہ کتب

مسوّدہ جنگ نامہ (فارسی شاعری) عبدالحق (؟) تاریخ پھاڑی مئی ہے۔

سرکاری ریکارڈ

ٹرائبل المیر زریسرچ سیل، پشاور

دیر ڈسٹرکٹ ریاست کی فائلیں

سوات کی فائلیں

صوبائی آرکائیوز، پشاور (ریکارڈ سیکشن)

ٹرائبل زریسرچ سیل (ایجنسیاں) کی فائلیں۔

چیف کسٹڈین آفس پشاور کی فائلیں۔

دستاویزات کی مکمل فہرستوں کی فائلیں۔

ڈپٹی کسٹڈین آفس پشاور کی فائلیں۔

صوبہ سرحد کی ایچٹل برانچ پولیس کی فائلیں۔

صوبہ سرحد کے فنانس ڈیپارٹمنٹ کی فائلیں۔

صوبہ سرحد کے گورنر سیکرٹریٹ کی فائلیں۔

کسٹڈین آفس پشاور کی فائلیں۔

ضلعی ریکارڈ روم، گلگندہ، سوات  
 ریاست سوات اور ضلع سوات کا ریکارڈ  
 ضلعی رسیدر قانون گواہس، گلگندہ، سوات  
 بندوبست اول کی رپورٹ، ضلع سوات  
 ضلعی مال خانہ، سیدو شریف، سوات  
 ریاست سوات کا ریکارڈ  
 گورنمنٹ جہان زیب کالج، سیدو شریف، سوات  
 طلباء کے داخل خارج رجسٹر۔  
 معصفت (سلطان روم) کا ذاتی ذخیرہ کتب، ہزارہ، سوات  
 ریاست سوات کے مختلف علاقوں کے دستور العمل  
 حکمران ریاست سوات کے فرامین، احکام اور فیصلے  
 عمران ریاست سوات کی ہدایت پر جاری کئے گئے فرامین و احکامات  
 نقرات  
 پھل ڈاکو میٹیشن سنٹر، کینٹ ڈویژن، اسلام آباد  
 انڈیا آفس ریکارڈ (مانیگر و قلم کا پیاں)

### نجی کاغذات و دستاویزات

بہادر خان (فتح پور، سوات) کا ذاتی ذخیرہ کاغذات و دستاویزات  
 عبدالوہاب خان (روڈریال، سوات) کا ذاتی ذخیرہ کاغذات و دستاویزات  
 فضل عبود عرف بابو (سیدو شریف، سوات) کا ذاتی ذخیرہ کاغذات و دستاویزات  
 معصفت (سلطان روم، ہزارہ، سوات) کا ذاتی ذخیرہ کاغذات و دستاویزات



## شخصیات جن سے مصنف نے اس ضمن میں ملاقاتیں کیں

نوٹ: بالمشافہ گفتگو میں شامل افراد کی عمریں اور دیگر تفصیلات پہلی ملاقات کے وقت کے مطابق دی گئی ہیں۔ وفات کی تاریخیں مصنف نے بعد میں معلوم ہونے پر شامل کی ہیں۔

ارزو مند خان (عمر 59 سال - سید و شریف، سوات، کارہنہ والا - جہان زیب کالج کاسابقہ اکاونٹنٹ - مگلی رورولی کی والی مخالف تحریک میں متحرک - حالیہ وکالت کے پیشے سے منسلک - وفات 2011ء) 17 جون 1998ء -  
اسلم (عمر 110/105 سال - ہزارہ، سوات، کارہنہ والا - بعض اہم واقعات کا معنی شاہد - ریاست کاپورا دور دیکھنے والا - ملاقات کے وقت ذہنی اور جسمانی لحاظ سے تین درجہ - وفات 1998ء) 15 نومبر 1991ء -

اسلم افندی (عمر 75 سال - حالیہ لنڈیکس، یٹکورہ، کارہنہ والا - والی کا ایک دوست جو بعد میں ناراض ہوا - سوات لبریشن موومنٹ کا سیکرٹری - وفات 2006ء) 5، 4، 3 جون 1997ء -

افضل خان (عمر 50 سال - بازار کوٹ، شاننگہ پار، کارہنہ والا - حالیہ خوب آباد، یٹکورہ، سوات - جہان زیب کالج کاسابقہ طالب علم رہنما - بیرون سوات بحیثیت طالب علم والی مخالف تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا - حالیہ اسسٹنٹ پروفیسر آف بائی، 28 جون 1998ء، 18، 3 اکتوبر 2000ء -

اکبر خان (عمر 60 سال - سیل بانڈی، سوات، کارہنہ والا - والی کے پاڈی گاؤ دست اور ریاست سوات میں کئی دیگر حیثیتوں میں کام کیا)، 22 نومبر 1998ء -

امان الملک (عرف جاجا) (عمر 74 سال - پروینا، سوات، کارہنہ والا - مگلی رورولی کا دوسرا اور آخری صدر - سابقہ پروفیسر آف ریاضی اور پرنسپل جہان زیب کالج - وفات 2003ء) 19 اگست 2000ء -

امیر زمان (عمر 66 سال - ہزارہ، سوات، کارہنہ والا - مصنف کا باپ - ریاست سوات کی فوج میں خدمات سرانجام دیں - وفات 1994ء) 15 مارچ 1987ء -

اولیا خان (عمر انداز 78 سال - بڑ شیر پلم، سوات، کارہنہ والا)، 30 اپریل 1997ء -

بادرخان (عمر 83 سال - سید و شریف، سوات، کارہنہ والا - ریاستی فوج میں خدمات انجام دیں، وفات 2007ء)،  
26 فروری 1997ء -

بخت زمین خان (ہزارہ، سوات، کارہنہ والا - اپنی عزم و ہمت کا مالک - ریاست اور بعد از ریاست ادوار میں بے

پناہ نکالیف برداشت کیں - وفات 1999ء) 16 مارچ 1987ء -

بونیرخان (عمر 68 سال۔ اوڈیگرام، سوات، کارہنے والا۔ انسپکٹر اسکولز ریاست سوات، سابقہ ڈویژنل ڈائریکٹر ایجوکیشن۔ وفات 2004ء)، 16 جون 1998ء۔

بہادر (عمر اندازاً 95 سال۔ ننگوئی، سوات، کارہنے والا۔ وفات 2001ء)، 16 مارچ 1997ء،  
بہادر خان (عمر 57 سال۔ فتح پور، سوات، کارہنے والا۔ میاں دم خان کا پوتا۔ والی مخالف تحریک میں شامل)، 30 اپریل 1998ء۔

پردل خان لالا (عمر 79 سال۔ گل کدہ، سوات، کارہنے والا۔ باچا صاحب اور والی صاحب کا پرائیویٹ سیکرٹری۔ وفات 2002ء)، 14، 19 مئی 1997ء۔

تاج محمد خان (عمر 70 سال۔ غالی، سوات، کارہنے والا، ریاست سوات کا مشیر مال، سابقہ سیکرٹری داخلہ و قبائلی امور، صوبہ سرحد۔ وفات 2006ء)، 9، 16 مئی 1999ء۔

تاجو (عمر 53 سال۔ سیدو شریف، سوات، کارہنے والا۔ ریاست سوات میں ملازمت کی۔ حالیہ انچارج ڈسٹرکٹ مال خانہ، سیدو شریف، سوات)، 24، 27، 28 فروری 1997ء۔

ان زیب پاچا (عمر 82 سال۔ جہان آباد، سوات، کارہنے والا۔ دوران ریاست سوات نائب سالار۔ وفات 2002ء)، 31 اگست 2000ء۔

حبیب الرحمن (عمر اندازاً 107 سال۔ فتح پور، سوات، کارہنے والا)، 25 جولائی 1992ء۔  
زمین العابدین (عمر اندازاً 75 سال۔ چنداخورہ، سوات، کارہنے والا۔ طیب، جماعت اسلامی سے تعلق کی بناء پر والی نے ریاست بدر کیا، وفات 2011ء)، 21، 27 جون 1998ء۔

سراج الدین خان (عمر اندازاً 76 سال۔ سنگو، سوات، کارہنے والا۔ ریاست سوات میں اصلاحات کا مطالبہ کرنے والا پہلا شخص۔ آمریت کے خلاف آواز اٹھانے پر شدید مصائب و آلام برداشت کئے۔ سراج الدین سواتی کے نام سے لکھتے ہیں۔ وفات 2006ء)، 11، 27 جون 1998ء۔

سرن زیب (عمر 65 سال۔ لیلوئی، شانگلہ، کارہنے والا۔ سوات لبریشن موومنٹ میں متحرک۔ وفات 2003ء)، 15 اکتوبر، 25، 26 نومبر 1998ء۔

سید عبداللہ شاہ لالا (عمر 69 سال۔ تندوڈاگ، سوات، کارہنے والا۔ دوران ریاست سوات تحصیل دار، اور سابقہ ایکسٹرنل اسٹنٹ کمشنر)، 12 اکتوبر 1998ء۔

شاگرد (عمر 59 سال۔ چنداخورہ، سوات، کارہنے والا۔ ریاست سوات میں ملازمت کی۔ ملکی رورولی کے بنیادی ارکان میں سے ایک، والی مخالف تحریک میں متحرک۔ حالیہ پیشہ وکالت)، 1، 27 جون 1998ء۔

شاہ سلم خان (عمر 49 سال۔ گل کدہ، سوات، کارہنے والا۔ بذات خود والی صاحب کا انٹرویو لیا۔ چھٹے وکالت سے تعلق ہے)، 10 دسمبر 1999ء، 5 جولائی 2000ء۔

شجاع النملک (عمر 68 سال۔ جیکورہ، سوات، کارہنے والا سابقہ ایس پی)، 10 نومبر 1998ء، شیراگلن (عرف کا کا) (عمر 57 سال۔ جیکورہ، سوات، کارہنے والا۔ وزیر مال شیر محمد خان کا بیٹا۔ حالیہ پروفیسر پولیٹیکل سائنس)، 24 جون 1998ء، 13 اکتوبر 2000ء۔

شیر باچا (عمر 86 سال۔ سیل بانڈی، سوات، کارہنے والا۔ باچا صاحب کا قریبی ساتھی۔ وفات 2005ء)، 16 اکتوبر 1998ء۔

شیر بہادر خان (عمر 72 سال۔ جیکورہ، سوات، کارہنے والا۔ ریاست سوات کا مشیر، سابقہ ایکسٹرا اسٹنٹ کمشنر۔ وفات 2010ء)، 7 مئی 1998ء۔

ضیاء اللہ خان (عمر 69 سال۔ گل کدہ، سوات، کارہنے والا۔ ریاست سوات کے چیف سیکرٹری کا بیٹا)، 6 جون 1998ء۔

طالع مند خان (عمر 79 سال۔ ملک آباد، شموزئی، سوات، کارہنے والا۔ باچا صاحب کا پرسنل سیکرٹری۔ وفات 2001ء)، 16 مئی 1998ء۔

عارف حسن (عمر 55 سال۔ کراچی کا رہنے والا۔ مشہور ماہر تعمیرات و مشیر، ریاست اور بعد از ریاست ادوار میں سوات آئے۔ سوات سیرینا ہوٹل میں ملاقات کی)، 2 مئی 1999ء۔

عبدالہلیم (عمر 61 سال۔ غالیگے، سوات، کارہنے والا۔ اسٹنٹ سیکرٹری کم انفارمیشن افسر ریاست سوات۔ حالیہ وکیل)، 6 جولائی 1998ء، 7 اگست 1999ء، 15 اگست 7 اکتوبر 2000ء، 29 اپریل 2002ء۔

عبدالرشید خان (عمر 75 سال۔ ڈھیرئی، سوات، کارہنے والا۔ سرکردہ شخصیت، ملکی رورولی کی تحصیل یونٹ کا صدر)، 12 جولائی 1998ء، 30 ستمبر 2001ء۔

عبدالہند قریشی (عرف طولو پاچا) (عمر 68 سال۔ گلگولی، سوات، کارہنے والا۔ ملکی رورولی تحریک میں متحرک رہا۔ وفات 2007ء)، 12 جولائی 1998ء۔

عبدالمنان (عمر 64 سال۔ انخون کلمے، سوات، کارہنے والا۔ ریاست سوات میں ملازمت کی۔ ملکی رورولی کی بنیاد رکھنے والوں میں سے ایک۔ سابقہ سب انجینئر)، 27 جون 1998ء۔

عبدالواحد خان (عمر 66 سال۔ روزنیال، سوات، کارہنے والا۔ ملکی رورولی کے ابتدائی ارکان میں سے ایک جو کہ اس کی انجینئرنگ کونسل کا بھی رکن رہا۔ والی مخالف کردار ادا کرنے پر والی نے ملازمت سے درخواست کیا۔ سابقہ

پروفیسر پولیٹیکل سائنس اور سابقہ پرنسپل جہان زیب کالج، 25 مئی 1998ء۔

عبدالولی خان (عمر 81 سال۔ ولی باغ، چارسدہ، کارہنہ والا۔ مشہور سیاست دان، ملاقات جرے سوات میں کی۔ وفات 2006ء)، 21 مئی 1998ء۔

عقل مند (عمر 80 سال۔ سید و شریف، سوات، کارہنہ والا۔ باچا صاحب کا دست راست۔ وفات 2003ء)، 9 فروری، 11 اپریل، 15 مئی 1998ء۔

علی حیدر (عمر 51 سال۔ کوکڑی، سوات، کارہنہ والا۔ بیرون ریاست والی مخالف تحریک کی صف اول میں شامل۔ جہان زیب کالج کا سابقہ طالب علم رہنما۔ حالیہ وکیل)، 5 ستمبر، 17 اکتوبر 2000ء۔

فتح محمد خان (عمر 65 سال۔ بڑ شیر ٹیم، سوات، کارہنہ والا۔ ملکی رورولی اور سوات لبریشن موومنٹ میں شمولیت اور اُس کی حمایت کی۔ سابقہ رکن دستور ساز اسمبلی مغربی پاکستان، رکن مجلس شوریٰ پاکستان، سینیٹر، اور صوبائی وزیر۔ حالیہ صوبائی وزیر)، 31 مئی 1998ء۔

فصح اللسان (عمر 70 سال۔ کوزہ بانڈی، سوات، کارہنہ والا۔ شیر ریاست سوات اور سابقہ ایکسٹرا سٹنٹ کمانڈر اور پولیٹیکل ایجنٹ۔ وفات 1999ء)، 21 جون 1998ء۔

ل ربی (عمر 62 سال۔ بلوگرام، سوات، کارہنہ والا۔ حالیہ راولپنڈی، ریاست میں اسکول استاد۔ ملکی رورولی کے بانی اراکین میں شامل اور اُس کا پہلا صدر۔ دعوہ اکیڈمی، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد، میں پروفیسر ہا، وفات 2002ء)، 7 ستمبر 1998ء۔

کامران خان (عمر 74 سال۔ گل کدہ، سوات، کارہنہ والا۔ وائس سوات کا قریبی ہم نشین، بعد میں مخالف۔ سوات لبریشن موومنٹ کی حمایت کی۔ سابقہ سینیٹر، وفات 2012ء)، 14 ستمبر، 17 اکتوبر 1998ء۔

گل حیدر (عمر اندازاً 75 سال۔ گل بانڈی، ہیل بانڈی، سوات، کارہنہ والا۔ باچا صاحب کا ملازم خانہ، مجدد ارادور ملک)، 17 اکتوبر 1998ء۔

گل محمد (عمر 69 سال۔ سید و شریف، سوات، کارہنہ والا)، 27 مئی 1999ء۔

لاجبر (عمر 95 سال۔ اشازے، سوات، کارہنہ والا۔ وفات 2000)، 30 اپریل، 1 مئی 1998ء۔

محمد ابراہیم چٹان (عمر 45 سال۔ سید و شریف، سوات، کارہنہ والا۔ تحریک بحالٹی ریاست کے تین بانیوں میں شامل)، 13 ستمبر 2000ء۔

محمد آصف خان (عمر 72 سال۔ سید و شریف، سوات، کارہنہ والا۔ باچا صاحب کی خودنوشت کا مصنف۔ اُس کا پہلا، چوتھا و پانچواں حصہ خود لکھا۔ ایک عالم فاضل شخص، تجزیہ اور تنقیدی ادراک کی صلاحیت سے بہرہ ور، لیکن

در باری معصف ہونے کی وجہ سے حقائق کو توڑنے مروڑنے کے مرتکب ہوئے۔ ملاقات کے دوران انہوں نے خود اس حقیقت کو تسلیم کیا۔ وفات 2002ء، 17، 24 مئی، 14 جون، 9 اگست 1998ء۔

محمد آفرین خان (عمر انداز 70 سال۔ خوزکلی، شانگلہ پار، کارہنے والا۔ سوات لبریشن موومنٹ کا چیئرمین)، 26 نومبر 1998ء۔

محمد افضل خان (عمر 70 سال۔ بڑہ ڈروٹھیہ، سوات، کارہنے والا۔ ریاستی حکمرانوں کے خلاف سرگرمیوں اور اپنے خاندان کے اُن سے کشیدہ تعلقات کے باوجود والی سے دوستانہ مراسم استوار کئے۔ سابقہ صوبائی اور وفاقی وزیر)، 7 جون 1998ء۔

محمد ایوب (عمر 92 سال۔ غورجو، سوات، کارہنے والا۔ تحصیل مرزا (تخصیل میں کلرک) ریاست سوات۔ وفات 2003ء، 16 مارچ 1997ء۔

محمد سعید (عمر 54 سال۔ گالوچ، سوات، کارہنے والا۔ تیز حافظہ کا مالک۔ اپنے دادا کی باتیں عمدگی سے بیان کرتا ہے)، 10 جون 1998ء۔

محمد سعید خان (عمر 86 سال۔ چنگلائی (حالیہ چمن لائی)، سوات، کارہنے والا۔ ایک سرکردہ شخصیت۔ وفات 2000ء، 14 جون 1998ء۔

سید محمد (عمر 72 سال۔ گل کدہ، سوات، کارہنے والا۔ ریٹائرڈ لیفٹیننٹ کرنل)، 27 مئی 1999ء۔

محمد عارف (عمر 66 سال۔ سید و شریف، سوات، کارہنے والا۔ نگلی رورولی کے ابتدائی ارکان میں سے ایک اور اُس کا جنرل سیکرٹری۔ سابقہ ڈی پی ای جہازریب کالج، رابطہ سیکرٹری سوات ایسپلائز ایسوسی ایشن۔ ڈائریکٹر چترال ایریا ڈیولپمنٹ پروجیکٹ (سی اے ڈی پی)، حالیہ وکیل)، 4، 14 جولائی 1998ء، 19، 30 ستمبر 2000ء۔

محمد علی خان (عمر 50 سال۔ خواز ذیلیہ، سوات، کارہنے والا۔ والی مخالف تحریک میں متحرک طالب علم)، 7 جولائی 1998ء۔

محمد فاروق سواتی (عمر 44 سال۔ پشاور کارہنے والا۔ ایسوسی ایٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف آرکیالوجی، یونیورسٹی آف پشاور)، 8 فروری 1999ء، 20 نومبر 2000ء۔

محمد نواز طائر (عمر 64 سال۔ تھانہ، سوات، ملاکنڈ ایجنسی کارہنے والا۔ سابقہ ڈائریکٹر پشٹو اکیڈمی، یونیورسٹی آف پشاور)، 24 اپریل 1998ء۔

مدار خان (ریگا، بونیر، کارہنے والا۔ سر تور فقیر کے بھائی کا پوتا)، 6 ستمبر 1992ء۔

میاں گل اورنگزیب (عمر 71 سال۔ سید و شریف، سوات، کارہنے والا۔ والی صاحب کادلی عہد، سابقہ رکن مجلس شوریٰ اور قومی اسمبلی پاکستان۔ حالیہ گورنر بلوچستان)، 3 مارچ 1999ء۔

میاں گل شیرین (عمر 55 سال۔ ہنگی رورودی اور جنس لیگ میں متحرک رہا۔ حالیہ چیف آفیسر میونسپل کونسل میٹکورہ)، 18، 25 جون 1998ء، 6 فروری 2000ء۔

میاں نوشیروان پاجا (عمر انداز 75 سال۔ شوخوڑہ، سوات، کارہنے والا۔ وفات 2001ء)، 17 مارچ 1997ء۔  
نجیب اللہ ایف آری پی (عمر 74 سال۔ گل کدہ، سوات، کارہنے والا۔ سابقہ محکمہ صحت ریاست سوات کا سربراہ اور سید و گروپ آف ہاسپٹل کا ایم ایس۔ حالیہ پیش طب سے منسلک)، 16 مئی 1999ء۔

نذیر احمد نو (عمر 55 سال۔ فیصل آباد کارہنے والا۔ ایک سماجی کارکن۔ پہلی بار سوات 1970ء میں آیا، بعد میں بھی آتا رہا۔ سوات سیرینا ہوٹل، سید و شریف، سوات، میں ملاقات کی)، 2 مئی 1999ء۔

نعیم الہادی (عمر 65 سال۔ کاجو، سوات، کارہنے والا۔ ریاست سوات میں تحصیلدار، حاکم خزانہ اور سابقہ ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر)، 5، 6، 9 جولائی 1998ء۔

ردان خان (عمر 75 سال۔ خوازہ خیل، سوات، کارہنے والا۔ ایک سرکردہ شخصیت)، 7 جولائی 1998ء۔  
ساجد پور، سوات، کارہنے والا۔ سر تو رفیقیر کا پوتا)، 25 جولائی 1992ء۔

## اردو کتابیں

احمد حسن دانی، شاہد نصیر خان کی تاریخ گلگت۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2000ء۔

اختر علی، انسانی حقوق اور ریاست سوات کا حکمران۔ لاہور: مکتبہ المنار، 1963ء۔

اللہ بخش یوسفی۔ یوسفزئی۔ کراچی: محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی، 1960ء۔

\_\_\_\_\_ افغان بچپان۔ پیش لفظ شیخ محمد شفیق۔ تیسرا ایڈیشن، کراچی: محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی، 1960ء۔

\_\_\_\_\_ سردار جدو جہد آزادی۔ 1968، نظر ثانی و اضافہ شدہ ایڈیشن۔ کراچی: نیس اکیڈمی، 1989ء۔

اولف کیرد۔ بچپان۔ ترجمہ سید محبوب علی، مع ترجمہ انعامیہ اشرف عدیل، مقدمہ عبدالقادر اور پیش لفظ راج ولی شاہ۔ تیسرا ایڈیشن، پشاور: پشتوا اکیڈمی، 2000ء۔

پریشان خٹک۔ پشتون کون؟ (تاریخ، تحقیق، تنقید)۔ نظر ثانی، تجدید و طرز اور جہان زیب نیاز۔ پشاور: پشتوا اکیڈمی،

- جارج میکنن - شمال مغربی پاکستان اور برطانوی سامراج - ترجمہ ایم انور رومان - کوئٹہ: نساء ٹریڈرز، 1979ء۔
- جیمیل یوسٹوٹی - دیر کی مختصر تاریخ: (قبل از مسیح سے مہدائنگیشیہ تک) - دیر: الہدربک سینٹر، 1994ء۔
- خواجه نعمت اللہ ہروی - تاریخ خان جہانی و خزان افغانی - ترجمہ محمد بشیر حسین - لاہور: مرکزی اردو بورڈ، 1978ء۔
- ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر - ہمارے ہندوستانی مسلمان - ترجمہ صادق حسین - لاہور: قومی کتب خانہ، تاریخ مدارد۔
- رضاعلی عابدی - شیروریا - لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1998ء۔
- روشن خان - ملکہ سوات - کراچی: روشن خان اینڈ کو، 1983ء۔
- \_\_\_\_\_ تذکرہ: (شہانوں کی اصلیت اور ان کی تاریخ) - چوتھا ایڈیشن، کراچی: روشن خان اینڈ کو - 1983/1980ء۔

- \_\_\_\_\_ یوسف زئی قوم کی سرگذشت - کراچی: روشن خان اینڈ کو، 1986ء۔
- سیط حسن - سوئی سے مارکس تک - ساتواں ایڈیشن، آٹھویں اشاعت، کراچی: مکتبہ دانیال، 1986ء۔
- \_\_\_\_\_ پاکستان میں تہذیب کا ارتقا - چھٹی اشاعت، کراچی: مکتبہ دانیال، 1986ء۔
- سراج الدین سواتی (سراج الدین خان) - قباکلی علاقہ اور ریاستیں - لاہور: پاکستان پرنٹنگ پریس، 1966ء۔
- \_\_\_\_\_ سرگذشت سوات - لاہور: الہمرا اکیڈمی، 1970ء۔
- \_\_\_\_\_ سوات حال کے آئینہ میں - جگورہ، سوات: مصنف خود، تاریخ مدارد۔
- \_\_\_\_\_ ضم شدہ قبائلی ریاستوں کے مسائل - جگورہ، سوات: مصنف خود، تاریخ مدارد۔
- سلطان محمد خان - پختونوں کا تاریخی سفر نئی اسرائیل کے تناظر میں - کراچی: پاکستانی ادب پبلی کیشنز، 1997ء۔
- سید میاں گل فروش - ریاست سوات کا قیام و جناب ہرہائی نیس والی صاحب سوات کا مختصر خاکہ - زندگی - مقام اشاعت و تاریخ مدارد۔

- شیخ نوید اسلم - شمالی علاقہ جات اور پاکستان - لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2000ء۔
- شیر افضل خان برکیوٹی - تعارف سوات - کراچی: مصنف خود، 75/4 ریگ ہاؤس، 1955ء۔
- \_\_\_\_\_ پیر بابا - جگورہ، سوات: شعیب سنز پبلشرز اینڈ بک سلرز، 1999ء۔
- شیر بہادر خان - تاریخ ہزارہ - 1969ء، دوسرا ایڈیشن، نظر ثانی و اضافہ شدہ - ایبٹ آباد: دارالافتا، 1980ء۔
- ظہیر الدین بابر - ترکہ بابر - ترجمہ رشید اختر ندوی - لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، تاریخ مدارد۔
- عبدالحمید ترین - فقیرا پٹی - کراچی: تاج کینی لمیٹڈ، 1984ء۔
- عبدالرشید - اسلامی تصوف اور صوفیائے سرحد: دسویں صدی ہجری میں علمی و ادبی خدمات -

اسلام آباد: تصوف فاؤنڈیشن، 1988ء۔

مبدأ القیوم۔ مشاہیر سرحد۔ لاہور: فیروز سنز، لمیٹڈ، 1977ء۔

عزیز جاوید۔ سرحد کا آئینہ ارتقاء۔ پشاور: ادارہ تحقیق و تصنیف، 1975ء۔

عتیق عباس جعفری۔ پاکستان کے سیاسی وڈیرے 1993ء۔ نظر ثانی و اضافہ شدہ ایڈیشن، کراچی: بک میکرز،

1994ء۔

علی حسن چوہان۔ تاریخ گوجر (حالات حاضرہ)۔ حصہ چہارم۔ تاریخ و مقام اشاعت ندارد۔

عمایت الرحمن۔ سوات کی لوک کہانیاں۔ پیش لفظ محمد نواز طائر۔ پشاور: پشتو اکیڈمی، 1993ء۔

غلام رسول مہر۔ 1857ء: پاک و ہند کی پہلی جنگ آزادی۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، تاریخ

ندارد۔

\_\_\_\_\_ سرگندشت مجاہدین۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، تاریخ ندارد۔

\_\_\_\_\_ جماعت مجاہدین۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، تاریخ ندارد۔

\_\_\_\_\_ سید احمد شہید۔ تیسرا ایڈیشن، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1981ء۔

رد۔ تاریخ مخزن پنجاب۔ اشاعت ثانی، لاہور: دوست ایسوسی ایشن، 1996ء۔

ما بخاری اور رضا ہدائی (مدیران) تک کے اس پار۔ اشاعتی معلومات پھاڑے گئے ہیں۔

مل ربی راہی۔ سوات تاریخ کے آئینہ میں۔ دوسرا ایڈیشن، بیگورہ، سوات: شعیب سنز پبلشرز اینڈ بک سیلرز،

1993/1997ء۔

\_\_\_\_\_ سوات: سیاحوں کی جنت۔ بیگورہ، سوات: شعیب سنز پبلشرز اینڈ بک سیلرز، 2000ء

\_\_\_\_\_ ریاست سوات: تاریخ کا ایک ورق۔ بیگورہ، سوات: شعیب سنز پبلشرز اینڈ بک سیلرز، 2000ء۔

فیض الرحمن۔ مشاہیر علماء سرحد۔ کراچی: مجلس نشریات اسلام، 1998ء۔

قابل خان خٹک۔ سہ اور سوات۔ طباعت: جدون پریس، پشاور، 1992ء۔

قاری جاوید اقبال۔ ثقافت سرحد۔ تاریخ کے آئینہ میں۔ اسلام آباد: لوک ورثہ اور لاہور: الفیصل ناشران،

2002ء۔

قدرت اللہ شہاب۔ شہاب نامہ۔ بیسواں ایڈیشن، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1999ء۔

قیام الدین احمد۔ ہندوستان میں وہابی تحریک۔ ترجمہ محمد مسلم عظیم آبادی۔ تیسرا ایڈیشن، کراچی: نفیس اکیڈمی،

1980ء۔



- محمد اختر۔ تاجک سواتی اولکلت گمب: (تاریخ کے آئینے میں)۔ ایبٹ آباد: سرحد اردو اکیڈمی، 2002ء۔
- محمد ارشاد خان۔ تاریخ ہزارو: ترکوں کا عہد۔ پشاور: احباب پرنٹرز اور پبلشرز، 1976ء۔
- محمد اسماعیل ذبح۔ مناظر سوات۔ مقام اشاعت ندارد (1954ء)۔
- محمد امیر شاہ قادری۔ تذکرہ علماء و مشائخ سرحد۔ جلد اول۔ پشاور: مکتبہ الحسن، تاریخ ندارد۔
- محمد پرویش شاہین۔ کالام کوہستان: (لوگ اور زبان)۔ بیگورہ، سوات: شعیب سنز، پبلشرز اینڈ بکسلرز، 1989ء۔
- \_\_\_\_\_ کالام سے کافرستان تک۔ لاہور: گلشن ہاؤس، 1993ء۔
- \_\_\_\_\_ مشرق کا سوئٹزرلینڈ (وادئی سوات)۔ لاہور: نگر پبلی کیشنز، 2004ء۔
- \_\_\_\_\_ سوات کوہستان۔ لاہور: ظفر پبلی کیشنز، 2004ء۔
- \_\_\_\_\_ کافرستان کے رسم و رواج۔ لاہور: مکتبہ جمال، 2004ء۔
- محمد خواص خان۔ روایتیاد کا بزمین ہند۔ لاہور: مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ، 1983ء۔
- محمد شفیع صابر۔ تاریخ صوبہ سرحد۔ پشاور: یونیورسٹی بک ایجنسی، 1986ء۔
- \_\_\_\_\_ تذکرہ سرفروشان سرحد۔ پشاور: یونیورسٹی بک ایجنسی، تاریخ ندارد۔
- \_\_\_\_\_ شخصیات سرحد۔ پشاور: یونیورسٹی بک ایجنسی، تاریخ ندارد۔
- محمد عزیز الدین۔ تاریخ چترال۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1991ء۔
- محمد علی قصوری۔ مشاہدات کاہل و بختستان۔ کراچی: انجمن ترقی اردو (پاکستان)، تاریخ ندارد۔
- محمد یوسف حفزوی۔ سیر سوات: حصہ اول۔ مکتبہ: فیبرا کسیرات ہندو خانہ، (1944ء)۔
- محمد دانتور۔ کافرستان اور چترال۔ دیر۔ سوات کی سیاحت۔ ترجمہ ظلیل احمد۔ فروری 1953ء، دوسرا نظر ثانی شدہ ایڈیشن۔ لاہور: ویسٹ پاک پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ، اکتوبر 1953ء۔
- مختار مسعود۔ سفر نصیب۔ نواں ایڈیشن، لاہور: نقوش، 1999ء۔
- مرزا محمد غفران اور مرزا غلام مرتضیٰ نئی تاریخ چترال۔ ترجمہ: وزیر علی شاہ۔ طباعت: پبلک آرٹ پریس، پشاور، 1962ء۔
- \_\_\_\_\_ مستنصر حسین تارڑ۔ سوات و خجتراب: سفر شمال کے۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1997ء۔
- \_\_\_\_\_ مولوی عبدالملک۔ شامحان گوجر۔ لاہور، 1986ء۔
- \_\_\_\_\_ میر احمد خان صوفی۔ غازی پیر: سید محمد امین الحسبات ہانگی شریف۔ جی: صوفی میڈیکل ہال، 1987ء۔
- \_\_\_\_\_ ہیر الدلیب۔ باہر۔ ترجمہ ہانگی فرید آبادی۔ لاہور: گلشن ہاؤس، 1998ء۔

- بیون ساگک - بیون ساگک کا سفر نامہ ہند - ترجمہ یاسر جواد - لاہور: تخلیقات، 2001ء۔  
 اردو اردو معارف اسلامیہ - جلد دوم - لاہور: یونیورسٹی آف دی پنجاب، 1975ء۔  
 انسائیکلو پیڈیا پاکستانیکا - کراچی: سید کاشف محمود، مارچ 1989ء۔

### اردو اخبارات

- ہدایت اختر - سوات میں کیا ہو رہا ہے - گوائے وقت - 2 فروری 1970ء۔  
 'سرحدی ریاستیں بلا تاج خیر ختم کی جائیں' (اداریہ) گوائے وقت - 26 اپریل 1967ء۔  
 باگک حرم - 14 اگست 1967 - 3، 6، 7، 8، 11، 12، 13 فروری 1969ء۔

### شکوکتا میں

- ، روزیہ - مخزن - (پشتو، فارسی) - 'مقدمہ' محمد تقویم الحق کا کاخیل - دوسرا ایڈیشن، پشاور: پختو اکیڈمی،  
 1987/1968ء۔  
 خان خنگ - تاریخ مرتب - تقابل، تصحیح، حاشیہ از دوست محمد خان کامل مومند - پشاور: یونیورسٹی بک ایجنسی، تاریخ  
 ندارد۔  
 ابراہیم احمد - مہینہ گزر ماہ سوات پہ مکتوب کے - ترجمہ اور نظر ثانی سید محمد تقویم الحق کا کاخیل اور حبیب الرحمن قلندر  
 مومند - پشاور: پختو اکیڈمی، 1978ء۔  
 پیر معظم شاہ تواریخ حافظہ رحمت خانی - (پشتو، فارسی) مع 'دیباچہ' محمد نواز طائر - دوسرا ایڈیشن - پشاور: پختو اکیڈمی،  
 1987/1971ء۔  
 تاج محمد خان زیب سر - عروج افغان (شعر) - دو جلدوں میں - جلد اول: مقام اشاعت ندارد، 1360 ہجری - جلد  
 دوم: ریاست سوات، 1361 ہجری۔  
 جنرل انولڈسن - سپوگ کیہ کریمک وحدہ راخیرود: (پشتو ضرب الامثال اور ٹیوں کا مجموعہ، مع انگریزی ترجمہ) - دوبارہ  
 اشاعت، پشاور: انٹرنیٹ فاؤنڈیشن، یونیورسٹی ٹاؤن، 2004ء۔  
 خوشحال خان خنگ - کلیات خوشحال خان خنگ سرود مقدم سے اوحاشیہ دوست محمد خان کامل - پشاور: ادارہ اشاعت  
 سرحد، 1960ء۔

\_\_\_\_\_ سوات نامہ و خوشحال خان خٹک - مع 'مقدمہ، تحقیق اوسمون' ہمیش ظلیل - اکوڑ و خٹک: سرتزی خوشحال ادبی و ثقافتی جرگہ (رجسٹرڈ)، 1986ء۔

\_\_\_\_\_، ستار نامہ - مع 'چونگہ ڈ پر دل خان خٹک - پشاور: بختواکیزی، 1901ء۔

\_\_\_\_\_ کلیات خوشحال خان خٹک - جلد اول - نثریات - مرتبہ شیر شاہ ترخوی - جلد دوم - تصانیف و بیانات، تصانیف اوتشرفات - پشاور: عظیم پبلشنگ ہاؤس، تاریخ ندارد۔

سرن زیب سواتی - تاریخ ریاست سوات - پشاور: عظیم پبلشنگ ہاؤس، 1984ء۔

سید بہادر شاہ ظفر کا کاشیل - عثمانہ تاریخ پٹنہ کے - پشاور: یونیورسٹی بک ایجنسی، تاریخ ندارد۔

سید عبدالغفور قاسمی - تاریخ ریاست سوات - پشاور: طباعت، جمیدیہ پریس، 1939ء۔

سید علی شاہ - شریعت کاروان: منزل - پٹنہ - لاہور: مختار سواتی، 1995ء۔

صفی اللہ - شریعت داستان (ملاکنڈ و ٹریبون) 1995-1996ء - مقام اشاعت و تاریخ ندارد۔

عبدالعلیم اثر - روحانی رابطہ او روحانی ترویج - دوسرا ایڈیشن، باجوڑ، این ڈبلیو ایف پی: دارالاشاعت، 1966/1967ء۔

\_\_\_\_\_ سوات و تاریخ پٹنہ کے - باجوڑ، این ڈبلیو ایف پی: دارالاشاعت، تاریخ ندارد۔

عبدالحمیدی - افغانستان اوسرحد: بوہ تاریخی جائزہ - پشاور: حاجی فقیر محمد اینڈ سنز، 1988ء۔

عبدالرحمن شباب - دنگر یون: دسولانا عبدالقادر و مضمونونو مجموعہ - دوسرا ایڈیشن، پشاور: یونیورسٹی بک ایجنسی، 1997ء۔

عبدالرؤف نوشہروی - قلم سفر - حصہ دوم - پشاور: اکیڈمی سائنس، 1988ء۔

عبدالغفار - رماٹروندا و جدوجہد - کابل: دولتی مطبع، 1983ء۔

عبدالولی خان - رتقیہ، رتقیہ و دی - کابل: دقو مونو او قبا کیلو وزارت، دشر اتور یاست، 1987ء۔

عنایت اللہ - ریاست سوات تاریخی اوترقیاتی جائزہ - مقام اشاعت ندارد: دسات دوخ زلموخوا، تاریخ ندارد۔

فضل محمود و خان - 'سحر یسٹرونے خویو سحر دو' ادب سروے؟: تنقیدی مقالے - از سحر یوسف زے، 1967ء۔

تیسرا ایڈیشن، جنگورہ، سوات: شعیب سنز پبلشرز اینڈ بک سیلرز، 1996ء۔

محمد آصف خان - تاریخ ریاست سوات و سوانح حیات بانہی ریاست سوات حضرت میا گل گل شہزادہ عبدالوہود خان

بادشاہ صاحب - مع دیباچہ، حصہ اول، چہارم و پنجم از محمد آصف خان - مقام اشاعت ندارد، (1958ء)۔

محمد پردیش شاہین - دسات گلونہ - جنگورہ، سوات: شعیب سنز پبلشرز اینڈ بک سیلرز، 1988ء۔

\_\_\_\_\_ گلں ورینے سوکے۔ ینگورہ، سوات: شعیب سنز پبلشرز اینڈ بک سلرز، 1989ء۔

\_\_\_\_\_ سوات: دسرور وٹمن۔ ینگورہ، سوات: شعیب سنز پبلشرز اینڈ بک سلرز، 1993ء۔

محمد نواز طائر۔ دروہیال: تاملید لے سوات۔ پشاور: منظور عام کتب خانہ، 1967ء۔

میاں عبدالرشید تہذکرہ علماء کبار و مشائخ عظام صوبہ سرحد پاکستان۔ مدین، سوات: مکتبہ نوشید، تاریخ ندارد۔

نصر اللہ خان نصر، خون صاحب سوات۔ 1950ء، دوسرا ایڈیشن، پشاور: دارالتصنیف، 1964ء

\_\_\_\_\_ سوات۔ پشاور: عظیم پبلشنگ ہاؤس، 1963ء۔

نور محمد شاہ فوجہ جان۔ منظوم تاریخ سوات۔ (شعر میں) لطاعت: احمد پرنٹنگ پریس، ینگورہ، تاریخ ندارد۔

قوامی وردویہ۔ دو جلدوں میں۔ مرتبہ مولوی محمد ابراہیم۔ جلد اول، ینگورہ، سوات: اسلام بک اسٹور، تاریخ ندارد۔

جلد دوم، پشاور: اسلامی کتب خانہ، تاریخ ندارد۔

### نئی جراند

اشارہ جم۔ 'ملاکنڈ تاریخ پر رزاکے۔ پنختو (پشاور)۔ جلد 20 (مئی 1988)، صفحہ 28 تا 43۔

\_\_\_\_\_ 'سوات پبلکنو کے' پنختو (پشاور)۔ جلد 20 (جولائی 1988ء)، صفحات 10 تا 19۔

سلطان روم۔ 'سیدو بابا جی نہ تر والی سوات پورے: یوہ تنقیدی جائزہ۔ پنختو (پشاور)۔ جلد 29 (نومبر۔ دسمبر

1997ء)، صفحات 12 تا 23۔

\_\_\_\_\_ 'دسات غرونہ اوکر دازادکی' تاریخ بابونہ: یوہ تجزیہ۔ پنختو (پشاور)۔ جلد 30 (نومبر۔ دسمبر 1998ء)،

صفحات 44 تا 57۔

عبدالحق نسیم۔ 'دسات سیندہ' پنختو (پشاور)۔ جلد 19-20 (نومبر۔ فروری 1988-87)، صفحات 23 تا

25۔

عبدالروف نوشہروی۔ 'میاں گل جہان زیب والی سوات' پنختو (پشاور)۔ جلد 21 (اکتوبر۔ دسمبر 1989ء)،

صفحات 48 تا 52۔

فضل زمان ہلیمان۔ 'پاکستان دجوڑید و ہنزدس گلنہ او دقبانکو دغراگا نوسل گلنہ' پنختو (پشاور)۔ جلد 30 (ستمبر۔

اکتوبر 1998ء)، صفحات 41 تا 51۔

محمد اسلام اجملی۔ 'سیدو بابا جی نہ تر والی سوات پورے' پنختو (پشاور)۔ جلد 29 (جولائی۔ اگست

1997ء، صفحات 171 تا 175۔

محمد پرویش شاہین۔ 'جونوسر' پختو (پشاور)۔ جلد 21 (جولائی۔ ستمبر 1989)، صفحات 46 تا 60۔64۔  
 'دسات غروناو کوک داز ادبی د تاریخ بابوند' پختو (پشاور)۔ جلد 29 (جولائی۔ اگست 1997ء)، صفحات

284 تا 289۔

محمد نواز طائر۔ 'حضرت شیخ علی بابا' پختو (پشاور)۔ جلد 16-18 (1985-1987)، صفحات 32 تا 38۔

پختو، دسات، بابا جمی نمبر (پشاور)۔ جلد 13 (فروری۔ مارچ 1982ء)، صفحات 6 تا 17۔

## فارسی کتب

اخون دروینہ۔ تذکرۃ الابرار والاشرار۔ پشاور: اسلامی کتب خانہ، تاریخ نماد۔

## Unpublished Dissertation and Theses

- Ahmad, Aftab. *Government Jahanzeb College: History and Achievements*. MA thesis, Department of Pakistan Studies, Government Post Graduate College Mansehra, Session 1992-94
- Ahmad, Mahmood. *Socio-Economic Conditions of the People of a Rural Village Naway-Kalay in District Swat*. MA thesis, Department of Sociology, University of Karachi, 1979.
- Aslam, Muhammad. *The Rulers of Amb State*. MA thesis, Department of Pakistan Studies, Government Post Graduate College, Mansehra, Session 1992-94.
- Begum, Haizal. *The Akhund of Swat: Abdul Ghafoor (A Biographical Sketch)*. MA thesis, Pakistan Study Centre, University of Peshawar, 1992.
- Dirvi, Abdul Halim. *The Life and Achievements of Ghazi Umra Khan*. MA thesis, Pakistan Study Centre, University of Peshawar, 1989.
- Hassan, Noor. *Dir-Swat Relations*. MA thesis, Pakistan Study Centre, University of Peshawar, 1991.
- Hussain, Hazrat. *Tourism in District Swat*. MA thesis, Pakistan Study Centre, University of Peshawar, Session 1993-95.
- Hussain, Naheed. *Swat State Through the Ages*. MA thesis, Pakistan Study Centre, University of Peshawar, Session 2000-2002.
- Islam, Fakhru. *Swat under Jehanzeb*. MA thesis, Pakistan Study Centre, University of Peshawar, n.d.
- Khan, Abdul Wahid. *Administrative System of Swat State*. MA thesis, Department of Political Science, Government College Lahore, 1959; retyped by Abdul Wahab Khan, 1986.
- Khan, Buner. *Growth of Modern Education in Swat State*. M.Ed. thesis, Institute of Education & Research, University of the Punjab, 1963
- Khan, Shakeel Ahmad. *Swat Nama of Khushal Khan Khattak (Edited & Translated into English)*. M.Phil. Thesis, Area Study Centre (Central Asia), University of Peshawar, 1981.
- Mabood, Abdul. *(The) Causes of Migration of Swat Residents to Karachi*. MA thesis, Department of Sociology, University of Karachi, 1981.
- Naz, Muhammad Saleem. *Education in Ex- State of Swat*. M.Ed. thesis, Faculty of Education, University of Peshawar, 1996.
- Rehmat, Robina. *Tahrik Nifaz-i-Shariat-i-Muhammadi (TNSM)*. MA thesis, Pakistan Study Centre, University of Peshawar, Session 1994-1996.

- Shahabuddin. *Miangul Abdul Wadood (Badshah Sahib): The Founder of Swat State* MA thesis, Pakistan Study Centre, University of Peshawar, n.d.
- Shah, Feroz. *Attitude of the People of Rural Area towards Female Education in a Village of Swat*. MA thesis, Department of Sociology, University of Karachi, 1978
- Shah, Rahat. *Education in Private Sector (A Case Study of District Swat)*. MA thesis, Pakistan Study Centre, University of Peshawar, Session 1997-98
- Swati, Muhammad Farooq. *Gandhara Art in the Swat Valley, Pakistan: A Study Based on Peshawar University Collection*. Vol. 1, (Text). Ph.D. Dissertation, Faculty of Oriental Studies, University of Cambridge, 1996
- Yousafzai, Rafiullah. *Journalism in Swat*. MA thesis, Department of Journalism, University of Peshawar, Session 2002-2003.
- Zada, Rahim. *The Battle of Ambela [1863] Against the British in NWFP*. MA thesis, Pakistan Study Centre, University of Peshawar, 1995.
- Zubair, Muhammad. *Causes-Effects of Migration and the Problems of Ruralities Settlement in Urban Area: (A case Study of Mingora Swat)*. MA thesis, Department of Sociology/Anthropology, University of Peshawar, 1996

#### Unpublished Papers

- Personal Collection of Abdul Wahab Khan, Ronryal, Swat.  
 Personal Collection of the author (Sultan-i-Rome), Hazara, Swat.

#### OFFICIAL WORKS

##### **Confidential Reports of the British Indian Government**

- Administration Reports of the North-West Frontier Province, Punjab Frontier Administration Reports.*  
*Reports on the Administration of the Border of the North-West Frontier Province.*  
*Reports on the Administration of the Punjab and its Dependencies.*  
*Summary of Events in North-West Frontier Tribal Territory, 1 January 1930 to 31 December 1930.* Simla, 1931.

##### **Confidential Gazetteers and Who's who**

- (Confidential), Central Asia. Part I. A Contribution towards the Better Knowledge of the Topography, Ethnography, Statistics, & History of the North-West Frontier of British India.* Vol. 3. Compiled for Military and Political Reference by C.M. MacGregor. Calcutta: Office of the Superintendent of Government Printing, 1873.  
*Confidential, Gazetteer of the North-West Frontier: From Bajaur and the Indus*

*Kohistan on the North to the Man Hills on the South*. Vols. 1 & 4. Compiled for Political and Military Reference in the Intelligence Branch of the Quarter Master General's Department in India, Completed and edited by A. L'e. Holmes. Simla: Printed at the Government Central Branch Press, 1887  
*Confidential, Who's Who of the Dir, Swat and Chitral Agency Corrected up to 1 July 1950*. Peshawar, 1950

### **Census Reports**

- Census of India, 1941*. Vol. 10-Appendix. *Trans-Border Areas: Report and Tables*. By I.D. Scott. Delhi: Manager of Publications, 1942
- Census of Pakistan, 1951*. Vol. 4. *North-West Frontier Province, Reports & Tables*. Karachi: Manager of Publications, Government of Pakistan, n.d.
- Population Census of Pakistan 1961: Census Report of Tribal Agencies*. Part 1 & 3. *General Descriptions, Population Tables and Village Statistics*. Karachi: Manager of Publications, Government of Pakistan, n.d.
- Population Census of Pakistan 1972: District Census Report Swat*. Karachi: Manager of Publications, Government of Pakistan, 1975.

### **Other Official and Semi Official Works**

- Hay, W.R. *Notes by Captain W.R. Hay, I.A., Assistant Commissioner, Mard, on his visit to Mahaban, Nagrai and Chamla in September 1929*. n.p., n.c
- \_\_\_\_\_. *Monograph on Swat State*. Simla: Government of India Press, 1934
- \_\_\_\_\_. *Monograph on Utman-Khel*. Simla: Government of India Press, n.d.
- Keen, W.J. *The North-West Frontier Province and the War*. Peshawar, 1928.
- Khan, Gul Wali. *Manual of Land Reforms*. Peshawar: NWFP Land Commission, 1979.
- Khan, Khan Malik Allah Yar. *Report on the Swat Valley Kohistan Forests*. Peshawar; North-West Frontier Province Govt. Printing and Stationary Office, 1926
- McMahan, A.H., and A.D.G. Ramsay. *Report on the Tribes of the Malakand Political Agency (Exclusive of Chitral)*. Revised by R.L. Kennion. Peshawar: Government Press, North-West Frontier Province, 1916.
- Mohammad, Nazir and Shamsul Wahab under the guidance of Beat Stucki, Ali Akbar Khan, and Christoph Duerr. *Working Plan for Kalam Forests of Upper Swat Forest Division (1987-88 to 2001-02)*. Peshawar: NWFP Forest Department; NWFP Forestry Pre-Investment Centre; and Pak-Swiss Kalam Integrated Development Project, n.d.
- Plowden, T.J.C. *Report on the Leading Persons and State of Factions in Swat*. Simla: Government of India Press, 1932.
- Stein, Aurel. *An Archaeological tour in Upper Swat and Adjacent Hill Tracts*. Calcutta: Government of India, Central Publication Branch, 1930.
- Constitution of the Islamic Republic of Pakistan: Being a Commentary on the*



- Constitution of Pakistan, 1973*. 2 Vols. By Justice Muhammad Munir, ed. by Mian Bashir Ahmad Lahore: P.L.D. Publishers, 1996.
- Extract from *Civil and Military Gazette*: dated 6 March 1898, 'The Rising in Swat State [sic]'. *Civil & Military Gazette*, 1898
- Frontier and Overseas Expeditions from India*. Vol. 1. *Tribes North of the Kabul River*. 1910; reprint, Quetta: Nisa Traders, 1979.
- Gazetteer of the Peshawar District 1897-98*. Reprint, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1989.
- Imperial Gazetteer of India, Provincial Series, North-West Frontier Province*. Reprint, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1991.
- List of Members of the Constituent Assembly of Pakistan*. n.p., n.d.
- List of Members of the Constituent Assembly of Pakistan (Showing Permanent Addresses)*. n.p., 8 December, 1955.
- Malakand 1958-68: A Decade of Progress*. Foreword by Muhammad Humayun Khan, Political Agent Malakand. n.p., n.d.
- Memorandum on Federated States of Pakistan*. By Abdul Hamid, Joint Secretary, Constituent Assembly of Pakistan. Karachi: Printed by the Manager, Govt. of Pakistan Press, n.d.
- Military Report and Gazetteer on Buner and Adjacent Independent Territory*. General Staff India, 1926. 2nd edn. Delhi: Government of India Press, 1926.
- Military Report and Gazetteer on Dir, Swat and Bajaur*. Part II, *Military Report*. General Staff India, 1928. 2nd edn. Calcutta: Government of India Press, 1928.
- Military Report and Gazetteer of Indus Kohistan, Black Mountain and Adjacent Territories*. 1940, General Staff India. 2nd edn. Simla: Government of India Press, 1941
- Mutiny Reports from Punjab & NWFP*. Vol. 2. 1911; reprint, Lahore: Al-Biruni, n.d.
- Pakistan Information 1956-57*. Reference Series No. 2. Karachi: Press Information Department, Government of Pakistan, n.d.
- Report of Dir-Swat Land Disputes Enquiry Commission*. Part II. *Swat*. Vol. 2. Peshawar: Government of North-West Frontier Province, Home, Tribal Affairs and Local Government Department, 1973.
- Riway Nama-e-Swat*. Compiled by Ghulam Habib Khan, Superintendent, Deputy Commissioner Office, Swat. n.p., n.d.
- (i) *Supplementary Instrument of Accession*. (ii) *Agreement with the Wali of Swat Regarding the Privy Purse, Private Property and Rights and Privileges*. (iii) *Government of Swat (Interim Constitution) Act, 1954*. n.p., n.d.
- Supplementary Report of Dir-Swat Land Disputes Enquiry Commission*. Part II. (Swat). Vol. 3. Peshawar: Government of North-West Frontier Province, Home, Tribal Affairs and Local Government Department, n.d.
- The All Pakistan Legal Decisions (PLD)*.
- The Indian Independence Act, 1947 and Orders Issued thereunder*. n.p., n.d.

*Year Book of the North-West Frontier Province 1954.* Peshawar: Secretary to Government, NWFP, Information Department, n.d.

#### OFFICIALLY ENDORSED WORKS

- Da Isqat Murawija Mutaliq Fatwa*, 11 June 1965 (The Fatwa bears names and signatures of six Ulama from the Darul Ulum Islamia, Saidu Sharif, and of four Qazis of the Mehkama Qaza, Saidu Sharif, and has been counter signed by Hukamran Riyasat-e-Swat)
- Da Qurbanai Masail*, 30 May 1968 (Signed by five Qazis of Mehkama Qaza, Saidu Sharif and seven Ulama of Darul Ulum Islamia, Saidu Sharif, and counter signed by His Highness Hukamran Swat)

#### ORGANISATIONS' WORKS

- All India Muslim League, Central Board Policy and Programme* n.p., n.d.
- Constitution & Rules of the Pakistan Muslim League* Karachi: Qazi Mohammad Isa, Honorary General Secretary, Pakistan Muslim League, n.d.
- Constitution & Rules of the Pakistan Muslim League*. Karachi: Mohammad Yusuf Khattak, General Secretary, Pakistan Muslim League, n.d.
- Manshoor, Swat Employees Association*. District Swat, 1974.
- Resolutions of the All India Muslim League: From December 1938 to March 1940.* (Nawabzada) Liaqat Ali Khan, Honorary Secretary. All India Muslim League, n.d.
- The Constitution and Rules of the All India Muslim League*. Nawabzada Liaqat Ali Khan, Honorary Secretary, All India Muslim League, n.d.
- The Constitution and Rules of the All India Muslim League (as amended upto the end of 1919)*. Syed Zahur Ahmad, Honorary Secretary, 1920
- The Constitution and Rules of the All-India Muslim League: Passed at the session at Lucknow on the 18 October 1937.* n.p., n.d.
- The Constitution and Rules of the All-India Muslim League (as amended upto date)*. n.p., n.d.
- The Constitution and Rules of the Frontier Muslim League (Provincial Muslim League NWFP)*. Muhammad Ismail Khan Ghaznavi: Honorary Secretary, n.d.

#### BOOKS

##### *Books in English*

- Adamec, Ludwig W. *Afghanistan, 1900-1923: A Diplomatic History*. Berkeley University of California Press, 1967.

- Adamson, Hilary, and Isobel Shaw. *A Traveler's Guide to Pakistan*. Islamabad: The Asian Study Group, 1981
- Afzal, M. Rafique, collector & ed. *Speeches and Statements of Quaid-i-Millat Liaqat Ali Khan [1941-51]*. Lahore: Research Society of Pakistan, 1967.
- Ahmad, Khwajah Nizamuddin. *The Tabaqat-i-Akbari: (A History of India from the Early Musalman Invasions to the Thirty-Eighth Year of the Reign of Akbar)*, Vol. 2. Translated and Annotated by Brajendranath De; and Revised, Edited, and Completed with Preface and Index by Baini Prashad. 1st edn. 1936; Reproduced, Delhi: Low Price Publications, 1992.
- Ahmad, Makhdum Tasadduq. *Social Organization of Yusufzai Swat: A Study in Social Change*. Lahore: Panjab University Press, 1962
- Ahmad, Qeyamuddin. *The Wahabi Movement in India*. Calcutta: Firma K.L. Makhopadhyay, 1966; reprint, Islamabad: National Book Foundation, n.d.
- Ahmad, Ziauddin, ed. *Quaid-i-Millat Liaqat Ali Khan: Leader and Statesman*. Karachi: The Oriental Academy, 1970.
- Ahmed, Akbar S. *Millennium and Charisma among Pathans: A Critical Essay in Social Anthropology*. London: Routledge and Kegan Paul, 1976
- \_\_\_\_\_. *Social and Economic Changes in the Tribal Areas, 1972-1976*. With a Foreword by Nasirullah Khan Babur. Karachi: Oxford University Press, 1977.
- \_\_\_\_\_. *Pukhtun Economy and Society: Traditional Structure and Economic Development in a Tribal Society*. London: Routledge & Kegan Paul, 1980.
- \_\_\_\_\_. *Religion and Politics in Muslim Society: Order and Conflict in Pakistan*. Cambridge: The Press Syndicate of the University of Cambridge, 1983; 1st Pakistani edn. Karachi: Royal Book Company, 1987.
- Ali, Ishfaq. *Laws Extended to the Tribal Areas with Jirga Laws*. Peshawar: Printed by New Fine Printers, n.d.
- Ali, Muhammad. *Guide to Afghanistan*. With Maps and Illustrations. Kabul, 1938.
- Allami, Abu'l-Fazl. *The A'in-i Akbari*. Translated by H.S. Jarrett. Second edition corrected and further annotated by Sir Jadunath Sarkar. Vol. 2. *A Gazetteer and Administrative Manual of Akbar's Empire and Past History of India*. 3rd edn. reprinted from 2nd edn. of 1949. New Delhi: Oriental Books Reprint Corporation, 1978.
- Antonini, C. Silvi, and Giorgio Stacul. *The Proto-Historic Graveyards of Swat (Pakistan)*. Part 1. *Description of Graves and Finds: Plates*. Rome: Istituto Italiano per il Medio ed Estremo Oriente, 1972.
- Ashraf, Khalid. *Some Land Problems in Tribal Areas of West Pakistan: A Study of the Selected Farms in Kurram, North Waziristan, Malakand, Kalam and Swat*. Tribal Areas Studies-2. Peshawar: The Board of Economic Enquiry, North-West Frontier, Peshawar University, 1963.
- Ashton, S.R. *British Policy Towards the Indian States, 1905-1939*. London: Curzon Press Limited, 1982
- Babur, Zahiruddin. *Babur-Nama: (Memoirs of Babur)*. Translated from the

- Original Turki Text by Annette S. Beveridge. 1st Pakistani edn. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1975
- Baha, Lal. *N.-W.F.P. Administration Under British Rule, 1901-1919*. Islamabad: National Commission on Historical and Cultural Research, 1978
- Balala, Abdul Qayyum. *The Charming Swat*. Lahore: Maqsood Publishers, [2000].
- Balneaves, Elizabeth. *The Waterless Moon*. 1955; 2nd Impression. London: Lutterworth Press, 1956.
- Barger, Evert, and Philip Wright. *Excavations in Swat and Explorations in the Oxus Territories of Afghanistan*. Calcutta, 1941; reprint, Delhi: Sri Satguru Publications, 1985.
- Barone, Nessim, and Usma Hachima. 'Creativity within Confinement: The Role of Art in the Lives of Pukhtun Women of Pakistan'. *Creativity, Femmes et Development*. Berne: Commission nationale suisse pour l'UNESCO; Berne: DDC, Direction du developpement et de la corporation Department federal des affaires etrangeres; Geneva: Institute University D'etudes du Development, 1997.
- Barth, Fredrik. *Indus and Swat Kohistan: An Ethnographic Survey*. Oslo: Forenede Trykkerier, 1956.
- \_\_\_\_\_. *Political Leadership among Swat Pathans*. London: The Athlone Press, 1959.
- \_\_\_\_\_. *Features of Person and Society in Swat: Collected Essays on Pathans, Selected Essays of Fredrik Barth*. Vol. 2. Edited by Adam Kup. London: Routledge & Kegan Paul Ltd., 1981.
- \_\_\_\_\_. *The Last Wali of Swat: An Autobiography as told to Fredrik Barth*. London, 1985; reprint, Bangkok: White Orchid Press, 1995
- Barton, William. *The Princes of India with a Chapter on Nepal*. Reprint, New Delhi: Cosmos Publications, 1983.
- Barua, Beni Madhab. *Asoka and His Inscriptions*. 1946; 2nd edn. Calcutta: New Age Publishers Ltd., 1955.
- Bellew, H.W. *A General Report on the Yusufzais*. 1864; 3rd edn. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1994.
- \_\_\_\_\_. *An Inquiry into the Ethnography of Afghanistan*. London, 1891; reprint, Karachi: Indus Publications, 1977.
- \_\_\_\_\_. *The Races of Afghanistan: Being a Brief Account of the Principal Nations Inhabiting that Country*. Reprint, Lahore: Sh. Mubarak Ali, n.d.
- Biddulph, John. *Tribes of the Hindoo Koosh*. Preface to the 1971 edition by Karl Gratzl. Reprint, Lahore: Ali Kamran Publishers, 1986.
- Bokhari, Syed Abid, ed. and compiler. *Through the Centunes: North-West Frontier Province*. Quetta: Mr Reprints, 1993.
- Bridget and Raymond Allchin. *The Rise of Civilization in India and Pakistan*. Cambridge: Cambridge University Press, 1982.
- Bruce, Richard Isaac. *The Forward Policy and its Results or Thirty-Five Years*

- work amongst the Tribes on Our North-Western Frontier [of India]*. London Longmans, Green, and Co., 1900; 2nd edn. in Pakistan, Quetta: M/S Nisa Traders, 1979
- Caroe, Olaf *The Pathans, 550 BC-AD 1957*. London: Macmillan and Company Ltd., 1958; reprint, Karachi: Oxford University Press, 1976.
- Chandra, Moti. *Trade and Trade Routes in Ancient India*. New Delhi: Abhinav Publications, 1977
- Chauhan, Rana Ali Hasan. *A Short History of the Gujars (Past and Present)*. Gujranwala: Chauhan Publications, 1998.
- Cheema, Shahbaz Ahmad. *The Land of Beauty: Valley Swat, Valley Chitral, Pakistan*. Mingawara, Swat: Shoaib Sons Publishers and Booksellers, 2003
- Churchill, Winston S. *The Story of the Malakand Field Force: An Episode of Frontier War*. Longmans, Green & Co., 1898; London: Leo Cooper in Association with Octopus Publishing Group Ple, 1989.
- [Cunningham, Alexander]. *Cunningham's Ancient Geography of India*. Edited with introduction and notes by Surendranath Majumdar Sastri. Calcutta: Chuckervertty, Chatterjee & Co. Ltd., 1924
- Dani, Ahmad Hasan. *History of Northern Areas of Pakistan*. 1989; 2nd edn. Islamabad. National Institute of Historical and Cultural Research, 1991.
- \_\_\_\_\_. *Peshawar: Historic City of the Frontier*. [1969; 2nd edn.] Lahore: Sang-e-Meel Publication, 1995
- \_\_\_\_\_. *New Light on Central Asia*. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1996.
- d'Auvergne, V. *Zindari: A Daughter of the Indian Frontier and other Thrilling Tales of the Indian Frontier*. Reprint, Karachi: Indus Publications, 1982.
- Davies, C. Collin. *The Problem of the North-West Frontier, 1890-1908*. Cambridge University Press, 1932; 2nd edn. rev. and enlarged, London: Curzon Press Ltd., 1975.
- Deambi, B.K. Koul. *History & Culture of Ancient Gandhara and Western Himalayas from Sarada Epigraphic Sources*. New Delhi: Ariana Publishing House, 1985.
- Dichter, David. *The North-West Frontier of West Pakistan: A Study in Regional Geography*. London: Oxford University Press, 1967.
- Dodwell, H.H., and R.R. Sethi, eds. *The Cambridge History of India*. Vol. 6, *The Indian Empire, 1858-1918, with Chapters on the Development of Administration 1818-1858 and the Last Phase 1919-1947*. Published in India, Delhi: S. Chand & Co., 1964.
- Dupree, Louis. *Afghanistan*. Princeton: Princeton University Press, 1973.
- Effendi, Aslam, and Mahmud Butt. *Swat: Dreamland of Tourists [Brochure]*. Karachi: Swat Tourist Agency Ltd., n.d.
- Elliott, J.G. *The Frontier, 1839-1947: The Story of the North-West Frontier of India*. With a Preface by Olaf Caroe. London: Cassell & Company Ltd., 1968.
- Embree, Ainslie T., ed. *Pakistan's Western Borderlands: The Transformation*

- of a *Political Order*. 1977; reprint, New Delhi: Vikas Publishing House Pvt Ltd., 1985.
- Erskine, William. *A History of India under the Two First Sovereigns of the House of Taimur: Baber and Humayun*. Vol. 1. London, 1854; 2nd edn Shannan: Irish University Press, 1972.
- \_\_\_\_\_. *A History of India under Baber*. London, 1854. With an Introduction by P. Hardy. Reprint, Karachi: Oxford University Press, 1974
- Faccenna, Domenico. *A Guide to the Excavations in Swat (Pakistan) 1956-1962*. Rome: Department of Archaeology of Pakistan, and Istituto Italiano per il Medio ed Estremo Oriente, 1964
- \_\_\_\_\_. *Butkara I (Swat, Pakistan) 1956-1962. Part 2. Text*. Rome: Istituto Italiano per il Medio ed Estremo Oriente, 1980
- \_\_\_\_\_. *Butkara I (Swat, Pakistan) 1956-1962. Part 5.1. Plates*. Rome: Istituto Italiano per il Medio ed Estremo Oriente, 1981.
- \_\_\_\_\_. *Butkara I (Swat, Pakistan) 1956-1962. Part 5.2. General Plans*. Rome: Istituto Italiano per il Medio ed Estremo Oriente, 1981.
- Faccenna, Domenico and Giorgio Gullini. *Reports on the Campaigns 1956-1958 in Swat (Pakistan); Mingora: Site of Butkara I; Udegram*. Rome: Istituto Poligrafico Dello Stato, 1962
- [Fa-Hein]. *The Pilgrimage of Fa Hian: From the French edition of the Foe K Kj of M.M. Remuset, Klaproth, and Landresse with Additional Notes and Illustrations*. Translated and ed. by Anonymous. Calcutta, 1848; Calcut Bangabasi Office, 1912.
- \_\_\_\_\_. *A Record of Buddhistic Kingdoms*. Translated and annotated with Corean Recension of the Chinese Text, by James Legge. Oxford: Clarendon Press, 1986; reprint, New Delhi: Munshiram Manoharal, Publishers Pvt. Ltd., 1991.
- Faiz, Ashraf. *The Parachgan*. Lahore: The Frontier Post Publications, 1994.
- Faroosh, Syed Mian Gul. *The Wali of Swat: Mian Gul Shahzada Mohammad Abdul Haq Jehanzeb*. n.p., n.d.
- Feldman, Herbert. *The Land and People of Pakistan*. London: Adam and Charles Black, 1958.
- Ferishta, Mahomed Kasim [Muhammad Qasim]. *History of the Rise of the Mahomedan Power in India, till the year AD 1612*. Translated by John Briggs. Vol. 2., reprint, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1977.
- Fisher, Robert E. *Buddhist Art and Architecture*. Reprint, London: Thames and Hudson Limited, 1996.
- Foucher, A. *Notes on the Ancient Geography of Gandhara: (A Commentary on a Chapter of Hsuan Tsang)*. Translated by H. Hargreaves. Calcutta: Superintendent Government Printing Press, India, 1915.
- Getley, George. *Swat: Switzerland of the East*. n.p., n.d.
- Grima, Benedicte. *The Performance of Emotion among Paxtun Women*. Austin: University of Texas Press. 1992; Karachi: Oxford University Press, 1993.

- Habib, Mohammad. *Sultan Mahmud of Ghazni: A Study*. 1st Pakistani edn, Lahore: Universal Books, 1978
- Hamilton, Angus. *Afghanistan. With a Map and numerous Illustrations*. London: William Heinemann, 1906
- Haq, Syed Moinul. *The Great Revolution of 1857*. Karachi: Pakistan Historical Society, 1968
- Haque, Mian Manzoorul. *Around Khyber. A Brochure on the Physical, Economic, Agricultural, Industrial, Social and Cultural aspects of the North-West Frontier Province, the Frontier States & the Tribal Areas*. n.p., A Pie Publication, n.d.
- Harvi, Niamatullah. *History of the Afghans: Translated from the Persian of Neamatullah*. Translated by Bernhard Dorn. 3rd edn. Karachi: Indus Publications, 2001.
- Hisam, Zeenat [ed.], and Alain Viaro. *Mingora: The Unplanned City, Dynamics of Development and Public Participation*. Karachi: City Press, 2002.
- Hodson, H.V. *The Great Divide: Britain-India-Pakistan*. Karachi: Oxford University Press, 1969.
- Holdich, T. Hungerford. *The Indian Borderland, 1880-1900*. 1st reprint in India, Delhi: Gian Publishing House, 1987.
- Hunter, W.W. *The Indian Musalmans*. 2nd edn. London: Trubner and Company, 1872.
- Ibbetson, Denzil. *Punjab Castes*. 1916; reproduced, Delhi: Low Price Publications, 1993.
- \_\_\_\_\_. *Punjab Castes*. 1882; reprint, Lahore: Sh. Mubarak Ali, 1974.
- Inam-ur-Rahim and Alain Viaro. *Swat: An Afghan Society in Pakistan; Urbanisation and Change in a Tribal Environment*. Karachi: City Press, 2002.
- Inayat-ur-Rahman. *Folk Tales of Swat*. Part 2. Peshawar: n.p., 1984.
- Jairazbhoy, R.A. *Foreign Influences in Ancient India*. Bombay: Asia Publishing House, 1963.
- Janjua, Ziaul Islam. *The Jirga Laws*. Lahore: Lahore Law Times Publications, n.d.
- Jettmar, Karl. *Bolor & Dardistan*. Reprint, Islamabad: National Institute of Folk Heritage, 1980.
- Kakar, M. Hasan. *Afghanistan: A Study in International Political Developments, 1880-1896*. Kabul, 1971.
- Kalter, Johannes, ed. *The Arts and Crafts of the Swat Valley*. London: Thames and Hudson Ltd., 1991.
- Keay, John. *The Gilgit Game: The Explorers of the Western Himalayas, 1865-95*. Jhon Murray (Publishers) Ltd., U.K., 1979; Karachi: Oxford University Press, 1993
- Keepel, Arnold. *Gun-Running and the Indian North-West Frontier*. 1911; 1st edn. in Pakistan, Quetta: Gosha-e-Adab, 1979.
- Khan, Abdul Wahab, Bakht Jehan, and M. Usman (eds.). *The River Swat*:

- Experiences of River Swat Conservation Project* Saidu Sharif, Swat Environmental Protection Society (EPS), 2003
- Khan, Abdul Wali. *Facts are Sacred*. Translated by Aziz Siddiqui. Peshawar Jaun Publishers, n.d.
- Khan, Ahmad Nabi. *Buddhist Art and Architecture in Pakistan*. Islamabad: Ministry of Information and Broadcasting, Directorate of Research, Reference and Publication, Government of Pakistan, n.d.
- Khan, Ghani. *The Pathans: A Sketch*. 1947; reprint, Islamabad: Pushto Adabi Society, 1990
- Khan, Makin. *Archaeological Museum Saidu Sharif, Swat: A Guide*. Saidu Sharif: By the author, Archaeological Museum, Saidu Sharif, 1997
- Khan, Mohammad Afzal. *Chitral and Kafiristan*. 1975; Peshawar: Reprint at Printing Corporation of Frontier Ltd., 1980
- Khan, M. Ashraf. *Gandhara Sculptures in the Swat Museum*. Saidu Sharif, Swat: By the author, Archaeological Museum, Saidu Sharif, 1993.
- \_\_\_\_\_. *Buddhist Shrines in Swat*. Saidu Sharif, Swat: By the author, Archaeological Museum, Saidu Sharif, 1993.
- Khan, M. Ashraf, Tahira Tanweer, and Abdul Nasir. *The Ethnological Galleries in the Swat Museum*. Swat: By the authors, Archaeological Museum, Saidu Sharif, 1994
- Khan, Mohammad Said. *The Voice of the Pukhtuns*, n.p., n.d.
- Khan, Mohd. Ayub. *The Evolution of Judicial Systems and Law in the Sub Continent*. n.p., 1987.
- Khan, Muhammad Asif. *The Story of Swat as told by the Founder Miangul Abdul Wadud Badshah Sahib to Muhammad Asif Khan*. With Preface, Introduction and Appendices by Muhammad Asif Khan. Trans. Preface and trans. by Ashruf Altaf Husain. 1962; Printed by: Ferozsons Ltd., Peshawar, 1963.
- Khan, Muhammad Nawaz. *Pakistan: The Evolution of NWFP and the Tribal Area: In Historical, Constitutional, Judicial Retrospect; Also Containing Studies in the PATA (Nifaz-e-Nizam-e-Shariah) Regulation 1994 with Act IV 1995*. Mardan: Radiant Publishers, 1996
- Khan, Sultan Mahomed, ed. *The Life of Abdur Rahman: Amir of Afghanistan*. With a new Introduction by M.E. Yapp. Vol. 2. London: John Murray, 1900; reprint in Pakistan, Karachi: Oxford University Press, 1980
- Khattak, Khushal Khan. *Swat Nama of Khushal Khan Khattak*. Edited and trans. by Shakeel Ahmad. With Preface by Raj Wali Shah Khattak. Peshawar: Pashto Academy, n.d.
- Khattak, Muhammad Habibullah Khan. *Buner: The Forgotten Part of Ancient Uddiyana*. Karachi: By the author, Department of Archaeology and Museums, 1997.
- Khijji, Jalaluddin, ed. *Muslim Celebrities of Central Asia*. Peshawar: Area Study Centre (Central Asia), n.d.
- Lamb, Harold. *Babur the Tiger*. Karachi: Pak Britain Publication, 1989



- Linck, Orville F. *A Passage Through Pakistan*. Detroit: Wayne State University Press, 1959
- Lindholm, Charles. *Generosity and Jealousy: The Swat Pukhtun of Northern Pakistan*. New York: Columbia University Press, 1982
- \_\_\_\_\_. *Frontier Perspectives; Essays in Comparative Anthropology*. Karachi: Oxford University Press, 1996
- Lumby, E.W.R. *The Transfer of Power in India, 1945-7*. London: George Allen & Unwin Ltd., 1954
- Macmunn, George. *The Romance of the Indian Frontiers*. 1st edn. in the second decade of the twentieth century, 1st Pakistani edn. Quetta: Nisa Traders, 1978
- \_\_\_\_\_. *Afghanistan: From Danus to Amanullah*. London: G. Bell & Sons Ltd., 1929.
- \_\_\_\_\_. *The Martial Races of India*. 1st edn. in the second decade of the twentieth century; 2nd Pakistani edn. Quetta: Nisa Traders, 1982.
- \_\_\_\_\_. *Vignettes from Indian Wars*. Reprint, Quetta: Nisa Traders, 1982
- Mahmood, Safdar. *Constitutional Foundations of Pakistan*. Lahore: Publishers United Ltd., n.d.
- Majumdar, R.C., H.C. Raychaudhuri, and Kalkinkar Datta. *An Advanced History of India*. 1946; last reprint in Pakistan, Lahore: Famous Books, 1992
- Marsh, John. *The Young Winston Churchill*. London: World Distributors, 1962.
- Marshall, John. *The Buddhist Art of Gandhara: The Story of the Early School, Its Birth, Growth and Decline*. Cambridge: The Syndics of the Cambridge University Press, for the Department of Archaeology in Pakistan, 1960
- Marwat, Fazal-ur-Rahim and Sayed Wiqar Ali Shah Kakakhel, eds  
*Afghanistan and the Frontier*. Peshawar: EmjayBooks International, 1993.
- Mayne, Peter. *The Narrow Smile: A Journey Back to the North-West Frontier*. London: John Murray (Publishers) Ltd., 1955.
- McMahon, A.H. and A.D.G. Ramsay. *Report on the Tribes of Dir, Swat and Bajour together with the Utman-Khel and Sam Ranizai*. Superintendent of Government Printing, India, 1901; reprinted with an Introduction and ed. by R.O. Christensen. Peshawar: Saeed Book Bank, 1981.
- M'crindle, J.W. *The Invasion of India by Alexander the Great: As Described by Arrian, Q Curtius, Diodoros Plutarch and Justin*. With Introduction by J.W. M'crindle. 1896; reprint, Karachi: Indus Publication, 1992.
- Miller, Charles. *Khyber: British India's North-West Frontier, The Story of an Imperial Migraine*. London: Macdonald and Jane's Publishers Limited, 1977.
- Mills, H. Woosnam. *The Pathan Revolt in North-West India*. Lahore: The Civil and Military Gazette Press, 1897; reprint, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1996.
- Mishra, Yogendra. *The Hindu Sahis of Afghanistan and the Punjab, AD 865-1026*. Patna: Sm. Sushila Devi. 1972

- Mookerji, Radhakumud Asoka. London, 1928; reprint, Delhi: Motilal Banarsidass, 1986.
- Moon, Penderel, ed. *Wavell: The Viceroy's Journal*. 1973; reprint, Karachi: Oxford University Press, 1997.
- Morgenstierne, Georg. *Report on a Linguistic Mission to North-Western India*. Norway, 1932; reprint, Karachi: Indus Publications, n.d.
- Narain, A.K. *The IndoGreeks*. 1957; reprint, London: Oxford University Press, 1962.
- Nazim, Muhammad. *The Life and Times of Sultan Mahmud of Ghazna*. With Foreword by Thomas Arnold. Cambridge, 1931; reprint, Lahore: Khalil & Co., 1973.
- Nevill, H.L. *Campaigns on the North-West Frontier*. London: John Murray, 1912; reprint, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1977.
- Nichols, Robert. *Settling the Frontier: Land, Law, and Society in the Peshawar Valley, 1500-1900*. Karachi: Oxford University Press, 2001.
- Obhrai, Diwan Chand. *The Evolution of North-West Frontier Province*. Reprint, Peshawar: Saeed Book Bank, 1983.
- Oliver, Edward E. *Across the Border or Pathan and Biloch*. London: Chapman and Hall Ltd., 1890; Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2000.
- Pennell, T.L. *Among the Wild Tribes of the Afghan Frontier: A Record of Sixteen years close Intercourse with the Natives of the Indian Marches*. With an Introduction by Earl Roberts. London: George Bell & Sons, 1911.
- Popowski, Joseph. *The Rival Powers in Central Asia*. Translated by Arthu Baring Brant. Edited with Introduction by Charles E.D. Black. Westminster: Archibald Constable and Company, 1893; 1st edn. in Pakistan, Quetta: Gosh-e-Adab, 1977.
- Powell-Price, J.C. *A History of India*. London: Thomas Nelson and Sons Ltd., 1955.
- Qasmi, Muhammad Abdul Ghafoor. *The History of Swat*. Peshawar: Printed by D.C. Anand & Sons, 1940.
- Quddus, Syed Abdul. *The Pathans*. Lahore: Ferozsons (Pvt.) Ltd., 1987.
- \_\_\_\_\_. *The Cultural Patterns of Pakistan*. Lahore: Ferozsons (Pvt.) Ltd., 1989.
- \_\_\_\_\_. *The North-West Frontier of Pakistan*. Karachi: Royal Book Company, 1990.
- \_\_\_\_\_. *Pakistan from Khyber to Karachi*. Lahore: Islamic Book Centre, n.d.
- Qureshi, Ishtiaq Husain. *Ulema in Politics*. 2nd edn. Karachi: Ma'aref Limited, n.d.
- \_\_\_\_\_. ed. *A Short History of Pakistan*. 2nd edn. Karachi: University of Karachi, 1961/1984.
- Qureshi, Mohammed Ibrahim. *The First Punjabis: History of the First Punjab Regiment, 1759-1956*. Aldershot: Gale & Porden Ltd. 1958.
- Rapson, E.J., ed. *The Cambridge History of India*. Vol. 1. *Ancient India*. 1st Indian reprint, Delhi: S. Chand & Co., 1955.

- Rashid, Abdur. *Civil Service on the Frontier*. n p., n d.
- Rehman, Abdur. *The Last Two Dynasties of the Sahis: (An analysis of their history, archaeology, coinage and palaeography)*. Islamabad: Director, Centre for the Study of the Civilizations of Central Asia, 1979.
- Reventlow, Count Ernst Zu. *India: Its Importance for Great Britain, Germany and the future of the World*. Berlin, 1917. Translated into English in Central Intelligence Office, Simla, 1918.
- Raverty, Henry George. *Notes on Afghanistan and Baluchistan*. 2 Vols. 2nd edn. in Pakistan. Quetta: Nisa Traders, 1982.
- Rhys-Davids, T.W. *Buddhist India*. 1903; 3rd Indian edn. Calcutta: Susil Gupta (India) Ltd., 1957.
- Richards, D.S. *The Savage Frontier: A History of the Anglo-Afghan Wars*. London: Macmillan London Limited, 1990.
- Roberts, Lord. *Forty-One Years in India: From Subaltern to Commander-in-Chief*. New edition in one volume. London: Macmillan and Co. Limited, 1898.
- Roberts, P.E. *History of British India: Under the Company and the Crown*. 1921; 3rd edn. London: Oxford University Press, 1952.
- Robertson, George S. *Chitral: The Story of a Minor Siege*. 2nd edn. London: Methuen & Co., 1899.
- Rose, H.A., comp. *A Glossary of the Tribes and Castes of the Punjab and North-West Frontier Province*. Based on the Census Report for the Punjab, 1883, by Denzil Ibbetson; and the Census Report for the Punjab, 1892, by E.D. MacLagan. Vol. 3. 1911; 1st Pakistani edn. Lahore: Aziz Publishers, 1978.
- Sarkar, Jadunath, *History of Aurangzeb*. Vol. 3. *Northern India, 1658-1681*. 1928; new edn. reprinted, Karachi: South Asian Publications, 1981.
- Savill, Agnes. *Alexander the Great and His Time*. 1951; 3rd edn. London: Barrie and Rockliff (Barrie Books Ltd.), 1959.
- Scott, George B. *Afghanistan and Pathan: A Sketch*. London: The Mitre Press, 1929.
- Shaw, Isobel. *Pakistan: Handbook*. Hong Kong: The Guidebook Company Limited, 1989.
- [Shui-ching-chu]. *Northern India According to the Shui-ching-chu*. Translated by L. Petech. Oriental Series 2. Rome: Istituto Italiano per il Medio ed Estremo Oriente, 1950.
- Singer, Andre. *Lords of the Khyber: The Story of the North-West Frontier*. London: Faber and Faber Ltd., 1984.
- Singer, Andre, et.al. *Guardians of the North-West Frontier?: The Pathans*. Reprint, Karachi: Liberty Books (Private) Limited, 1991.
- Skeen, Andrew. *Passing it on: Short Talks on Tribal Fighting on the North-West Frontier of India*. 1932; 1st Pakistani edn. Lahore: Aziz Publishers, 1978.
- Smith, Vincent A. *Asoka: The Buddhist Emperor of India*. 2nd edn. revised and

enlarged. 1st Indian reprint, Delhi: S. Chand & Co., 1957.

\_\_\_\_\_. *The Early History of India: From 600 BC to the Muhammadan Conquest, Including the Invasion of Alexander the Great*. 1924; 4th edn revised by S.M. Edwardes. London: Oxford University Press, 1957.

\_\_\_\_\_. *Akbar: The Great Mogul, 1542-1605*. 2nd edn. revised. Indian reprint, Delhi: S. Chand & Co., 1958.

Spain, James W. *The Way of the Pathans*. Great Britain, 1962; 7th Impression, Karachi: Oxford University Press, 1994.

\_\_\_\_\_. *The People of the Khyber: The Pathans of Pakistan*. 1962; New York: Frederick A. Praeger, Inc., 1963.

\_\_\_\_\_. *The Pathan Borderland*. 1963; reprint, Karachi: Indus Publications, 1985.

\_\_\_\_\_. *Pathans of the Latter Day*. Karachi: Oxford University Press, 1995.

Stacul, Giorio. *Prehistoric and Protohistoric Swat, Pakistan (c.3000-1400 BC)*. With Foreword by Karl Jettmar; and contributions by Bruno Compagnoni and Lorenzo Costantini. Rome: Is MEO, 1987.

Stacul, Giorgio, and Sebastiano Tusa. *Report on the Excavations at Aligrama (Swat, Pakistan)*, 1974. Rome: Is MEO, n.d.

Stein, Aurel. *On Alexander's Track to the Indus: Personal Narrative of Explorations on the North-West Frontier of India*. 1928; reprint, Karachi: Indus Publication, 1995.

Stephens, Ian. *Horned Moon: An Account of a Journey through Pakistan, Kashmir, and Afghanistan*. Bloomington: Indiana University Press, 1955.

Sultan-i-Rome. 'Merger of Swat State with Pakistan: Causes and Effects.' *MARC Occasional Papers No. 14 - April 1999*. Edited by Alain Viaro and Arlette Ziegler. Geneva: Modern Asia Research Centre; Graduate Institute of International Studies; Graduate Institute of Development Studies; The University of Geneva, 1999.

\_\_\_\_\_. 'Role of Jirga in the Formulation of Laws in Swat State.' *Proceedings of the International Workshop on Urban and Environmental Management: Local Dynamics in Intermediary Cities in the situation of Centralised Governments*. Edited by Alain Viaro, and Arlette Ziegler. Geneva: Graduate Institute of Development Studies, June 2000.

\_\_\_\_\_. 'Land Ownership in Swat: Historical and Contemporary Perspective.' *Land Tenure and Resource Ownership in Pakistan*. editors Zabta Khan Shinwari and Ashiq Ahmad Khan. Peshawar: By the Editors, WWF-Pakistan, 2002.

\_\_\_\_\_. *Forestry in the Princely State of Swat and Kalam (North-West Pakistan): A Historical Perspective on Norms and Practices*. IP6, Working Paper 6. Zurich Swiss National Centre of Competence in Research (NCCR), North-South, 2005.

\_\_\_\_\_. 'Miangul Abdul Wadud.' *Celebrities of NWFP*. Vol. 1 & 2. Peshawar: Pakistan Study Centre, University of Peshawar, 2005.

\_\_\_\_\_. 'Governance of Forests in Swat since sixteenth Century.' *Troubled*

- Times: Sustainable Development and Governance in the Age of Extremes* Sama Editorial and Publishing Services. Karachi, and Sustainable Development Policy Institute (SDPI), Islamabad, 2006
- Swati, Muhammad Farooq. 'Recent Discovery of Buddhist Sites in the Swat Valley.' *Atharriyat*, Vol. 1. A Research Bulletin of National Heritage Foundation Peshawar, September 1997
- Swinson, Arthur. *North-West Frontier: People and Events, 1839-1947*. London: Hutchinson & Co. (Publishers) Ltd., 1967.
- Tarn, W.W. *The Greeks in Bactria & India*. 1938; reprint, Cambridge: The Syndics of the Cambridge University Press, 1966
- Taylor, Meadows. *A Students Manual of the History of India*. London: Langmans, Green, and Co., 1895
- Thomson, H.C. *The Chitral Campaign*. Reprint, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1981.
- Trotter, Lionel J. *The Life of John Nicholson, Soldier and Administrator: Based on Private and Hitherto Unpublished Documents*. London: John Murray, 1905; 1st edn. in Pakistan, Karachi: Karimsons, 1978
- [Tsiang, Hiuen]. *Chinese Accounts of India: Translated from the Chinese of Hiuen Tsiang*, Vols. 1 & 2. Translated & annotated by Samuel Beal. New edn. Calcutta: Susil Gupta (India), Limited, 1957.
- Tucci, G. *Travels of Tibetan Pilgrims in the Swat Valley*. Calcutta: The Greater Indian Society. Also in G. Tucci. *On Swat: Historical and Archaeological Notes*. Rome, 1997.
- Verma, H.C. *Medieval Routes to India, Baghdad to Delhi: A Study of Trade and Military Routes*. Lahore: Book Traders, n.d
- Warburton, Robert. *Eighteen Years in the Khyber, 1879-1898*. 1900; reprint, Karachi: Oxford University Press, 1975
- Wheeler, J. Talboys. *A Short History of India and of the Frontier States of Afghanistan, Nepal, and Burma. With Maps and Tables*. London: Macmillan and Co., 1884.
- Wilcox, Wayne Ayres. *Pakistan: The Consolidation of a Nation*. New York: Columbia University Press, 1963.
- Williams, L.F. Rushbrook. *The State of Pakistan*. London: Faber and Faber, 1962.
- Woodcock, George. *The Greeks in India*. London: Faber and Faber Ltd., 1966.
- Wyly, H.C. *The Borderland: The Country of The Pathans*. [First published under the title *From the Black Mountains to Waziristan*, 1912]. Reprint, Karachi: Indus Publications, 1998.
- Yosufzai, M. Saeedullah Khan. *Attractions of Swat*. n.p., 1996.
- Youngusband, G.J. and Francis Youngusband. *The Relief of Chitral*. October 1895; reprint, Rawalpindi: English Book House, 1976.
- Yunus, Mohammad. *Frontier Speaks*. With Foreword by Jawahar Lal Nehru. Preface by Khan Abdul Ghaffar Khan. Lahore: Minerva Book Shop, n.d.
- Yusufi, Allah Bukhsh. *The Frontier Tragedy*. All India Khilafat Committee,

- 1930, 2nd edn. Karachi: Mohammad Ali Educational Society, 1986
- A Glossary of the Tribes and Castes of the Punjab and NorthWest Frontier Province*. Vol. 1. Reprint, Lahore: Aziz Publishers, 1978.
- Durand Line*. n.p., n.d.
- Guide to Pakistan*. Karachi: Ferozsons Limited, n.d.
- Italian Archaeological Mission, (IsMEO) Pakistan, Swat, 1956-1981: Documentary Exhibition*. Rome: Istituto Italiano per il Medio ed Estremo Oriente, 1982
- Jinnah: Speeches and Statements 1947-1948*. With Introduction by S.M Burke. The Millennium Series. Karachi: Oxford University Press, 2000
- Pakistan Miscellany*. Vol. 2. Karachi: Pakistan Publications, 1958.
- Struggle for Independence, 1857-1947: A Pictorial Record*. Karachi: Pakistan Publications, 1958.
- The Risings on the North-West Frontier*. Compiled from the Special Correspondence of the Pioneer. Allahabad: The Pioneer Press, 1898.

## JOURNALS

### *Journals in English*

- Agrawala, R.C. 'An Interesting Relief from the Swat Valley (I),' *East and West* (Rome). Vol. 16 (March-June 1966), pp. 82-83
- Ali, Usman and Mohammad Aslam Khan. 'Origin and Diffusion of Settlement in Swat Valley,' *Pakistan Journal of Geography* (Peshawar). Vol. 1 (June-December 1991), pp. 97-115.
- Ansari, Arif A. 'The North-West Frontier Policy of the Mughuls under Akbar.' *Journal of the Pakistan Historical Society* (Karachi). Vol. 4 (January 1956), pp. 36-63.
- Antonini, Chiara Silvi, 'Swat and Central Asia.' *East and West* (Rome). Vol. 19 (March-June 1969), pp. 100-115.
- Asad, Talal. 'Market Model, Class Structure and Consent: A Reconsideration of Swat Political Organization.' *Man* (London). Vol. 7 (March 1972), pp. 74-94.
- Barth, Fredrik. 'Ecologic Relationships of Ethnic Groups in Swat, North Pakistan.' *American Anthropologist*. Vol. 58 (December 1956), pp. 1079-89
- \_\_\_\_\_. 'Segmentary Opposition and the Theory of Games: A Study of Pathan Organization.' *The Journal of the Royal Anthropological Institute of Great Britain and Ireland* (London). Vol. 89 (1959), pp. 5-21
- Burton-Page, John. 'Muslim Graves of the Lesser Tradition: Gilgit, Puniyal, Swat, Yusufzai.' *Journal of the Royal Asiatic Society of Great Britain & Ireland* (London). [Vol. not given] (1986), pp. 249-54.
- Dupree, Louis. 'On Two Views of the Swat Pushtun.' *Current Anthropology* Vol. 18 (September 1977), pp. 514-18.
- Fahim, Mohammad. 'Afghanistan and World War-I'. *Journal of the Pakistan*

- Historical Society* (Karachi). Vol. 24 (April 1978), pp. 107-15
- Gullini, Giorgio. 'Marginal Note on the Excavations at the Castle of Udegram: Restoration Problems.' *East and West* (Rome). Vol. 9 (December 1958), pp. 329-48
- Hassan, Syed Minhajul. 'The Impact of Mountbatten-Nehru Relationship on the Partition of India.' *Journal of the Pakistan Historical Society* (Karachi). Vol. 44 (July 1996), pp. 229-42.
- Hay, W.R. 'The Yusufzai State of Swat.' *The Geographical Journal* (London) Vol. 84 (September 1934), pp. 236-46.
- Jaffar, Ghulam Muhammad. 'The Ambellia Campaign and the Followers of Sayyid Ahmad.' *Journal of the Pakistan Historical Society* (Karachi). Vol. 40 (July 1992), pp. 289-97
- Khan, Aftab Ahmad. 'Field Research in Swat.' *Journal of the Pakistan Historical Society* (Karachi), Vol. 35 (October 1987), pp. 285-96.
- Khan, Javed Ali. 'Two Historical Works on Punjab: Gulshan-e-Punjab and Makhzan-e-Punjab.' *Journal of the Pakistan Historical Society* (Karachi). Vol. 44 (October 1996), pp. 309-34
- Khan, Munawwar. 'Swat in History.' *Peshawar University Review* (Peshawar). Vol. 1 (1973), pp. 51-63.
- \_\_\_\_\_. 'Swat.' *Peshawar University Review* (Peshawar). Vol. 1 (1974-75), pp. 57-77.
- Khurshid. 'Sandakai Mullah: Career and Role in the Formation of Swat State, Pakistan.' *Journal of the Pakistan Historical Society* (Karachi). Vol. 47 (April-June 1999), pp. 77-81.
- Lindholm, Charles. 'Contemporary Politics in a Tribal Society: Swat District, NWFP, Pakistan.' *Asian Survey*. Vol. 19 (May 1979), pp. 485-505.
- \_\_\_\_\_. 'The Structure of Violence Among the Swat Pakhtun.' *Ethnology* (Pittsburgh). Vol. 20 (April 1981), pp. 147-56.
- \_\_\_\_\_. 'Leatherworkers and Love Potions' *American Ethnologist* (Washington D.C.). Vol. 8 (August 1981), pp. 512-25.
- Meeker, Michael E. 'The Twilight of a South Asian Heroic Age: A Rereading of Barth's Study of Swat.' *Man* (London). Vol. 15 (December 1980), pp. 682-701.
- Menon, M.M. 'Swat: Some Aspects of its Geography.' *Pakistan Geographical Review* (Lahore). Vol. 12 (1957), pp. 58-64.
- Muncherji, D.H. 'Swat: The Garden of Asoka.' *Pakistan Quarterly* (Karachi). Vol. 9 (3, 1959), pp. 40-45.
- Niazi, Shaheer. 'The Origin of the Pathans.' *Journal of the Pakistan Historical Society* (Karachi). Vol. 18 (January 1970), pp. 23-38.
- Oman, Giovanni. 'On Eight Coins of Akbar Found in a Rock-Shelter near Ghaligai, Swat.' *East and West* (Rome). Vol. 20 (March-June 1970), pp. 105-107.
- Paine, Robert. 'The Stamp of Swat: A brief Ethnography of Some of the Writings of Fredrik Barth.' *Man* (London). Vol. 17 (June 1982), pp. 328-39.

- Pardini, Edoardo. 'The Human Remains from Aligrama Settlement (Swat, Pakistan).' *East and West* (Rome). Vol. 27 (December 1977), pp. 207-26
- Ptech, Luciano. 'A Kharosthi Inscription from Butkara I (Swat),' *East and West* (Rome). Vol. 16 (March-June 1966), pp. 87-81.
- Raverty, H.G. 'An account of Upper and Lower Suwat, and the Kohistan, to the source of the Suwat River; with an account of the tribes inhabiting those valleys.' *Journal of the Asiatic Society* (Calcutta). Vol. 31 (1862), pp. 227-81.
- Rehman, Abdur. 'The Zalamkot Bilingual Inscription.' *Lahore Museum Bulletin* (Lahore). Vols. 10 & 11 (1997-1998), pp. 35-40
- \_\_\_\_\_. 'Ethnicity of the Hindu Shahis.' *Journal of the Pakistan Historical Society* (Karachi). Vol. 51 (July-September 2003), pp. 3-10.
- Srinivasan, Doris Meth. 'The Tenacity of Tradition: Art From the Vale of Swat.' *Aramco World* (Houston). Vol. 48 (January/February 1997), pp. 2-15
- Stacul, Giorgio. 'Preliminary Report on the Pre-Buddhist Necropolis in Swat (W. Pakistan).' *East and West* (Rome). Vol. 16 (March-June 1966), pp. 37-79.
- \_\_\_\_\_. 'Notes on the Discovery of a Necropolis near Kherai in the Ghorband Valley (Swat-West Pakistan).' *East and West* (Rome). Vol. 16 (September-December 1966), pp. 261-74.
- \_\_\_\_\_. 'Excavations in a Rock Shelter near Ghaligai (Swat, W. Pakistan): Preliminary Report.' *East and West* (Rome). Vol. 17 (September-December 1967), pp. 185-219.
- \_\_\_\_\_. 'Discovery of Four Pre-Buddhist Cemeteries near Pacha in Buner (Swat W. Pakistan).' *East and West* (Rome). Vol. 17 (September-December 1967), pp. 220-32.
- \_\_\_\_\_. 'Excavation near Ghaligai (1968) and Chronological Sequence of Protohistorical Cultures in the Swat Valley (W. Pakistan).' *East and West* (Rome). Vol. 19 (March-June 1969), pp. 44-91.
- \_\_\_\_\_. 'An Archaeological Survey near Kalam (Swat Kohistan).' *East and West* (Rome). Vol. 20 (March-June 1970), pp. 87-91.
- \_\_\_\_\_. 'The Gray Pottery in the Swat Valley and the Indo-Iranian Connections (c.1500-300 BC).' *East and West* (Rome). Vol. 20 (March-June 1970), pp. 92-102.
- \_\_\_\_\_. 'Dwelling and Storage-Pits at Leobanr III (Swat, Pakistan) 1976 Excavation Report.' *East and West* (Rome). Vol. 27 (December 1977), pp. 227-53.
- Stacul, Giorgio and Sebastiano Tusa. 'Report on the Excavations at Aligrama (Swat, Pakistan) 1974.' *East and West* (Rome). Vol. 27 (December 1977), pp. 151-205.
- Stein, Aurel. 'From Swat to the Gorges of the Indus.' *The Geographical Journal* (London). Vol. 100 (August 1942), pp. 49-56.
- Sultan-i-Rome. 'Abdul Ghaffur (Akhund), Saidu Baba of Swat: Life, Career and Role.' *Journal of the Pakistan Historical Society* (Karachi). Vol. 40 (July



1992), pp. 299-308

\_\_\_\_\_. 'The Sartor Faqir: Life and Struggle against British Imperialism.' *Journal of the Pakistan Historical Society* (Karachi). Vol. 42 (January 1994) pp. 93-105.

\_\_\_\_\_. 'The Malakand Jihad (1897): An Unsuccessful Attempt to oust the British from Malakand and Chakdarah.' *Journal of the Pakistan Historical Society* (Karachi). Vol. 43 (April 1995), pp. 171-86

\_\_\_\_\_. 'Bayazid Ansari and his Khairul Bayan.' *Hamdard Islamicus* (Karachi) Vol. 20 (July-September 1997), pp. 87-95.

\_\_\_\_\_. 'Jirga: Its Role in the Formulation of Laws in Swat State.' *Udyana Today* (Saidu Sharif, Swat). Vol. 6 (April-June 1999), pp. 2-4

\_\_\_\_\_. 'Merger of Swat State with Pakistan: Causes and Effects.' *Journal of the Pakistan Historical Society* (Karachi). Vol. 47 (July-September 1999), pp. 53-64.

\_\_\_\_\_. 'Judicial System, Judiciary and Justice in Swat: The Swat State Era and the Post-State Scenario.' *Journal of the Pakistan Historical Society* (Karachi). Vol. 49 (October-December 2001), pp. 89-100.

\_\_\_\_\_. 'Mughals and Swat.' *Journal of the Pakistan Historical Society* (Karachi) Vol. 50 (October-December 2002), pp. 39-50.

\_\_\_\_\_. 'The Durand Line Agreement (1893): Its Pros and Cons.' *Journal of the Research Society of Pakistan* (Lahore). Vol. 41 (July 2004), pp. 1-25.

\_\_\_\_\_. 'The Role of the North-West Frontier Province in the Khilafat and Hijrat Movements.' *Islamic Studies* (Islamabad). Vol. 43 (Spring, No. 1), pp. 51-78.

\_\_\_\_\_. 'Swat State's Relations with the British: An Appraisal of Miangul Abdul Wadud's Reign.' *Journal of the Pakistan Historical Society* (Karachi). Vol. 53 (April-June 2005), pp. 65-85

\_\_\_\_\_. 'Geography of North-West Frontier Province in Historical Perspective.' *Pakistan Perspectives* (Karachi). Vol. 11 (January-June 2006), pp. 113-32.

\_\_\_\_\_. 'Origin of Pukhtuns: The Bani Israelite Theory.' *Journal of the Pakistan Historical Society* (Karachi). Vol. 54 (October-December 2006), pp. 73-104.

\_\_\_\_\_. 'Administrative System of the Princely State of Swat.' *Journal of the Research Society of Pakistan* (Lahore). Vol. 43 (December 2006), pp. 181-99.

\_\_\_\_\_. 'Pukhtu: The Pukhtun Code of Life.' *Pakistan Vision* (Lahore). Vol. 7 (December 2006), pp. 1-30.

\_\_\_\_\_. 'Education in the Princely State of Swat.' *Hamdard Islamicus* (Karachi). Vol. 30 (July-September 2007).

Taddei, Maurizio. 'An Interesting Relief from the Swat Valley (II).' *East and West* (Rome). Vol. 16 (March-June 1966), pp. 84-88.

\_\_\_\_\_. 'A Problematical Toilet-tray from Udegram.' *East and West* (Rome). Vol. 16 (March-June 1966), pp. 89-93.

Tucci, Giuseppe. 'Preliminary Report on an Archaeological Survey in Swat.'

*East and West* (Rome). Vol. 9 (December 1958), pp. 279-328

\_\_\_\_\_. 'Oriental Notes V: Preliminary Account of an Inscription from North-West Pakistan.' *East and West* (Rome). Vol. 20 (March-June 1970), pp. 103-104

\_\_\_\_\_. 'On Swat: The Dards and Connected Problems.' *East and West* (Rome). Vol. 27 (December 1977), pp. 9-103.

## MAGAZINES

Khan, Zaigham. 'The Lost World.' *Herald* (Karachi). Vol. 28 (December 1997), pp. 116-18.

\_\_\_\_\_. 'The Beginning of the End.' *Herald* (Karachi). Vol. 28 (December 1997), pp. 121-22.

Sufi, Sultan-i-Rome. 'Shaikh Mali Baba.' *Amn* (Weekly [Pukhtu]), Peshawar, 7 March 1992.

*Swat Adabi Series* [Urdu]. Mingawara, Swat, February-March 1987.

*Rah-e-Wafa* [Urdu]. Vol. 4, No. 13. Karachi, July 2004.

## NEWSPAPERS

### *Newspapers in English*

Jillani, Anees. 'Forgotten Tribal Areas'. *The News International*. Islamabad, August 1998

Khan, Amir Zaman. 'Law that Governs the People of Malakand Division'. *The Frontier Post, Weekend Post*. Peshawar, 15 July 1988.

Khan, Munawwar. 'Chitral Expedition & the 1897 Uprising-I.' *The Frontier Post*. Peshawar, 15 March 1995.

Kiani, Khaleeq. 'Mallam Jabba Hill Resort: Glaring Example of Negligence.' *The News International*. Islamabad, 4 August 1998.

Mahiyuddin, Umar. 'Saidu Baba of Swat.' *The Frontier Post, Weekend Post*. Peshawar, 19 February 1988.

Sultan-i-Rome. 'Saidu Baba and the Spread of Islam.' *The Frontier Post, Weekend Post*. Peshawar, 15 July 1988.

'Politics of the Tribal Kind' (Excerpts from *Frontier Perspectives: Essays in Comparative Anthropology* by Charles Lindholm). *Dawn*. Karachi, 2 March 1996

*Dawn*. Karachi, 2 January 1996.

*Khyber Mail*. Peshawar, 11, 12 June 1963; 21 October 1974; 18 March 1976; 12 February 1979

*Pakistan Times*. Rawalpindi, 6, 15 December 1962; 22 October 1969

This book is scan & Compiled By:

[www.kitaboona.blogspot.com](http://www.kitaboona.blogspot.com)

Like Facebook Page

Join Facebook Group

Follow Twitter

Visit Blog



**مصطفیٰ کے بارے میں:**

ڈاکٹر سلطان روم سوات کے علاقہ ٹیک بی ٹیل (تختیل کھل) کے گاؤں ہزارہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ پرائمری اور سینکڑی تعلیم ہزارہ اور کھل میں سرکاری سکولوں سے حاصل کی۔ چار سال تک گورنمنٹ جہان زیب کالج سیدو شریف، سوات میں زیر تعلیم رہے۔ ایم اے شعبہ تاریخ عمومی، یونیورسٹی آف کراچی اور بی اے ڈی، شعبہ تاریخ یونیورسٹی آف پشاور سے کی۔ آج کل گورنمنٹ جہان زیب کالج سیدو شریف، سوات میں اسٹنٹ پروفیسر آف ہسٹری کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر سلطان روم پاکستان ہسٹریکل سوسائٹی کے تاحیات رکن ہونے کے علاوہ اس کے ایگزیکٹو کمیٹی کے موجودہ رکن بھی ہیں۔ آپ کی دوسرے اداروں کے بھی رکن ہیں۔ آپ کے میدانِ ذوق میں اس علاقے کا سیاسی، سماجی اور معاشی تاریخ اور ثقافت و قدرتی وسائل شامل ہیں۔

ڈاکٹر سلطان روم کے بہت سے تحقیقی مضامین علمی جرائد اور کتابوں وغیرہ میں شائع ہوئے ہیں۔ آپ نے متعدد قومی اور بین الاقوامی سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شرکت کی ہے جن میں اپنے مقالے بھی پیش کیے ہیں۔ آپ کی دوسری کتابوں میں ’’دلی ماتھ ویسٹ فرغیہ (تیسرے پستون خوا)‘‘، ’’السیز آن ہسٹری‘‘، ’’لیٹل اینڈ فارسٹ گورنمنٹ‘‘، ’’ٹرانزیشن فرام ٹرائل سسٹم ٹو سوات ٹیٹ ٹو پاکستان‘‘ اور ’’پستونب الامثال کی ایک کتاب‘‘ ’’مکتوبہ‘‘ شامل ہیں۔

☆.....☆.....☆

**مترجم کے بارے میں:**



احمد فواد کاسمل نام فرید احمد ہے۔ آپ 1954ء میں گلگت ضلع سوات (اب ضلع شانگلہ) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم شاہ ولی اللہ اور ٹیل کالج منسورہ (سندھ) سے حاصل کی۔ حیدرآباد پورڈ سے میٹرک کیا، بی اے آنرز تاریخ اور انٹرنش اوب میں ایم اے کراچی یونیورسٹی سے کیا۔

پستون کی ماوری زبان ہے جب کہ اردو، عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں پر بھی انھیں دسترس حاصل ہے۔ احمد فواد اردو اور پشتو کے بہت اچھے شاعر ہیں، اپنی منفرد شاعری کی بناء پر انھیں ادبی حلقوں میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ زمانہ طالب علمی میں آپ کراچی سے نکلنے والے اخبارات ’’روزنامہ‘‘، ’’جسارت‘‘، ’’نوائے وقت‘‘ اور ’’پندرہ روزہ‘‘ سے منسلک رہے۔ جب ’’روزنامہ‘‘ ’’جسارت‘‘ سے وابستہ تھے تو کچھ عرصہ کے لیے اس کے ادبی صفحے کے ایڈیٹر بھی رہے جس کے دوران انھوں نے بڑی بڑی ادبی شخصیات کے خاکے لکھے اور بعض کے انٹرویو کئے۔ ان کے خاکے اور انٹرویوز اپنے انوکھے انداز کی وجہ سے بہت پسند کئے گئے۔ احمد فواد کراچی کے کثیر الاشاعت اخبار ’’روزنامہ‘‘ ’’امت‘‘ میں ایک عرصے تک کالم لکھتے رہے۔ انھوں نے ایک ناول بھی لکھا ہے۔

احمد فواد کی تین کتابیں ’’یو کوئی کتاب نہیں‘‘، ’’دل ورق ورق تیرا‘‘ اور ’’ایک جاب چاندنی‘‘ اردو میں جب کہ ایک شعری مجموعہ ’’سکرت رانگلہ و یگل شلم‘‘ ’’پستون زبان میں زیو طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ سوات میں جب شورشِ باغی تھی تو ان حالات سے متاثر ہو کر انھوں نے ایک نظم ’’سوات زخموں سے نڈھال‘‘ لکھی جسے قومی اور عالمی سطح پر خاصی پذیرائی حاصل ہوئی۔ آپ جہان زیب کالج سیدو شریف کے انٹرنش ڈیپارٹمنٹ میں یہ طور چیزتین خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ اس وقت آپ گورنمنٹ کالج منڈ (سوات) میں انگریزی پڑھاتے ہیں۔

☆.....☆.....☆